دستور الفصاحت

بیاد گارِ

عقدِ سعیدِ نکاحِ حضور مرشد زادۂ آفاق

نواب ولیعہد بہادر

احمد علی یکتا

محمد اقبال

۵ فروری ۱۹۳۳ء

سلسلۂ مطبوعات کتابخانۂ ریاست رامپور : نمبر ۴

دستور الفصاحت

(مقدمہ و خاتمہ)

مصنفۂ

حکیم سید احد علی خاں یکتا بن سید احمد علی خاں لکھنوی

بتصحیح

امتیاز علی خاں عرشی

ناظم کتابخانۂ رامپور

حسب الحکم فرمانروای رامپور، دام اقبالہم و ملکہم

ہندوستان پریس ، رامپور

۱۹۴۳ع

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

تمہید

اردو شعر گوئی کے ابتدائی دور میں گجرات، دکن، پنجاب اور دوآبے کے شاعر مقامی بولیوں اور مخصوص محاوروں میں شعر کہتے تھے۔ جب بارھویں صدی ہجری کے لگ بھگ، دلی نے ادبی مرکز کی حیثیت اختیار کی، تو بیرون دھلی کے اھل سخن کو بھی شاہجہان آباد کا روزمرہ سیکھنا پڑا، تاکہ اس بین الا قوامی نئی زبان کے سہارے، ملک بھر سے داد سخن حاصل کریں۔

مرکز سے دور رھنے والے شاعروں اور ادیبوں کو دلی کے مخصوص محاوروں اور اصطلاحوں کے سمجھنے میں جو دشواریاں پیش آتی ھونگی، اون کو دور کرنے کے لیے زبان کے ماھروں نے اردو لغت نویسی کی بنا ڈالی، اور شہنشاہ عالمگیر کے وقت سے شاہ ظفر، آخری تاجدار دھلی، تک متعدد کتابیں اس فن پر لکھی گئیں، جن میں سے مولانا عبدالواسع ھانسوی کی کتاب «غرائب اللغات» اس مبارک کوشش کا پہلا پھل ھے۔

آگرے کے مشہور محقق ادیب، سراج الدین علی خان آرزو نے ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ع) میں اس کتاب پر اصلاحی نظر ڈالی اور ھانسوی کی کوتاھیوں کو جابجا ظاھر کر کے، اس مجموعے کا نام «نوادر الالفاظ»

رکھا (۱) آرزو کے بعد ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ع) میں زبدۃ الاسماء، ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ع) میں طپش کی شمس البیان، ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۰ع) میں مفتاح اللغات عرف نام مالا، ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ع) میں واصف کی دلیل ساطع، ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) میں بلگرامی کی نفائس اللغات، ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ع) میں رشک کی نفس اللغه، ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) میں انفس النفائس اور ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ع) میں اس کے اصلاح شدہ نسخۂ موسومه به «منتخب النفائس» کی تالیف و ترتیب عمل میں آئی۔

مگر افسوس که ملك بھر میں اردو کے قواعد صرف و نحو کی طرف سے عرصے تك غفلت برتی گئی۔ جب یورپ کے اردو دانوں نے اس مضمون پر خامه فرسائی کرلی، تب دیسی ادیبوں کو احساس ھوا، اور انھوں نے بھی رفته رفته اس راہ کی گامزنی شروع کی۔ چنانچه عام طور پر، ھندوستانیوں کی سب سے پہلی قواعد اردو کی کتاب، میر انشاء اللہ خاں انشا کی «دریای لطافت» شمار کی جاتی ھے، جو مرزا قتیل کی مدد سے ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع) میں تمام ھوئی تھی۔

---

(۱) ملاحظه ھو مجمع النفائس: ۵۵ الف۔ مگر عام طور پر یه غرائب اللغات ھی کہلاتی ھے۔ کتاب خانۂ عالیۂ رامپور میں اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے محفوظ ھیں۔ ان میں سے ایك کے اندر، دوسرے تمام نسخوں کے برخلاف، ھر ردیف کے لغات کے بعد اوسی ردیف سے تعلق رکھنے والے قلعۂ معلی کی بیگمات کے محاورے بعنوان «فصل» درج کیے گیے ھیں۔ اگر یه فصلیں الحاقی نہیں ھیں (جیسا که بظاھر ان کو الحاقی کہنے کی کوئی وجه موجود بھی نہیں)، تو ھم ان کے ذریعے سے ۱۱۵۶ھ سے قبل کی بیگماتی زبان سے بخوبی روشناس ھو جاتے ھیں۔

رنگیں نے بھی «محاورات بیگمات» کے نام سے اسی مضمون کا ایك رساله لکھا تھا، جو عرصه ھوا چھپ چکا ھے۔ آرزو کی فصلوں سے اس رسالے کے لغات کا مقابله کرنے پر پتا چلا که رنگیں کا رساله آرزو کی فصلوں کا لفظی ترجمه ھے، جسمیں کہیں کہیں صرف لفظوں کی ترتیب میں فرق آگیا ھے۔ مگر یه فرق اسدرجه ناقابل توجه ھے که رنگین سرقے کے الزام سے کسی طرح بری نہیں ھوتا۔

مئی ۱۹۳۹ع میں سید احدعلی یکتا لکھنوی کی «دستور الفصاحت» نام کی ایک کتاب، کتاب خانۂ عالیۂ رامپور کے لیے خریدی گئی، تو اوس کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ انشا کی «دریای لطافت» سے پہلے اوس کی تالیف کا کام شروع کردیا گیا تھا، اور غالبا اس سے قبل ھی انجام بھی پا گیا تھا۔ مگر انشا کی خوش بختی کہ اوس کی کتاب تمام ھوکر ملک بھر میں پھیل گئی، اور یکتا کی بدقسمتی کہ اولاً تو برسوں کے بعد مسوده صاف کرنے کی مہلت ملی، ثانیا مسوده صاف ھوکر بھی ۱۹۳۹ع تک گوشۂ گمنامی سے باھر نہ آسکا۔

دستور الفصاحت انشا کی کتاب کی طرح دلچسپ تو نہیں کہی جاسکتی، مگر جہانتک فنی افادی حیثیت کا تعلق ھے، اوس سے کسی طرح کم بھی نہیں ھے۔ اس کے شروع میں مصنف نے اردو زبان کی پیدایش، ترقی، اور حلقۂ اثر سے بحث کی ھے۔ اس کے بعد چند ابواب اور ذیلی فصلیں قائم کرکے، صرف، نحو. معانی، بیان، بدیع، عروض اور قافیے کے قواعد و ضوابط بیان کیے ھیں۔ خاتمے میں ۳۰ ایسے شاعروں کا ذکر کیا ھے، جن کے شعر کتاب کے اندر سند میں پیش کیے گئے ھیں۔

چونکہ کتاب کا مقدمہ اردو زبان کی تاریخ پر مفید روشنی ڈالتا تھا، نیز خاتمے کے مباحث شعرا کے بارے میں متعدد دلچسپ اور اھم بیانوں اور نکتوں پر مشتمل تھے، اس بناپر حسب ایمای بندگان ھمایون اعلی حضرت فرماں روای رامپور، دام اقبالھم و ملکھم، یہ دونوں حصے تصحیح و تحشیہ کیساتھہ یکجا شائع کیے جارھے ھیں۔

اصل نسخے میں کتابت کی بہت سی غلطیاں پائی جاتی ھیں، نیز

املا بھی قدیم انداز کا ھے۔ حقیر مصحح نے ان دونوں کی اصلاح کر کے بعض جگہ اس طرف اشارہ بھی کر دیا ھے، اور متن میں جابجا جو الفاظ رہ گئے تھے، اونھیں اپنی طرف سے پورا کیا ھے۔ جہاں کہیں کوئی لفظ بڑھانا پڑا ھے، وھاں اضافے کو بریکٹ میں لکھا ھے۔ کتاب کا دوسرا نسخہ دستیاب نہونے کی بناپر فارسی متن کی تصحیح خاطر خواہ نہیں ھوسکی ھے۔ البتہ اشعار کی صحت میں دواوین یا دوسرے تذکروں سے کہیں کہیں مدد لی ھے۔

حواشی میں کوشش کی گئی ھے کہ ھر شاعر کے متعلق یہ بتا دیا جاے کہ اور کون سی کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ھے۔ اگرچہ اس بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حالات شعرا سے متعلق جملہ حوالے دیدیے گئے ھیں، تاھم یہ ضرور ھے کہ اھم پرانے تذکرے اور تاریخ کی کتابیں نظرانداز نہیں ھونے پائی ھیں۔ ان کتابوں میں سے جو طبع ھوچکی تھیں، اون کے صفحوں کا حوالہ دیدیا گیا ھے، اور جو چھپی نہیں اور نہ ھرجگہ دستیاب ھوتی ھیں، اون کی پوری پوری عبارتیں نقل کردی گئی ھیں، تاکہ آیندہ تحقیقی کام کرنے والوں کو زحمت اٹھانا نہ پڑے۔ یہ امر بھی قابل اظہار ھے کہ جن مطبوعہ تذکروں کے قلمی نسخے ھمارے یہاں موجود تھے، اون کا حوالہ دیتے وقت قلمی نسخوں کو سامنے رکھا ھے۔ اس سے مقصود یہ ھے کہ فہرست کے شائع ھونے سے پہلے ھی ملک کے ادیبوں کو ھمارے ان نسخوں کا علم ھوجاے۔ چونکہ تذکرے بالعموم حروف تہجی پر مرتب ھوتے ھیں، امید ھے کہ مطبوعہ نسخوں میں ان شاعروں کی تلاش موجب زحمت نہ ھوگی۔

اصل کتاب سے پہلے مصنف کا حال، نسخۂ رامپور کی کیفیت اور زمانۂ تالیف وغیرہ چند مباحث درج کیے گئے ہیں، تاکہ اس کتاب کا مالہ و ماعلیہ واضح ہو جائے۔ مآخذ کے عنوان سے اون تمام کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کے حوالے حواشی میں جابجا دیے گئے ہیں۔ عام طور پر تذکروں کے بیانات تاریخی غلط فہمی پیدا کر دیتے ہیں۔ ان غلط فہمیوں کا منشا یہ ہوتا ہے کہ بہت سے تذکروں میں سال تالیف یا تو سرے سے مذکور ہی نہیں ہوتا، اور مذکور ہوتا ہے، تو آغاز یا اختتام تالیف کو ظاہر کرتا ہے۔ اب اگر تذکرے کے اندر کسی شاعر کے بارے میں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ اوس کے انتقال کو دو سال ہوے، تو ہم یہ قیاس کرتے ہیں کہ جس سنہ میں اس کا آغاز یا اختتام ہوا ہے، اوس سے دو سال پہلے موت واقع ہوئی ہوگی، حالانکہ بسا اوقات یہ دو سال آغاز و اختتام سے قبل کے نہیں ہوتے؛ بلکہ درمیان کے ہوتے ہیں اور مصنف تذکرہ کی مراد وقت کتابت سے دو سال پہلے ہوتی ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ حتی الامکان اس مسئلے سے سیر حاصل بحث کروں۔ چونکہ خود مجھے بھی غلط فہمی ہونے کا امکان ہے، اس لیے چاہتا ہوں کہ ملک کے ارباب تحقیق اس حصے پر گہری نظر ڈال کر اپنی راے کا اظہار فرمائیں، اور آیندہ کام کرنے والوں کو مزید دقت اٹھانا نہ پڑے۔

چونکہ حاشیوں میں ہر کتاب کا پورا نام دہرانا تضییع اوقات کا موجب تھا، اس لیے ناموں کی جگہ اون کے مخففات استعمال کیے گئے ہیں، جنھیں مآخذ کی بحث میں ہر کتاب کے نام کے بعد بریکٹ میں ظاہر بھی کر دیا ہے۔ مخففات کے ذکر میں تاریخ

تصنیف کے لحاظ سے تقدیم و تاخیر برتی گئی ھے۔ جو باتیں ترتیب وطباعت کے بعد معلوم ھوئیں، اون غلطیوں کے ساتھه، جو مجھه سے یا کمپوزیٹر سے سرزد ھوئی تھیں، «استدراك و تصحیح» کے ماتحت آخر میں شامل کردی گئی ھیں۔

اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ میں جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی (صدر شعبۂ عربی و فارسی، الہ‌آباد یونیورسٹی) اور جناب قاضی عبدالودود صاحب بارایٹ‌لا (بانکی‌پور، پٹنہ) نے بڑے قیمتی مشورے عطافرمائے ھیں۔ میں ان بزرگوں کا بیحد شکر گزار ھوں۔ جزاھما اللہ خیرالجزاء۔

امتیاز علی عرشی
ناظم کتابخانہ

کتاب خانہ، قلعۂ معلی، رامپور
١٠ اگست سنہ١٩٤٢ع

سوانح مصنف

مصنف کا نام سید احد علی، تخلص یکتا اور باپ کا نام سید احمد علی خان ہے (۱)۔ اوس کی پیدایش گاہ کا ہمیں کچھ علم نہیں، مگر یہ یقینی امر ہے کہ پرورش لکھنئو ھی میں پائی، اور یہیں اوس کی انتہائی تعلیم ہوئی۔ اوس کے استادوں میں سے صرف حکیم آقا محمد باقر ابن حکیم معالج خان کشمیری کا نام معلوم ہے، جن سے اوس نے میر شیر علی افسوس کی ہمدرسی میں برسوں طب پڑھی تھی (۲)۔

غالبا اوس کا پیشہ طبابت تھا (۳)، اور لکھنئو کے فاضل رئیس، مرزا فخرالدین احمد خان بہادر، عرف مرزا جعفر، اور اون کے بڑے بیٹے، مرزا قمرالدین احمد خان بہادر، عرف مرزا حاجی، قمر تخلص، کے دامن دولت سے وابستگی تھی۔ مرزا حاجی کے تذکرے میں اس تعلق کی طرف بایں الفاظ اشارہ کیا ہے (۴):

«عاصی از مدت نمك پرورده و دست گرفتۂ این خاندان ست۔»

مرزا حاجی، قتیل کے شاگرد اور ناسخ کے مربی تھے۔ دیگر شعرا اور ادیبوں نے بھی اون کے خوان کرم سے زلہ ربائی کی تھی۔ غازی الدین حیدر کے عہد میں، آغامیر کے ہاتھوں یہ خاندان مصائب کا شکار ہوا، تو یکتا بھی سالہاسال تك دنیوی پریشانی سے نہ

---

(۱) دستور : ۲۔ آغاز کتاب میں حاشیے پر مردان علی خان رعنا نے اوسے لکھنوی لکھا ہے۔

(۲) دستور : ۱۰۱۔

(۳) کتاب کے آخری ورق پر حکیم سید احد علی خان صاحب کے حوالے سے چٹنی کا ایك نسخہ تحریر ہے۔ طبابت پیشگی کا قیاس اسی تحریر سے قائم کیا گیا ہے۔

(۴) دستور : ۲۲۰ الف۔

چھوٹا۔ اس زمانے میں اوس کے قوای فکری اس درجہ ناکارہ ہوگئے تھے، کہ دستور الفصاحت پر نظر ثانی تک نہ کرسکا (۱)۔

نصیر الدین حیدر، والیء اودہ، کے دربار سے توسل پیدا کرنے کی خاطر اوس نے ایك مدحیہ قصیدہ بھی لکھکر پیش کیا تھا (۲)۔

دیباچے کے منقبتی فقرے، امام صاحب الزمان کی تعریف کے اشعار، نیز خاتمۂ کتاب میں ہر طبقے کے اندر بارہ بارہ شاعروں کا تذکرہ، یہ قرائن بتاتے ہیں کہ یکتا کا مذہب اثنا عشری تھا۔

یکتا اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا؛ لیکن اوسے خود اعتراف ہے کہ اس فن میں اوسے کامل دستگاہ حاصل نہیں۔ اسی خیال سے اوس نے خاتمے میں شاعروں کیساتھہ اپنا حال اور اپنے کلام کا انتخاب تك پیش نہیں کیا ہے (۳)۔ البتہ کتاب کے اندر اپنے بہت سے شعر مثالوں میں درج کیے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے وہ اوسط درجے کا سخن گو ثابت ہوتا ہے۔

غالبا اوس کی شخصیت اپنے زمانے میں ممتاز نہ تھی، اس لیے تاریخ اور تذکرے کے صفحے اوس کے ذکر سے خالی ہیں۔

ہم پہلے اوس کے فارسی شعر لکھتے ہیں۔ ان میں سے پہلا نصیر الدین حیدر کی مدح میں ہے:-

ای نصیر الدین جہان بخشی! کہ از اقبال ہست
تیغ عالمگیر تو، روزظفر، مالك رقاب

---

(۱) دستور: ۲۲۱ ب۔
(۲) ایضا: ۱۷۴ الف۔
(۳) ایضا: ۲۲۱ ب۔

دوسرا شعر کسی غزل کا ہے (۱):

چنین مشو که در افواه خاص و عام افتی
زخلق شرم کن اکنون، اگر مروت نیست

تیسرا شعر دیباچے کے آخر میں لکھا ہے، جو اسی موقع کے لیے فی البدیہہ کہا گیا ہوگا:

بذیل عفو بپوشند عیبہای مرا
گران کنند بخوبیء خود بہای مرا

اردو شعروں میں سے چند چنے ہوے اشعار یہ ہیں:

ہر ایک دم یہ جو ہوتا ہے تو خفا، پیارے!
بتا تو کھل کے، کہ ہے میری کیا خطا پیارے!

جو چاہتے ہو کہ دل میں کسی کے راہ کرو
تو مسکرا کے ادھر بھی کبھی نگاہ کرو

عکس لب ہے ساغر میں، یا یہ سرخیء مل ہے
زلف بکھری ہے رخ پر، یا گلوں پہ سنبل ہے

جب سے گیا پہلو سے وہ، دل کی جگہ
پہلو میں اک آگ کی چنگاری ہے

توڑنا ہی تمہیں گر شیشۂ دل تھا میرا
شکل ساغر، مجھے یہ منہ نہ لگایا ہوتا

اب بھی تو وہ نگار ہی منظور ہے مدام
دل جس کے درد ہجر سے رنجور ہے مدام

جب سے چمکا ہے ترے عارض نورانی سے

---

(۱) ایضا: ۲۵ ب۔ ان کے ماسوا، ایک قطعۂ تاریخ تالیف خاتمے میں مذکور ہے۔

حسن کو ننگ ہوا یوسف کنعانی سے

نجانے، کیا یہ آفت ھے کہ جس کو چاھتا ہوں میں
وھی دشمن مرا دنیا میں دونا ضد سے ھوتا ھے؟

نام سے میرے اوسے ننگ ھے؛ مت پوچھو کوئی
حسن پر اپنے وہ ان روزوں ھے مغرور بہت

نبی کے باغ کا تازہ شجر، علی کا نہال
بہار حضرت زہرا، حسن کے دل کا ثمر
وصی حسین کا، زین‌العبا کے دل کا چین
علوم باقر و جعفر اوسی میں سب مضمر
رموز موسیء کاظم سے، جوں علی، آگاہ
امام ثامن ضامن کا اختر انور
نقاوت اوس میں نقی کی، تقی کا حلم و وقار
جہاں میں شہرہ، حسن عسکری کا نور نظر
وھی ھے، کہتے ھیں جس کو خلیفة الرحمن
امام بارھواں، یعنی سمی پیغمبر

بسکہ ناسازیء زمانہ سے
بوتۂ مفلسی میں، ہوں میں گداز
در بدر تسپہ صورت زر قلب
خوار کب تک پھروں، برای نیاز؟
کیا ھو، گر لطف تیرا، اے ممدوح!
کرے، اکسیر ساں، مجھے ممتاز؟

اوس نے تو پوچھا شب مجھے بیتاب جانکر
پر آنکھوں میں پھری نہ مری، خواب آن کر

چیر کر دل کو مرے، دور کیا پہلو سے
اوس سے جو ہوسکا، مجھ پر وہ بلا لائے گیا

رباعیات

جب بیٹھنا اوٹھنا یکدگر کا چھوٹا
جینے مرنے کا رشتہ سارا ٹوٹا
پھر بسنا، اوجڑنا، کس نے دیکھا ہے؟ کہ اب
گھر وصل کا ہجر نے ستم سے لوٹا

اپنے بیگانے سب ہیں حاضر تم پاس
ہونا غیروں کا پر رکھے ہے وسواس
جب اپنے سبھی طرح ہوں باب صحبت
بیگانوں کو دو نکال، بیخوف وہراس

اے بیخبرو! نہ اتنا غافل سوؤ
اوٹھو، چونکو، ٹک اپنا منہ تو دھوؤ
دنیا میں گھسوگے اولٹے سیدھے، کب تک؟
ایسا نہ ہو، منہ پہ ہاتھہ دھر کر روؤ

دیکھانہ، جہاں کا، تونے بس، لیل و نہار
زنہار، نہ مل کسی سے، غافل، زنہار!
ہیں اپنی ہی اپنی، یہ، غرض کے، سب لوگ
ہشیار ہی رہنا، پیارے، ہردم ہشیار

کیا جانیے، کیوں ہوا وہ مجھہ سے بیزار؟
بیزار نہ ہوتا، تو نہ کرتا تکرار
تکرار سے اوس کی، دل جلے ہے اپنا

اپنا نہیں شیوہ، ورنہ، رنجش زنہار
میں دل سے ہوں ناعت اوس کا، بے کاوش و کد
حق نے جسے بخشی ہے شفاعت کی سند
معلوم ہو صاف اوس کا اسم امجد
دیکھیں سر مصرع، گر بہ ترتیب و عدد

نسخے کی کیفیت

یہ نسخہ $9\frac{1}{4} \times 6$، $6\frac{1}{2} \times 3\frac{1}{2}$ ناپ کے ۲۱۹ ورقوں پر مشتمل ہے۔ شروع میں دو، اور آخر میں ایک یہ تین ورق فاضل لگے ہوے ہیں، جن کی رو سے کل تعداد اوراق ۲۲۲ ہوتی ہے۔ ورق ۳ ب سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ ہر صفحے میں ۱۵ سطریں ہیں۔ خط معمولی نستعلیق اور کہیں کہیں شفیعا آمیز ہے۔ طرز تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ دو کاتبوں نے ملکر لکھا ہے۔ متن سیاہ اور عنوانات شنگرفی ہیں۔ تقریبا ہر صفحے پر کرمخوردگی کے نشان ہیں۔ کتابخانے میں اس کی نئی جلد تیار کرتے وقت، چند ابتدائی اجزا کا حوضہ اور کل کا پشتہ نیا ڈالدیا گیا ہے۔

پہلے صفحے پر نواب مردان علی خان رعنا مرادآبادی (تلمیذ مرزا غالب) کی سیاہ مربع مہر ہے، جس کے چاروں گوشے کسیقدر ترشے ہونے کے باعث مثمن شکل پیدا ہوگئی ہے۔ مہر کے اندر: «الله حافظ مہر کتبخانۂ محمد مردان علی خان رعنا ۱۲۸۲ھ» منقوش ہے۔

ورق ۱ ب اور ۲ الف پر کتاب کا تھوڑا سا دیباچہ نقل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ترچھی سطروں میں حسب ذیل اشعار بعنوان رباعی تحریر ہیں:-

گربہ گرسنہ بود، بصحرائی میدوید
زاغ نشستہ بر ھنگ، آن گربہ را ندید
چون زاغ را گرفت، نظر موش بر فتاد
خواھد کہ موش گیرد، زاغ از دھان پرید

خالی کہ بود برلب، زان شھد می چکید
ھنگام بوسہ دادن، آن خال را گزید
در آئینہ بدید، آن خال را ندید
حیران جھان بماند کہ زاغ ازدھان پرید

اشعار کے نیچے لکھا ھے: « کاتب‌الحروف بندہ شیخ دلاور علی بہاری بمقام موتیہاری »۔ اس سے معلوم ہوتا ھے کہ یہ نسخہ صوبۂ بہار کا بھی سفر کرچکا ھے۔ ورق ۲ ب سادہ ھے۔ ۳ الف کے بالائی بائیں گوشے میں « مولفۂ سنہ ۱۲۴۹ ھجری ار تالیف سید احد علی یکتا لکھنوی » مندرج ھے۔ غالبا یہ رعنا کے قلم کی تحریر ھے۔ اسی قلم سے ورق ۲۲۱ ب میں قطعۂ تاریخ کے مادے کے اوپر اعداد ۱۲۴۹ لکھے گئے ھیں۔

حاشیوں پر متعدد توضیحی نوٹ بھی پائے جاتے ھیں۔ یہ سب عربی لغات کی تشریح کرتے ھیں اور منتخب وغیرہ عربی لغت کی کتابوں کے اقتباس ھیں۔ کہیں کہیں متن کے اندر یا حاشیوں پر کتابتی غلطیوں کی بھی اصلاح کی گئی ھے۔ تاھم متن میں بہت سی املائی غلطیاں باقی ھیں۔

آخر میں کاتب نے اپنا نام اسطرح لکھا ھے: « الکاتب الخاتمہ ھدایت علی الموھانی »۔ اس سے معلوم ھوتا ھے کہ کاتب موھان (صوبۂ متحدہ) کا باشندہ اور غیر عربی داں تھا۔ مگر یہ

صرف خاتمۂ کتاب کا کاتب معلوم ہوتا ہے۔ ابتدائی ابواب کے کاتب کا نام مذکور نہیں ہے۔ غالبا وہ شیخ دلاور علی بہاری ہوگا۔

ورق ۱۴۵ ب پر استفہام تقریری کی بحث میں، میرسوز کا یہ شعر متن کے اندر مذکور تھا:

تو جو کہتا ہے: «گلہ میرا کیا جس تس کنے»
کب کیا؟ کس جا کیا؟ کس وقت؟ کس دم؟ کس کنے؟

اس شعر کے محاذ میں حاشیے پر لکھا ہے: «معلوم باد کہ شعر میر سوز مشتمل بر استفہام انکاری بود۔ از سہو خود در تقریری نوشتہ شدہ ۱۲»۔ اس عبارت کے بعد، خط نسخ میں تحریر ہے: «النقل کالاصل»۔ بعد ازاں کچھ اور بھی بخط نستعلیق مندرج تھا، مگر وہ حاشیے کے ساتھ کٹ گیا ہے۔ ہمارے نسخے میں سوز کا شعر اور حاشیے کی دونوں عبارتیں خط زدہ ہیں

ورق ۱۷۲ الف پر «صنعت ردالعجز من العروض مع التکرار و التجنیس» کی مثال میں مصنف نے اپنی یہ رباعی لکھی تھی:

میں فرض کیا کہ اب پھر آوے لیلی
وہ شخص کہاں، کہ جس کو بھاوے لیلی؟
ٹک بھی اوسے نیند میں جو پاوے لیلی
تاحشر نہ قیس کو اوٹھاوے لیلی

اس رباعی پر خط کھینچ کر، حاشیے پر حسب ذیل رباعی تحریر کی گئی ہے:

بے مثل تھی، گو، بفکر قیسی لیلی
تو جیسا ہے، یار، کب تھی ایسی لیلی؟
نیند اوڑگئی جس سے میرے لیلی‌وش کی

اے نالہ! بتا، یہ تونے کیسی لے لی؟

اس تغیر و تبدل کے پیش نظر، میرا خیال ھے کہ ھمارا نسخہ مصنف کے اوس نسخے کی نقل ھے، جو رمضان علی لکھنوی نے تیار کیا تھا۔ غالبا اس میں بعض مقامات مشتبہ رہ گئے تھے، جن کے مقابل حاشیے پر مصنف نے اپنا شک ظاھر کیا تھا۔ ھمارے نسخے کے کاتب نے حاشیے کی عبارتوں کو بھی نقل کرلیا۔ جب یہ نسخہ مصنف نے دیکھا، تو حاشیوں کو قلمزد کرکے متن میں اون مقامات کی تصحیح کردی۔ نیز اس نظر میں وہ غلطیاں بھی درست کردیں، جو پہلے نسخے کے مطالعے کے وقت خیال میں نہ آئی تھیں۔

مذکورہ خیال کی تقویت اس امر سے ھوتی ھے کہ ھمارے نسخے کے آخر میں ایک ورق منضم ھے، جس پر چٹنی کا ایک نسخہ «جناب حکیم سید احد علی خان صاحب قبلہ» کا تجویز کیا ھوا درج ھے۔ میرے نزدیک ان حکیم صاحب سے، ھمارا یکتا مراد ھے، جو حکیم آقا محمدباقر لکھنوی سے اپنے علم طب کے حصول کا خود ذکر کرتا ھے۔ اگر میرا قیاس درست ھے، جس کے خلاف یقینا کوئی دلیل نہیں، تو دستورالفصاحت کا یہ نسخہ قابل قدر ھے۔

ترتیب مضامین

حمد و نعت کے بعد، مصنف نے غرض تالیف بیان کی ھے۔ بعد ازاں اصل مباحث کو ایک مقدمے، پانچ ابواب اور ایک خاتمے میں منقسم کیا ھے۔

مقدمہ (ورق ۴ ب - ۱۲ الف)

اس میں زبان اردو کا مصداق، اوس کی پیدایش کے

اسباب، خالص اور مستند زبان کے مرکز اور حروف تہجی سے بحث کی ھے۔ اس کتاب کی تصنیف تک لکھنوی ٹکسال کے سکوں کو رواج عام کی سند حاصل نہیں ھوئی تھی؛ اسلیے مصنف نے شاہجہاناباد کے محاوروں اور وہاں کے فصحا کی بولچال کو مستند مانا ھے۔

باب اول (ورق ١٢ الف — ٤٣ ب)

اس میں فارسی زبان کے اون قواعد صرف و نحو سے بحث ھے، جن کا علم زبان اردو کے طالب علم کے لیے ضروری ھے۔ یہ باب ٤ فصلوں پر مشتمل ھے:

فصل اول (ورق ١٢ الف — ٣٣ الف) حروف مفردہ کے بیان میں ھے۔

فصل دوم (ورق ٣٣ الف — ٣٥ ب) مخصوص دوحرفی اور سہ حرفی کلمات کے بیان میں ھے۔

فصل سوم (ورق ٣٥ ب — ٣٧ الف) میں اون کلمات کا ذکر ھے، جو جداگانہ محلوں میں تنہا استعمال کیے جاتے ھیں۔

فصل چہارم (ورق ٣٧ الف — ٤٣ ب) میں متفرق فوائد کا تذکرہ ھے۔

باب دوم (ورق ٤٣ ب — ٨٢ ب)

اس میں اردو زبان کے قواعد صرف سے بحث ھے۔ یہ باب ایک تمہید اور ٦ فصلوں میں منقسم ھے:

تمہید (ورق ٤٣ ب — ٤٥ ب) میں لفظ کی تقسیم اور فصلوں کی تعریف بیان کی ھے۔

فصل اول (ورق ٤٥ ب — ٤٧ الف) میں صیغوں کا بیان ھے۔

فصل دوم (ورق ۴۷ الف - ۴۹ ب) میں معروف و مجہول اور گردانوں کا بیان ھے۔

فصل سوم (ورق ۴۹ ب - ۵۱ الف) میں بعض اون الفاظ سے بحث کی ھے، جن کے ماضی و حال کے صیغوں میں لفظی اختلاف پایا جاتا ھے۔

فصل چہارم (ورق ۵۱ الف - ۵۲ ب) میں لازم اور متعدی کا بیان ھے۔

فصل پنجم (ورق ۵۲ ب - ۵۳ ب) میں ضمائر کا ذکر ھے۔

فصل ششم (ورق ۵۳ ب) میں یہ بتایا ھے کہ اردو زبان میں، ہندی الفاظ کے ساتھہ عربی و فارسی لفظ بھی ملے جلے استعمال کیے جاتے ھیں۔

اس باب کی فصلوں کے ساتھہ، اول و دوم وغیرہ الفاظ استعمال نہیں کیے ھیں۔ اس کے پیش نظر، تیسری اور چھٹی فصل کے متعلق، میں سمجھتاھوں کہ یہ فائدے ھیں، جن کے آغاز میں از راہ سہو کاتب نے لفظ فصل لکھدیا ھے۔

باب سوم (ورق ۵۳ ب - ۹۲ الف)

اس باب میں اردو زبان کے قواعد نحو سے بحث ھے۔

یہ باب ایک تمہید اور ۱۶ فصلوں میں منقسم ھے:

تمہید (ورق ۵۳ ب - ۵۷ ب) میں علم نحو کی تعریف، ترتیب فاعل و مفعول اور علامات فاعل و مفعول سے بحث ھے۔

فصل ۱ (ورق ۵۷ ب - ۵۸ الف) حال و ذوالحال کے بیان میں،

فصل ۲ (ورق ۵۸ الف) شرط و جزا کے بیان میں،

فصل ۳ (ورق ۵۸ الف - ۵۹ ب) مرکب غیرتام اور اوس کے

اقسام کے بیان میں،

فصل ۴ (ورق ۵۹ ب - ٦۱ الف) مرکب اضافی کے بیان میں،

فصل ۵ (ورق ٦۱ الف - ٦۵ الف) مرکب اعدادی کے بیان میں،

فصل ٦ (ورق ٦۵) حروف ندا کے بیان میں،

فصل ۷ (ورق ٦۵ ب) تمیز کے بیان میں،

فصل ۸ (ورق ٦۵ ب - ٦۷ ب) عطف کے بیان میں،

فصل ۹ (ورق ٦۷ ب) تاکید و موکد کے بیان میں،

فصل ۱۰ (ورق ٦۷ ب - ٦۸ الف) صله و موصول کے بیان میں،

فصل ۱۱ (ورق ٦۸ الف - ٦۹ ب) اسم فاعل، صفت مشبهه، مستثنی اور قسم کے بیان میں،

فصل ۱۲ (ورق ٦۹ ب) الفاظ کنایه کے بیان میں،

فصل ۱۳ (ورق ٦۹ ب - ۷۰ ب) معرفه کے بیان میں،

فصل ۱۴ (ورق ۷۰ ب - ۷۱ ب) اسم و فعل و حرف کے بیان میں،

فصل ۱۵ (ورق ۷۱ ب - ۷۲ ب) ضمائر کے بیان میں، اور

فصل ۱٦ (ورق ۷۲ ب - ۹۲ الف) حرف کے بیان میں هے۔

ان فصلوں کے ساتھ بھی شماری الفاظ مذکور نہیں هیں؛ اس لیے چھوٹی چھوٹی فصلوں کے متعلق احتمال هے که یه دراصل فائدے هوں، اور کاتب نے غلطی سے ان کے عنوانوں میں فصل لکھدیا هو۔

باب چهارم (ورق ۹۲ الف - ۱۲۹ الف)

اس باب میں عروض و قافیه سے بحث کی گئی هے۔ یه دو فصلوں میں منقسم هے:-

فصل اول (ورق ۹۲ الف - ۱۰۲۱ الف) میں عروض سے تفصیلی بحث ھے۔ جو بحریں اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعروں نے ترک کردی ھیں، اونھیں چھوڑ دیا ھے۔ بعض فارسی میں مستعمل بحریں، ھندی ذوق پر پوری نہیں اوترتیں؛ اس لیے اساتذۂ اردو نے اون میں شعر نہیں کہے ھیں۔ ایسے مواقع پر مثال کے لیے خود مصنف نے اشعار کہکر پیش کیے ھیں۔ بعض بحروں کے ذکر میں یہ بھی بتایا ھے کہ میر تقی میر نے اس میں بہت عمدہ غزلیں لکھی ھیں۔

فصل دوم (ورق ۱۲۱ الف - ۱۲۹ الف) میں علم قافیہ سے بحث ھے۔

باب پنجم (ورق ۱۲۹ الف - ۱۸۷ الف)۔

اس باب میں معانی، بیان اور بدیع سے بحث ھے۔ یہ چار فصلوں پر مشتمل ھے:

فصل ۱ (ورق ۱۲۹ - ۱۳۰ ب) میں فصاحت و بلاغت کی تعریف ھے۔

فصل ۲ (ورق ۱۳۰ ب - ۱۵۱ الف) میں علم معانی سے بحث ھے۔ اسے مصنف نے چند فوائد میں تقسیم کردیا ھے۔

فصل ۳ (ورق ۱۵۱ الف - ۱۵۹ الف) میں علم بیان سے بحث ھے۔

فصل ۴ (ورق ۱۵۹ الف - ۱۸۷ الف)، جس میں علم بدیع کا ذکر ھے، دو قسموں پر مشتمل ھے۔ قسم اول (ورق ۱۵۹ الف - ۱۶۹ ب) میں معنوی صنعتیں اور قسم دوم (ورق ۱۵۹ ب - ۱۸۷ الف) میں لفظی صنعتیں بیان کی گئی ھیں۔

خاتمه (ورق ۱۸۷ الف - ۲۱۹ ب)۔

اس میں اون شاعروں کے حالات اور منتخب اشعار پیش کیے گئے ھیں، جن کا کلام کتاب میں بطور مثال جابجا مذکور ھے۔ یہ شاعر، جن کی مجموعی تعداد ھمارے نسخے کے مطابق ۳۵ ھے، تین طبقوں میں منقسم ھیں۔ ان میں سے پہلے طبقے میں گیارہ اور باقی دونوں میں بارہ بارہ شاعروں کا ذکر ھے۔ چونکہ مصنف اثنا عشری مذھب تھا، اس لیے غالبا دوازدہ امام کے شمار کے مطابق ھر طبقے میں بارہ شاعروں کا ذکر ھوگا۔ ھمارے نسخے میں طبقهٔ اولی کا ایک نام سہوا چھوٹ گیا ھے۔

ان ۳۵ شاعروں کی تین طبقوں میں تقسیم، با لفاظ مصنف «با عتبار معلومات فن و قوت طبع و چستیء تالیف و شیرینیء کلام و شہرت خلق» کی گئی ھے۔

جیسا کہ تفصیل ماسبق سے ظاھر ھے، کتاب کی ترتیب عربی اور فارسی قواعد کی کتابوں سے ماخوذ ھے۔ لیکن خاتمهٔ کتاب میں شعرا کا تذکرہ، عبدالباسط کی «منار الضوابط» کی نقل ھے، جو دستور الفصاحت کا ایک ماخذ ھے۔ اس کتاب کے خاتمے میں بھی اون فارسی شاعروں کا مختصر حال لکھا گیا ھے، جن کے شعر مثال میں پیش کیے گئے ھیں۔

مصنف نے خاتمے میں جن شاعروں کا ذکر کیا ھے، اون کے علاوہ بعض اور شاعروں کے کلام سے بھی استناد کیا ھے۔ چنانچہ ورق ۸۷ ب پر مرزا محسن کا شعر ذیل لکھا ھے:

وہ تیر غمزہ ستم، سب کے سب، نہ ایک نہ دو
چلن ھیں جتنے، سب اوس کے کڈھب، نہ ایک نہ دو

ورق ۷٦ الف پر مرزاجان طپش کے یہ اشعار ذکر کیے ھین۔

جب طپش کو نہ ملی بوسے کی اوس لب سے خبر
تب فقیروں کی طرح، شعر یہ پڑھتا وہ چلا
بے نوا ھیں، کسی پر زور نہیں، یا محبوب!
دیوے اوس کا بھی بھلا، جو نہ دے اوس کا بھی بھلا

۸۴ ب پر آشفتہ کا یہ شعر لکھا ھے:

مرنے میں ملے وہ، دل، تو مرچک
ارمان رھے نہ یہ بھی، کرچک

ورق ۹۰ الف پر میر نواب کا حسب ذیل شعر ملتا ھے:

ایسا کس کام کا آنا؟ ارے چل، دور، چخے
جب کہ کہنا ھی نہ مانا، ارے چل، دور، چخے

ورق ۱۱۷ الف اور ۱٦۴ ب پر محشر کے یہ دو شعر علی‌الترتیب نقل کیے ھیں:

یار نے، محشر، تجھے زھر کا بھیجا ھے جام
جی نہ چھپا، میری جان، اب یہ پیا چاھیے

دور میں اوس چشم کے، گردوں کی آسایش نہیں
کس گھڑی، کس دم، نئے فتنے کی فرمایش نہیں؟

ورق ۱۵۹ ب پر حجام کا یہ شعر لکھا ھے:

رقیبوں پر، میاں، پڑتا ھے تب سو سو گھڑے پانی
بلا حجام کو، جس روز تم حمام کرتے ھو

ورق ۱٦۲ الف پر برق کا یہ شعر مندرج ھے:

رقیب، ضد سے، عبث کیا بیداغ جلتا ھے؟
کہیں بھی کالے کے آگے چراغ جلتا ھے؟

ورق ۱۶۴ ب پر اشرف کا یہ شعر لکھا ھے:

لوٹے چمن میں گل کی، خزاں یوں، بہار، حیف!
اور عندلیب، تو رھے جیتی، ھزار حیف!

ورق ۱۳۳ الف پر مرزا محسن صاحب کا یہ شعر درج کیا ھے:

کون کہتا ھے کہ مجھہ پاس تم آوو، بیٹھو؟
جی لگے آپ کا جن میں، وھیں جاوو بیٹھو

ورق ۱۵۸ ب پر سرقے کی بحث میں مجنون کا یہ شعر پیش کرکے:

بیٹھا تھا، مجھکو دیکھہ، بہانے سے اوٹھہ گیا
حسن سلوك، آہ! زمانے سے اوٹھہ گیا

لکھا ھے کہ شگفتہ کا یہ شعر سرقہ ھے:

آنکھیں چراکے، شب وہ بہانے سے اوٹھہ گیا
حرف مروت، آہ! زمانے سے اوٹھہ گیا

اس کے بعد مجنوں کا یہ شعر لکھہ کر:

پیا نہیں قدح مے کو میں کبھو تجھہ بن
رھا مدام مرے جام میں لہو تجھہ بن

کہتا ھے کہ میر شیر علی افسوس کا یہ شعر بھی سرقے میں داخل ھے:

ھنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھہ بغیر
روتے ھی، آہ! کٹ گئی یہ رات تجھہ بغیر

اسی بحث میں (ورق ۱۸۶ الف) حقیقت کا یہ شعر لکھا ھے:

کس کے ھیں انتظار میں آنکھیں؟
جو کھلی ھیں مزار میں آنکھیں

اور تجلی کے اس شعر کو سرقه قرار دیا ھے:

یه شوق دیکھو، پس مرگ بھی تجلی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں، سنا جو یار آیا

شیخ عیسی تنہا کے اس شعر کو:

دل کو ھاتھ اوس کے جو بیچوں، تو یه کہتے ھیں رقیب:
«لیجیو تم اسے، بازار ذرا دکھلا کر»

مصحفی کے اس شعر سے ماخوذ بتایا ھے:

دل بھی کیا جنس زبوں ھے؟ که خریدار اس کے
لیتے ھیں، پر اسے سوجا پہ دکھا لیتے ھیں

چونکه مصنف نے خاتمے میں صراحت کردی ھے که کتاب میں «احوال بعضی از شعرا» پر اقتصار کیا گیا ھے، اسلیے ھم ان شاعروں کا ذکر نه کرنے کے سلسلے میں اوس پر حرف گیری نہیں کرسکتے۔ ھاں، یه شکایت ضرور ھے که صرف اس بنا پر که وہ اس فن میں پابند نام و شہرت نه تھا، اپنا حال نہں لکھا۔

زمانۂ تالیف

خاتمۂ کتاب کے آخر میں، مصنف نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھا ھے:

صد شکر که اتمام پذیرفت رساله
واضح شد ازان، جمله قوانین بلاغت

تاریخ تمامیش طلب کرد چو یکتا
فی الفور خرد گفت که «دستور فصاحت»

اس قطعے میں مادۂ تاریخ «دستور فصاحت» ہے، جس سے سنہ ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۴ع) برآمد ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سنہ مسودہ صاف کرنے کے وقت کا تعین کرتا ہے، سال تالیف کو ظاہر نہیں کرتا، اس لیے کہ خود مصنف نے اس قطعے سے پہلے لکھا ہے:

«مخفی مباد که عرصۂ بعید و مدت مدید سپری گردیده که چهرهٔ تسطیر این مقاله، و گردهٔ تصویر این رساله، بر صفحۂ وجود نقش گرفته، بسبب تردد خاطر و تشتت بال، که بوجوه شتی لاحق حال من غربت مآل مانده، در محل تعطل افتاده بود۔ و درین تعطیل که سالها سال بسر آمد، هرگز طبیعت متوجه نشد که بنظر ثانی پردازد، یا آن را بنحوی که منظور بود، درست سازد، که دوستی از دوستان فقیر، مسمی به شیخ رمضان علی صاحب، سلمه ربه، از باشندگان لکھنئو، کمر همت بسته بنقلش پرداختند و بسعی تمام در ماه ذیحجۂ این سال آن را تمام ساختند»۔
(ص ۱۲۵)

اب اس بیان کو سامنے رکھکر کتاب کا جائزہ لیا جائے، تو اس مدعا کے اثبات میں حسب ذیل شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں:

(۱) یکتا نے مرزا محمد حسن قتیل کو «سلمہ اللہ تعالی» کے ساتھ یاد کیا ہے (ورق ۱۲۸ ب)۔ قتیل نے سنیچر کے دن سحر کے وقت ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ع) کو مرض استسقا سے لکھنئو میں انتقال کیا ہے (۱)۔ اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ «دستور الفصاحت» ۱۲۳۳ھ سے پہلے لکھی گئی ہے۔

(۲) دیباچے میں مرزا حاجی کے والد مرزا فخر الدین احمد خان

(۱) نشتر عشق: ۵۵۰ ب۔

بہادر عرف مرزا جعفر کے نام کے بعد « مغفور، لازال دولتہ، و اقبالہ » لکھا ہے۔ خاتمے میں ایک موقع پر « دام اقبالہ، مغفور و مرحوم» اور دوسری جگہ صرف « دام اقبالہ » ہے۔ مرزا جعفر نے ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ع) میں وفات پائی ہے۔ لہذا دعای دوام اقبال کو اس سنہ سے پہلے ہونا چاہیے۔ چونکہ یہ دعا خاتمۂ کتاب میں بھی پائی جاتی ہے، لہذا ضروری ہے کہ کتاب اس سنہ سے قبل ہی ختم ہوچکی ہو، اور دعاے مغفرت کا اضافہ بتبییض کتاب کے وقت کیا گیا ہو۔

(۳) شاہ نصیر کے حال میں تحریر کیا ہے:

« گویند کہ درسال گزشتہ، بنابرتلاش پسر خودش، کہ گریختہ بود، بلکھنئو آمدہ، در مشاعرہ ہای مرزا قمرالدین احمد خان بہادر، دام اقبالہ، حاضر می شد و شعر خوانی می کرد »۔ (ص ۱۱۴)

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری اپنے سفر لکھنئو واقع سنہ ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۴ع) کی روداد میں فرماتے ہیں:

« این زمان آخر عہد نواب سعادت علی خان بود ..... روزی در محفل مشاعرہ، کہ دران ایام بخانۂ مرزا جعفر می بود، رفتم۔ مرزا محمد حسن متخلص بقتیل و مصحفی و میر نصیر دہلوی دران زمرہ سرکردہ بشمار می آمدند۔ و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام روز افزونی درین کار بود »۔ (ورق ۴۰ الف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نصیر سنہ ۱۲۲۹ھ میں لکھنئو میں تھے۔ لہذا ان کا حال بھی سنہ ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ درج کیا گیا ہوگا(۱)۔

---

(۱) آبحیات کی روایت کے مطابق نصیر نے لکھنئو کے دو سفر کیے تھے۔ آخری سفر کے وقت لکھنئو میں ناسخ کا دور دورہ تھا۔ چونکہ مولوی عبدالقادر بھی سنہ ۱۲۲۹ھ میں نصیر کا لکھنئو میں قیام اور ناسخ کی شہرت کا تذکرہ کرتے ہیں، اس لیے میری نظر میں ان کا یہ دوسرا سفر قرار پاتا ہے۔

(۴) میر تقی میر کے ذکر میں لکھا ہے کہ «سه چهار سال شده که در لکھنئو وفات یافت» میر صاحب نے سنه ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا ہے، جس کی رو سے ان کا حال ۱۲۲۹ھ میں لکھا جانا چاہیے۔

(۵) مرزا جعفر کو اون کے صاحبزادے مرزا حاجی کے ذکر میں «دام اقباله» لکھا ہے اور اس موقع پر مرزا حاجی کے نام کے ساتھ اون کا خطاب بھی مذکور ہے؛ اس لیے یقیناً یہ حصه سنه ۱۲۲۹ھ اور سنۂ وفات مرزا جعفر کے درمیان لکھا گیا ہے۔

غرض که ان پانچ شہادتوں سے یه معلوم ہوتا ہے که کتاب ۱۲۲۹ھ اور ۱۲۳۰ھ کے درمیان تمام ہوچکی تھی۔

(۶) خاتمے میں خواجه احسن الله بیان کے بارے میں لکھا ہے:

> «می گویند که تاحال زنده است. بطرف دکھن در سرکار نظام علی خان عز و اعتباری دارد»۔ (ص ۸۳)

بیان نے سنه ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں انتقال کیا ہے۔

قیام الدین محمد قایم رامپوری کے تذکرے میں (جو عام طور پر اپنے مولد کے لحاظ سے چاندپوری کہلاتے ہیں) لکھا ہے:

> «چند سال شده که بر بیوفائیء دنیا نظر نموده، ترك این جهان فانی کرد، و در رامپور فیض الله خان واله، که از مدت مسکن او همان بلده بود، مدفون گشت»۔ (ص ۴۵)

قایم کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ بعضے ۱۲۰۸ اور دوسرے ۱۲۱۰ھ بتاتے ہیں۔ یکتا نے اون کا ذکر وفات کے «چند» سال بعد کیا ہے۔ لفظ چند عربی کے لفظ «بضع» کی طرح، تین سے نو تك کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لہذا قایم کا حال ۱۲۱۱ یا ۱۲۱۳ھ میں لکھا جانا چاہیے۔

ان دونوں شہادتوں سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۱۳ھ سے پہلے تالیف ہوچکی تھی۔

اگر یہ نتیجہ درست ہے، تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس کی تالیف کا کام انشا کی دریاے لطافت سے پہلے انجام پاچکا تھا، جس کا سال اختتام ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع) ہے۔ چونکہ مصنف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ

«هیچ کتابی از کتب این فن و رسائل این هنر، که مفید مطالب و معین مقصد درین باب می شد، در نظر نداشتم که موافق آن می نوشتم و از خطا مصؤن می ماندم»

اس لیے ہم پچھلے دلائل کی کمک پر کہ سکتے ہیں کہ مصنف کی نظر میں دریای لطافت کا نہ ہونا اس بناپر تھا کہ یہ ابھی معرض وجود ہی میں نہیں آئی تھی۔

بہر حال نتیجۂ بحث یہ ہے کہ دستورالفصاحت ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) سے پہلے لکھی گئی تھی۔ اوس وقت یہ کسی کے نام معنون نہ تھی۔ ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۵ع) میں مصنف نے اوس پر نظرثانی کرکے مرزا حاجی کے نام معنون کی۔ اس نظرثانی کے دوران میں اوس نے جو اضافے کیے، اون کا پتا خاتمے کے بعض مباحث میں صاف طور پر چل جاتا ہے۔ لیکن ابھی کتاب کا مسودہ صاف ہوکر شایع نہیں ہوا تھا کہ مرزا حاجی کی بساط ریاست الٹ جانے سے مصنف بھی پریشان حال ہوگیا اور مسودہ تعطل میں پڑا رہا۔ آخر سنہ ۱۲۴۹ھ میں شیخ رمضان علی لکھنوی نے اس کو صاف کرنے کا اقرار کیا۔ مصنف نے اس پر پھر نظر ڈالی، اور چند جگہ اضافے کیے، چنانچہ کتاب کے ورق ۱۸۲ الف پر مصنف نے اپنا یہ شعر لکھا ہے:

یکتا چو جست سال وفاتش، چو اشک ریخت
بی تعمیه، زخامۂ او «ثالث رجب»

اس مادۂ تاریخ سے سنه ۱۲۳۶ھ نکلتا ھے۔

اسی طرح ورق ۱۷۴ الف پر حسب ذیل شعر نظر آتا ھے:

اے نصیرالدین جہان بخشی، که از اقبال هست
تیغ عالمگیر تو، روز ظفر، مسالك رقاب

یہاں نصیرالدین حیدر بادشاہ اودھ مراد ھیں، جو ۱۲۴۴ھ سے ۱۲۵۳ھ تک حکمراں رھے تھے؛ اس لیے یقین ھے که ان شعروں کا بعد میں اضافه کیا گیا ھے۔

کتاب کے مآخذ

کتاب کے دیباچے یا خاتمے میں مآخذ کے ذکر کا دستور بہت پرانا ھے، لیکن ھمارے مصنف نے اس کی پابندی نہیں کی۔ تاھم حسب ذیل ماخذوں کا پتا چلتا ھے:

(۱) فرهنگ رشیدی

یه فارسی لغت کی مشہور کتاب اور عبدالرشید مدنی، ساکن ٹھٹھه (سندھ، متوفی سنه ۱۰۷۷ھ = ۱۶۶۶ع) کی تصنیف ھے۔ یکتا نے ورق ۲۲ ب و ۲۳ ب پر اس کا حواله دیا ھے۔

(۲) موهبة عظمی

ورق ۲۶ ب اور ۳۰ ب پر مصنف نے خان آرزو (متوفی سنه ۱۱۶۹ھ = ۱۷۵۵ع) کے جو اقوال نقل کیے ھیں، اون میں کا پہلا قول موهبة عظمی (ورق ۲۵ الف) میں موجود ھے۔ دوسرا اقتباس اس کتاب میں نہیں ملا۔ ممکن ھے کسی دوسری تصنیف کا ٹکڑا ھو۔

(۳) منار الضوابط

ورق ۲۸ ب اور ۳۳ الف پر عبدالباسط کا حوالہ ہے۔ یہ اقتباسات اوس کی کتاب مذکورۂ بالا (ورق ۹ الف و ۱۱ الف) میں پائے جاتے ہیں۔ البتہ ناقل کے تساہل کی بنا پر الفاظ میں قدرے اختلاف نظر آتا ہے۔

(۴) میر شمس‌الدین فقیر

ورق ۱۰۴ ب پر ان کا حوالہ ملتا ہے۔ لیکن حدائق البلاغہ میں اس کا پتا نہیں چلا۔

(۵) معیار الاشعار

یہ کتاب خواجہ نصیرالدین طوسی (متوفی سنہ ۶۷۲ھ = ۱۲۷۴ع) کی تصنیف ہے۔ یکتا نے ورق ۱۲۲ الف و ۱۲۸ الف پر ان کا حوالہ دیا ہے۔ موخرالذکر مقام پر کتاب کا نام بھی مذکور ہے۔

(۶) مجمع الصنائع

یہ کتاب نظام‌الدین احمد بن محمد صالح الصدیقی الحسینی کی تالیف ہے، جو عہد عالمگیر کا ایک صوفی منش فاضل تھا۔ یکتا نے ورق ۱۵۹ ب پر اس کا حوالہ دیا ہے، جو نسخۂ مطبوعہ (مطبع حسنی لکھنئو) کے صفحۂ ۹۰ پر موجود ہے۔

(۷) رسالۂ بلاغت

ورق ۱۶۲ ب پر عبدالواسع کے نام سے جو اقتباس دیا ہے، وہ عبدالواسع کے رسالۂ بلاغت (مطبع مصطفائی، لکھنئو، سنہ ۱۲۶۱ھ) میں صفحۂ ۵۲ پر پایا جاتا ہے۔

(۸) تذکرۂ ہندی

خاتمۂ کتاب میں شعرا کا ذکر کرتے ہوئے، متعدد مقامات پر یکتا نے اس تذکرے کے ٹکڑے نقل کیے ہیں۔ ان میں سے دو جگہ (صفحہ ٦٩ و ٧٠) لفظ تذکرہ کے ساتھ اور بقیہ مقامات (صفحہ ٧٧ و ٨٥) پر مصحفی کے نام کے ساتھ ان اقتباسات کو پیش کیا گیا ہے۔

مذکورۂ بالا تمام حوالے، صرف و نحو ہندی کے ماسوا دوسرے مباحث کے اندر پائے جاتے ہیں۔ صرف و نحو ہندی پر کوئی کتاب یکتا کے سامنے نہ تھی، اس لیے یہاں کوئی حوالہ نظر نہیں آتا۔

چند نکات

کتاب میں جا بجا ادبی و تاریخی نکتے بھی مذکور ہیں۔ ان میں سے دو چار کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مثلاً:

(۱) یکتا اسے ناپسند کرتا ہے کہ فصحا کے محاورے کے برخلاف، الفاظ کے تلفظ میں صحت اعراب یا ادای مخرج کا لحاظ کیا جائے۔ چنانچہ اس کے خیال میں «عذار» کو، جو عام طور پر عین کے زبر کے ساتھ بولا جاتا ہے، بکسر عین، بر وزن ازار، پڑھنا اور زبردستی حلق سے عین اور حای حطی کا نکالنا سامعین کو اپنے آپ پر ہنسانا ہے۔ ہاں، اگر کوئی لفظ عوام کی بولچال میں تلفظ اصلی سے ہٹ جائے، تو اوسے ضرور صحیح طور پر استعمال کرنا چاہیے۔

(۲) یکتا نے اپنے عہد کے شرفا اور مستند شاعروں کے کلام میں عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ ٹھیٹ ہندی

کے لفظوں کے استعمال کا حسابی تناسب بھی مقرر کیا ھے۔ کہتا ھے کہ یہ لوگ اپنی بول‌چال میں تین چوتھائی عربی و فارسی اور ایک چوتھائی ہندی کے لفظ استعمال کرتے ھیں (ورق ۵۳ ب)۔

(۳) میر اور سودا کے کلام کے فرق کو ان الفاظ میں ظاھر کیا ھے:

«اگرچہ کلام فصاحت نظامش، مثل سعدی، بظاھر آسان نظر می آید، ولی ممتنع است۔ بیشتر شعرا مقلد او هستند، و مطلق طرزش نمی یابند۔ بخلاف مرزا محمد رفیع، کہ باوجود کمال پختگی کہ دارد، تقلیدش ھر صاحب فہمی را ممکن» (ص ۲۵)۔

اکثر ادیبوں اور نقادوں نے ان دونوں جگت استادوں کے رنگ کا فرق بتایا ھے۔ لیکن یکتا نے جو حد مقرر کی ھے وہ اچھوتی اور واقعی ھے

(۴) میر کے حال میں یہ بھی لکھا ھے کہ:

«نواب آصف الدولہ مغفور و مرحوم ھم بعد رحلت مرزا، میر را از شاہ جہان آباد فخریہ طلب داشتہ، بمنصب عالی ملازم ساخت». (ایضا)۔

حالانکہ تمام تذکرہ نویس یہ لکھتے ھیں کہ میر صاحب از خود لکھنؤ گئے اور جب آصف الدولہ کے دربار میں رسائی ھوئی، تو تنخواہ مقرر کی گئی۔

(۵) لطف اور آزاد دونوں نے میر صاحب کی نازک مزاجی کا ذکر کیا ھے۔ صاحب «گل رعنا» کو اس قسم کے واقعات سچے نہیں معلوم ھوتے۔ لیکن یکتا بھی لطف و آزاد کا ھم خیال ھے، اور اون کی نازک مزاجی سے متعلق ایک واقعہ لکھتا

ھے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ھے، تو پھر آزاد کے بیان کردہ قصوں کو نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ (ایضاً)

(٦) قیام الدین قایم رامپوری کے متعلق لکھا ھے کہ ان کے کلام مین مرزا کی تالیف کلمات اور بندش الفاظ اور میر کی برشتگی و شکستگی یکجا نظر آتی ھے۔ نیز یہ فخر صرف اسی ایك شاعر کو نصیب ھوا ھے کہ اس کا قصیدہ قصیدہ اور غزل غزل کہلانے کی مستحق ھے۔ ورنہ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ھے کہ یا تو قصیدہ غزل ھوکر رہجاتا ھے، اور یا غزل قصیدہ بنجاتی ھے۔ اسی طرح قایم کی مثنویاں اور رباعیات اپنے اپنے خصائص کی حامل ھیں۔

(٧) مصحفی کو ادابندی میں ثانیء میر سوز لکھا ھے، اور یہ بھی لکھا ھے کہ جب یہ لکھنؤ پہنچے، وھاں جرأت کا طوطی بول رھا تھا۔ کسی نے ان کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ ناچار یہ جرأت کے مقابلے میں آڈٹے اور بیس سال تك جرأت اور اوس کے شاگردوں کے پورے لشکر سے تن تنہا جنگ کرکے، اھل ادب کو اپنی طرف مائل کیا اور آخر کار جرأت کے برابر، بلکہ اوس سے زیادہ شہرت حاصل کرلی۔ (ص ۹۴) تعجب ھے کہ اس سلسلے میں یکتا نے انشا کا نام نہیں لیا۔ حالانکہ آبحیات میں «مصحفی و مصحفن» والا معرکہ اونھیں سے پیش آیا تھا۔

(٩) انشا کی عمر کا ذکر عام تذکروں میں نہیں ملتا۔ مگر یکتا نے لکھا ھے کہ اونھوں نے ٦٠ سال سے کچھ زیادہ عمر پائی۔

اسی طرح یکتا نے یہ بھی لکھا ہے کہ آخر میں انشا دیوانے ہوگئے تھے، اور اسی حالت میں فوت ہوے۔ (ص ۱۰۷)

اس معاصرانہ بیان کے پیش نظر، مرزا اوج کے دیوانگی سے اختلاف کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے، اور آزاد نے رنگیں کی زبانی اون کا آخری حال جو کچھ لکھا ہے، اوس پر یقین آتا ہے (۱)۔

(۱۰) افسوس کے متعلق پتا چلتا ہے کہ اونھوں نے یکتا کی ہمدرسی میں حکیم محمد باقر صاحب لکھنوی سے برسوں طب پڑھی تھی۔ اور مرزا فخرالدین احمد خان بہادر، عرف مرزا جعفر، کے توسط سے کلکتے میں بصیغۂ اردو دانی ملازم ہوے تھے۔ یکتا نے افسوس کا قطعۂ تاریخ وفات بھی لکھا ہے، جس سے ۱۲۲۴ھ برآمد ہوتے ہیں؛ ورنہ ابتک تذکروں میں صرف سال عیسوی ۱۸۰۹ ملتا تھا۔

(۱۱) اس کتاب سے ہمیں تین مشاعروں: (۱) مشاعرۂ مرزا حاجی، (۲) مشاعرۂ مولوی مجیب اللہ (۳) اور مشاعرۂ سید مہر اللہ خان غیور کا پتا چلتا ہے۔ جن میں سے غالبا دوسرے مشاعرے کا ذکر اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔

ماخذ حواشی

اس کتاب کے حاشیوں کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے، اون کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

(۱) صاحب گل رعنا نے بھی (ص ۲۸۸) مرزا اوج کی روایت کو قبول کرتے ہوے انشا کے جنون سے انکار کیا ہے۔

۱۔ مجمع النفائس، قلمی۔

یہ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے ہندوستان کے مایۂ ناز نقاد، سراج الدین علی خان، آرزو، اکبرآبادی متوفی سنہ ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۶ع) نے تصنیف کیا ہے۔

دیباچے میں مصنف نے لکھا ہے کہ میرے شاگرد، بیدار تخلص، نے اس کے ختم ہونے کی حسب ذیل تاریخ لکھی ہے:

این تذکرہء سخنوران گیہان
بیمثل چو بنوشت سراج الدین خان
بیدار، بآرزو چنین کرد رقم:
«گلزار خیال اہل معنیء جہان»

چونکہ چوتھے مصرع کے ۱۱۶۴ عدد ہوتے ہیں، اس لیے ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۰ — ۵۱ع) میں اس کا اختتام ہونا چاہیے۔ دوسرے شواہد بھی اسی تاریخ کے مؤید ہیں۔ مثلاً میر تقی میر نے نکات الشعرا میں، جو تقریباً ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۱ع) کی تصنیف ہے، اس کا کئی جگہ حوالہ دیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے، سرو آزاد (ص ۲۲۸) میں، جو کئی سال کی کوشش کے بعد ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۳ع) میں ختم ہوا تھا، اس کا زیرتالیف ہونا بیان کیا ہے، اور خزانۂ عامرہ (ص ۱۱۷) میں، جو ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) کی تصنیف ہے، لکھا ہے کہ یہ تذکرہ مذکورۂ بالا سنہ ۱۱۶۴ھ میں مرتب ہوا ہے۔

لیکن مصنف نے اس تذکرے کی ابتدا اس تاریخ سے برسوں پہلے کردی تھی۔ شروع میں یہ منتخب اشعار کی ایک بیاض تھی۔ رفتہ رفتہ اس نے تذکرے کی حیثیت اختیار کرلی۔

مصنف نے دیباچے میں یہ بھی بتایا ہے کہ اونھیں اس کی ترتیب کا خیال کس طرح اور کب پیدا ہوا، اور اس طویل اور وقت طلب کام میں کس کس نے اون کا ھاتھ بٹایا۔

اس کے واقعی آغاز کا تعین دشوار ہے، تاہم کتاب کے بعض مقامات سے پتا چل جاتا ہے کہ ۱۱۶۴ھ سے کتنا پہلے مصنف اس کی ترتیب میں مشغول تھا۔

(۱) لطف اللہ خان نثار کے ذکر میں آرزو نے لکھا ہے:

« درین سنہ، کہ ہزار و یکصد و پنجاہ ، نہ ہجریست، دو ماہ پیش ازین برحمت ایزدی پیوست » (۴۶۴ ب)۔

تاریخ محمدی (۵۹۶ ب) میں غرۂ ربیع الاول سنہ ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ع) تاریخ وفات مندرج ہے۔ لہذا نثار کا حال جمادی الاولی سنۂ مذکورہ میں لکھا جانا چاھیے۔

(۲) کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں، اس تذکرے کی پہلی جلد کا ایک نسخہ محفوظ ہے، جس کے ایک ورق پر چند سطریں، خود آرزو کے قلم کی لکھی ہوئی ھیں۔ چونکہ اس جلد کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق نہیں ہے، اس لیے بجا طور پر اسے مسودہ کہا جاسکتا ہے۔ اس مسودے میں قزلباش خان امید کو « سلمہ ربہ » کے الفاظ سے یاد کیا ہے (۳۶۷ الف)۔ تاریخ محمدی (۵۹۶ ب) میں ان کی تاریخ وفات، ۹ جمادی الاولی سنہ ۱۱۵۹ھ لکھی ہے۔ لہذا آرزو نے ان کا حال جمادی الاولی سنۂ مذکورہ سے پہلے لکھا ہوگا۔

(۳) اسی مسودے میں شیخ علی حزیں کے متعلق لکھا ہے:

« نہ سال یا زیادہ باشد، کہ وارد ہندوستان گشتہ. از تسلط نادر شاہ برقلمرو ایران، درین ملک آمدہ، و در ہنگامیکہ شاہنشاہ بر ہندوستان نیز مسلط گردید، و شاہجہان آباد دھلی بتصرف او

در آمد، بطرف آگره رفته، در گوشهٔ خزیده بود. بعد از رفتن افواج شاهی باز بدهلی آمده. چون کسی، چنانکه باید، قدر او نشناخت، بعزم ولایت عازم لاهور گشته، پیشتر نتوانست رفت. در دمی که عمدة الملک امیر خان بهادر از اله‌آباد بحضور رسیدند، بتوقع قدر شناسی باز بشاهجهان آباد آمد. چند گاه دیگر مثل کیمیا و عنقا متواری درین شهر بود، که بخشش مدد کرد و اقبالش یاوری نمود، تا عمدة الملک دوازده لك دام جید از بادشاه برای او گرفتند. حالا بجمعیت و رفاه میگزراند. رسالهٔ مشتمل بر حسب و نسب و سیر و سفر خود نوشته، دعوی‌های بلند دارد» (۳۸۰ الف).

آرزو نے جس وقت یہ الفاظ لکھے تھے، اوس وقت (الف) حزین اپنی سوانحعمری لکھہ چکے تھے؛ (ب) اونھیں ھندوستان آئے نو برس یا اس سے کچھہ زیادہ عرصہ ھو گیا تھا، (ج) اور اونھیں عمدة الملك امیر خان بہادر کی تقریب پر بادشاہ نے ۱۲ لاکھہ کھرے دام بھی عطا فرمادیے تھے، جس کے سبب سے اون کی زندگی آرام سے گزرنے لگی تھی۔

(الف) حزین نے اپنی سوانحعمری ۱۱۵۴ھ (۱۷۴۱ع) کے آخر میں ختم کی ھے۔ چنانچہ اس کے خاتمے میں لکھتے ھیں:

«از حین ورود بشاهجهان آباد تا حال تحریر، که آخر سال اربع و خمسین و مائة بعد الالف است، سه سال و کسری گزشته که درین بلده اوقات بسر رفته، و پیوسته در خیال حرکت و نجات ازین کشور، که بغایت منافر افتاده، بوده ام. و از کثرت موانع عائقه میسر نیامده» (ص ۸۴).

اس سے دو باتیں معلوم ھوتی ھیں: پہلی یہ کہ اس کا اختتام ۱۱۵۴ھ کے آخر میں ھوا، اور دوسری یہ کہ اوس وقت تك اونھیں کوئی انعام نہیں ملا تھا، جس کے باعث سے اطمینان خاطر کے ساتھہ یہاں زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔ لہذا یقین ھے کہ آرزو نے حزین کا حال ۱۱۵۴ھ کے گزر جانے کے بعد لکھا ھے

چونکہ انعام ملنے کا واقعہ عمدۃ الملک کے الہ آباد سے واپس ہونے کے بعد کا ہے، لہذا یہ دیکھنا چاہیے کہ عمدۃ الملک الہ آباد کب جا کر کس وقت واپس ہوئے۔ میر ولی اللہ نے تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ عمدۃ الملک ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ع) میں الہ آباد جاتے ہوئے فرخ آباد تشریف لائے تھے (۸۰ الف) خزانۂ عامرہ (ص ۷۶) میں بھی ان کے الہ آباد کی صوبیداری پر مقرر ہونے کا یہی سال تحریر ہے۔ قائم نے مخزن نکات (ص ۳۲) میں انجام تخلص کے تحت ان کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ

> «آخر الامر بنوشتۂ اعتمادالدولہ بہادر بحضور آمد۔ سہ سال تمام بر آن نکشید کہ قضا برگ پان بصورت جمدھر فولاد ساختہ.... برای رخصت روح او فرستاد»۔

عمدۃ الملک نے ۲۳ ذیحجہ ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ع) کو دھلی میں شہادت پائی ہے (تاریخ محمدی، تحت ۱۱۵۹ھ)۔ قائم کہتا ہے کہ اونھیں الہ آباد سے واپس آئے ہوئے پورے ۳ برس نہیں ہوئے تھے۔ اس حساب سے اونھیں ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ع) کے آغاز میں دھلی واپس آنا چاھیے لیکن آزاد نے خزانۂ عامرہ میں لکھا ہے کہ یہ ۱۱۵۶ھ (۱۷۴۳ع) میں بادشاہ کی طلب پر دھلی واپس آئے۔ حاتم کے دیوان زادہ میں (۱۳۱ب) ایک عرضی عمدۃ الملک کے نام مندرج ہے، جس کا سنۂ تالیف ۱۱۵۶ھ بتایا گیا ہے۔ اس سے آزاد کے بیان کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ اگر عمدۃ الملک اس سنہ میں دھلی کے بجائے الہ آباد میں ہوتے، تو اس عرضی کا وھاں بھیجا جانا کچھ زیادہ قرین قیاس نہیں تھا۔ لہذا اس سال کے بعد حزیں کو انعام دلانا چاھیے۔ چونکہ آرزو نے حزیں کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اونھیں

ہندوستان آئے ہوئے نو برس یا اس سے زیادہ گزر چکے ہیں، اور یہ آزاد کے بیان کے مطابق (سرو آزاد: ۲۲۵؛ خزانۂ عامرہ: ۱۹۴) سنہ ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ع) میں سمندر کے راستے سے بندرگاہ ٹھٹھہ میں اوترے تھے. لہذا اس تاریخ کو سامنے رکھ کر آرزو کے نو برس یا اس سے زیادہ کا حساب لگایا جائے. تو تخمینا ۱۱۵۷ھ ھی نتیجہ نکلتا ھے. یعنی ان کے انعام ملنے اور پھر آرزو کے تذکرے میں ان کا حال لکھے جانے کا یہی سال قرار پاتا ھے. چونکہ آرزو نے لفظ «حالا» بھی استعمال کیا ھے. بنابریں یہ قیاس درست ہوگا، کہ ان کا ذکر کرتے وقت، بادشاہ کے حضور سے انعام ملے زیادہ عرصہ گزرنے نہیں پایا تھا۔ اور انعام تقریبا ۱۱۵۷ھ میں ملا ھے. پس ان کا حال بھی اسی سال کے اندر لکھا جانا چاھیے۔

مبیضے میں آرزو نے حزیں کے سفر بنگالہ اور قیام بنارس کا ذکر «درینولا» کہکر کیا ھے. جو سرو آزاد (ص ۲۲۵) کے مطابق، ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) کے بعد کا واقعہ ھے۔ اس لیے یہ قیاس بیجا نہ ہوگا کہ اس سال کے بعد، کتاب کو مرتب کرتے وقت، تازہ واقعات کا اضافہ کردیا گیا ھے. جس کی مثالیں خود اس کتاب کے اندر بھی کچھ کم نہیں ھیں۔

اب یہ دیکھنا چاھیے کہ ۱۱۶۴ھ کے بعد مصنف نے کہاں کہاں اور کس کس سال میں نئے معلومات کا اضافہ کیا ھے۔ کتاب کے بغور مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ھے کہ آرزو نے آئندہ تین سال میں جابجا ترمیم کی ھے، اور یہ سلسلہ محرم سنہ ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) میں

لکھنئو روانہ ہونے سے قبل تک جاری رہا ہے۔ چنانچہ محمد علی رائج سیالکوٹی کے متعلق لکھا ہے کہ «پانزدہ، شانزدہ سالست کہ برحمت ایزدی پیوستہ» (۱۶۴ب)۔ آزاد بلگرامی نے سرو آزاد (ص ۲۰۴) اور خزانۂ عامرہ (ص ۲۴۴) میں رائج کا سال وفات ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) بتایا ہے۔ میں نے ایک کتاب میں «باد حشرش بعلی حیدر» مادۂ تاریخ پڑھا ہے۔ اس کا پہلا مصرع یاد نہیں رہا۔ اگر اس جگہ تعمیہ نہیں ہے، تو اس کے اعداد ۱۱۴۹ ہوتے ہیں۔ بہرحال رائج کا تذکرہ ۱۱۶۴ھ، یا ۱۱۶۵ھ، یا ۱۱۶۶ھ میں لکھا گیا ہے۔

شیخ سعد اللہ گلشن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ «بیست و پنج سال پیش ازین بعالم علوی خرامیدند» (۳۸۵ الف)۔ شیخ نے سرو آزاد (ص ۱۹۹) کی روایت کے مطابق ۲۱ جمادی الاولی سنہ ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ع) کو رحلت کی ہے۔ اس حساب سے ان کا حال ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ع) میں لکھا جانا چاہیے۔

فغانی کے ذکر میں فرماتے ہیں:

> «درین ایام تتبع دیوان مذکور اختیار کردہ ام۔ چنانچہ در عرصۂ سہ چہار ماہ شصت غزل گفتہ شدہ۔ اگر عمر وفا میکند، دیگر ہم گفتہ می آید، انشاء اللہ تعالی، و الاخیر۔
> تا بیست و چہارم شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۶۶ھ تا ردیف نون رسیدہ ام۔ اگر ارادہ ازلی متعلق شدہ، تمام کردہ خواہد شد۔ اما بسبب شورش دہلی و فساد ہندوستان صفرہ چند ماہہ واقع شدہ، والا پیش ازین باتمام میرسید۔ منہ عفی عنہ۔
> دیگر، مخفی نماند کہ این عزیزان کہ تتبع بابا کردہ اند، غیر غزلہای معدود نگفتہ اند ہیچ کس تتبع تمام دیوان نکردہ، الا ملا شانی تکلو و این عاصی ہرچند باتمام نرسانیدہ، اما امید قوی از جناب کریم مطلق است کہ توفیق آن یابد، ہرچند در مرحلۂ شصت و ہشتم است از عمر یاد دادہ۔ اللہم (وفقنی) بما تحب و

رضی منہ عفی عنہ »

اس عبارت کا دوسرا پیراگراف ۲۳ ربیع الاول ۱۱۶۶ھ کو بڑھایا گیا ہے، اور تیسرا ۶۸ ویں سال کی عمر میں۔ آرزو کی پیدایش کا سال « نزل غیب » سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے اعداد ۱۰۹۹ ہیں۔ اگر ان دونوں عددوں کو جمع کیا جائے۔ تو ۱۱۶۷ حاصل جمع ہوگا۔ چونکہ اس تیسرے پیراگراف کو « دیگر » کے لفظ سے شروع کیا ہے۔ اسلیے یقینا اسے دوسرے کے بعد لکھا جانا چہیے۔ اور کچھہ بعید نہیں کہ ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ع) ہی میں بڑھایا گیا ہو۔

سرو آزاد (ص ۲۲) میں آرزو کا سنۂ پیدایش منتہای صدیء یازدھم، اور خزانۂ عامرہ (ص ۱۱۷) میں ۱۱۰۱ھ بھی ملتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں یہ ٹکڑا ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) یا ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۵ع) میں تحریر کیا ہوگا مگر میری راے میں اس قسم کے تمام کام آرزو نے دھلی میں انجام دیے ہوں گے، جو اون کا وطن ہوچکا تھا۔ آخر محرم سنہ ۱۱۶۸ھ میں دھلی چھوڑکر لکھنئو پہنچنے پر ابتداء تلاش معاش اور بعد ازاں موت نے اتنی مہلت کب دی ہوگی۔ کہ تذکرے میں تغیر و تبدل کرتے؟

میر تقی میر کے ذکر میں لکھا ہے:

«از چند سال بجناب معلی القاب عمدة الملك مہاراجہ بہادر ... .. میگزراند. مہاراجہ ... کہ در عہد فرخندہ مہد حضرت فردوس آرامگاہ، و بعد ازان در زمان خلافت و آوان سلطنت احمد شاہ بادشاہ، مربع نشین چار بالش دیوانیء خالصۂ شریفہ و دیوانیء تن ......و ازان باز ... برتبۂ عالیء مرتبۂ نائب الوزارة کامروای نامداران عالم و صاحب السیف و القلم شدند » (۲۰۴ الف)۔

میر نے اپنی سوانحعمری (ص ۷۵ و ۷۶) میں جو کچھہ لکھا

ہے، اوس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر ثانی کی تخت نشینی کے بعد اور معین الملک کے انتقال سے قبل راجہ ناگرمل نائب وزیر مقرر کیے گئے، اور «مہاراجہ عمدۃ الملک» خطاب ملا۔ لیکن یہاں واقعات کی ترتیب درست نہیں ہے۔ کیونکہ عالمگیر ثانی ۱۰ شعبان ۱۱۶۷ھ (۳ جون ۱۷۵۴ع) کو تخت نشین ہوا تھا، اور معین الملک، خزانۂ عامرہ (ص ۹۸) کے بیان کے مطابق، محرم سنہ ۱۱۶۷ھ (نومبر ۱۷۵۳ع) میں گھوڑے سے گرکر فوت ہوا ہے۔ بہرحال یہ یقینی امر ہے کہ ناگرمل عالمگیر ثانی کے عہد میں نائب وزیر بنایا گیا تھا۔ چنانچہ مولوی قدرت اللہ شوق رامپوری نے جام جہان نما (۸۵ الف) میں، عالمگیر ثانی کے سال اول جلوس میں لکھا ہے کہ

> «ناگرمل در عہد محمد شاہ خدمت دیوانیء خالصہ داشت، و در عہد احمد شاہ دیوانیء تن ہم بران مزید شد، و درین وقت نیابت وزارت باو مفوض گشت»۔

ان امور کے پیش نظر یہ یقینی ہے کہ آرزو نے میر تقی کا حال شعبان ۱۱۶۷ھ (جون ۱۷۵۴ع) کے بعد لکھا ہے۔

لیکن یہاں یہ امر واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۶۶ھ اور ۱۱۶۷ھ کے سابق الذکر دونوں واقعات اور میر تقی کا حال میری راے میں اصل نسخے کے حاشیوں پر بڑھائے گئے ہوں گے۔ بعد میں اس نسخے کے کاتب نے اون کو متن میں شامل کرلیا ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ پہلے دونوں اضافوں کے ساتھہ الفاظ «منہ عفی عنہ» کاتب نے متن میں نقل کردیے ہیں، جو ہمیشہ منہیات کے ساتھہ حاشیوں پر لکھے جاتے ہیں۔ میر کا حال اگرچہ متن میں اس لفظ کے ساتھہ نقل نہیں کیا گیا ہے، مگر یہ ۳، ۴ ورق متن کے خط سے مختلف عمدہ نستعلیق میں کسی دوسرے نے لکھے

ھیں۔ اس خط کے لکھے ھوے اشعار اور الفاظ کتاب کے دوسرے حاشیوں پر بھی جابجا نظر آتے ھیں، جس سے میں یہ قیاس کرتا ھوں کہ یہ کتاب کے مصحح کا خط ھے۔ میرؔ کا حال وغیرہ پہلے کاتب نے نہیں لکھا تھا۔ مصحح نے نئے ورق داخل کرکے، وہ مصرع جو سابق الذکر شاعر کا آئندہ صفحے پر تھا، اور اوسکی ترك چھیل کر میرؔ کے حال کے شروع میں لکھدی ھے، اور اسطرح آخری صفحے پر جگہ نہ رھنے کے باعث کچھہ میرؔ کے شعر حاشیے پر بھی لکھے ھیں۔

اس کتاب کے دو نسخے کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ھیں۔ جس نسخے کا حواشی میں حوالہ دیا گیا ھے، وہ خاتمے کے بیان کے مطابق ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ع) میں میر تقی کے مربی، مہاراجہ عمدۃ الملك بہادر، کے لیے جسپت رائے کھتری نے کومھیر میں نقل کیا تھا۔ یہ $\frac{۱۸ \times ۲۲}{۴}$ سائز کے ۵۲۱ اوراق پر مشتمل ھے، اور ابھی تك طبع نہیں ھوا ھے۔

۲۔ گلشن گفتار، مطبوعہ۔

یہ خواجہ خان حمیدؔ اورنگ آبادی کی تصنیف اور فارسی زبان میں اردو کے ۳۰ شاعروں کے حالات پر چھوٹی سی کتاب ھے، جسے بجا طور پر اردو کا سب سے پہلا تذکرہ کہا جاسکتا ھے؛ کیونکہ دیباچے میں مصنف نے «گلشن بزم گفتار ھے» اسکا مادۂ تاریخ لکھا ھے، جس سے ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ع) برآمد ھوتے ھیں۔

یہ تذکرہ سید محمد صاحب، ایم۔اے، نے، حیدرآباد سے ۳۰ بہمن ۱۳۳۹ف کو ایك مفید دیباچے اور حواشی کے ساتھہ چھوٹے سائز کے ۶۸ صفحوں پر چھاپ کر شایع کردیا ھے۔

۳ - نکات الشعرا (نکات)، قلمی -

یہ استاد شعرای ہند، میر محمد تقی میر، متوفی سنہ ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ع) کی تصنیف ہے، جس میں ۱۰۳ اردو گو شاعروں کے مختصر حالات اور منتخب کلام مندرج ہے -

میر صاحب نے کسی جگہ تصنیف کا سال صراحة نہیں بتایا ہے - البتہ انندرام مخلص، متوفی ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ع) کے حال میں کہتے ہیں کہ « قریب یکسالست کہ درگذشت » (ص ۸) - اس سے ڈاکٹر اشپرنگر (۱) یہ قیاس کرتا ہے کہ اس کا سنۂ تالیف ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۲ع) ہے - مولوی عبدالحق صاحب نے بھی اسے تسلیم فرمالیا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ چونکہ گردیزی نے اپنا تذکرہ میر صاحب ہی کے جواب میں لکھا ہے،.... اس لیے اس سنہ کی صحت کی پوری تصدیق ہوجاتی ہے (۲)-

کتاب کے مطالعے سے اس کے آغاز و انجام پر حسب ذیل روشنی پڑتی ہے :-

۱ - جعفر علی خان زکی کے ذکر میں میر نے لکھا ہے :

« بادشاہ محمدشاہ ، بر او فرمایش مثنوی ء حقہ کردہ بود - دو سہ شعر موزون کرد - دیگر سرانجام ازو نیافت - اکنون شیخ محمد حاتم ، کہ نوشتہ آمد، باتمام رسانید - و آن مثنوی خالی از مزہ نیست » (ص ۱۳۶) -

حاتم نے « دیوان زادہ » میں اس مثنوی کے عنوان پر لکھا ہے کہ « حسب الحکم محمد شاہ بادشاہ، معرفت جعفر علی خان صادق »

---

(۱) فہرست کتبخانہای شاہ اودھ : ۱۷۵ -

(۲) مقدمۂ نکات ، طبع ثانی ، صفحہ ج -

یہ مثنوی نظم کی گئی ہے (۸۹؛ الف)۔ اگر لفظ «اکنون» خود میر صاحب ہی کا لکھا ہوا ہے، اور کاتبوں نے اپنی طرف سے اس کا اضافہ یا کسی دوسرے لفظ کی جگہ اس کی نشست کا ارتکاب نہیں کیا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ نکات الشعرا کی یہ عبارت محمد شاہ، متوفی ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع)، کی زندگی میں یا اوس کے انتقال سے کچھ بعد لکھی گئی تھی۔ چونکہ حاتم کے منتخب کلام میں میر صاحب نے صرف ایک شعر (۱) اوس غزل کا چنا ہے، جو ۱۱۶۱ھ کے کسی مشاعرے کی طرح میں لکھی گئی تھی، اس بنا پر قرین قیاس یہ ہے کہ زکی اور حاتم کا حال اسی سنہ میں تحریر کیا ہے۔ اگر میر صاحب نے حاتم کا حال زیادہ بعید زمانے میں لکھا ہوتا، تو اون کی بعد کی کہی ہوئی غزلوں کے شعر بھی چنتے، جو دلی کے مشاعروں میں برابر پڑھی جاتی رہی تھیں۔

۲۔ دلاور خان بیرنگ کو میر صاحب نے زندہ بتایا ہے (ص ۱۵۱)۔ گردیزی لکھتا ہے کہ «سالی چند ازین پیش، مراحل راہ مرگ پیمود»۔

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ گردیزی نے بیرنگ کا حال آخر ۱۱۶۵ھ میں لکھا ہے، اور «چند» سے صرف ۳ سال مراد ہیں،

(۱) وہ شعر یہ ہے،

دلوں کی راہ خطرناک ہوگئی آیا؟
کہ چند روز سے موقوف ہے پیام و سلام

یہ شعر دیوان زادے کے قلمی نسخۂ کتابخانۂ رامپور میں ورق ۱۷ پر موجود ہے۔

تو اوس کا سال انتقال ۱۱۶۲ھ قرار پائے گا، اور اس صورت میں میر صاحب نے اوس کا حال ۱۱۶۲ھ سے قبل یا اسی سال، انتقال سے پہلے، لکھا ہوگا۔

تین مقامات پر میر صاحب نے خان آرزو کے تذکرے کا حوالہ دیا ہے۔ آرزو کا یہ تذکرہ ۶۴۰۵ --- ۱۱۵۷ھ (۱۰ --- ۱۷۴۴ع) میں تمام ہوا تھا۔ اسی طرح دکنی شاعروں کے حال میں سید عبدالولی عزلت سورتی کے حوالے نظر آتے ہیں۔ خود ان کے ذکر میں میر صاحب نے لکھا ہے کہ یہ تازہ وارد ہندوستان ہیں۔ آزاد بلگرامی نے سرو آزاد (ص ۲۳۶) میں اور عاشقی نے نشتر عشق (۴۵۶ الف) میں تحریر کیا ہے کہ ان کا دھلی میں ورود ۲۰ جمادی الاولی سنہ ۱۱۶۴ھ (۷ اپریل ۱۷۵۱ع) کو ہوا تھا۔

ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھکر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ میر صاحب نے اس سنہ و ماہ کے بعد تذکرہ مکمل کیا۔

مخلص، متوفی ۱۱۶۴ھ، کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کو مرے ایك سال کے قریب ہوا۔ مخلص کی وفات کا مہینہ ہمیں معلوم نہیں ہے البتہ یہ ہمارے علم میں ہے کہ احمد شاہ، بادشاہ دھلی، کے جلوس کا چوتھا سال تھا۔ احمد شاہ ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ لہذا اس کا چوتھا سنۂ جلوس، ربیع الثانی ۱۱۶۴ھ سے شروع ہوکر ربیع الثانی ۱۱۶۵ھ پر ختم ہونا چاہیے۔ اس لیے ہم یقین کے ساتھہ کہ سکتے ہیں کہ ربیع الثانی ۱۱۶۵ھ کے لگ بھگ نکات الشعرا لکھا جارہا تھا۔ اور

چونکہ حسب بیان ذکر میر (ص ۲۷ و ۷۳) میر صاحب نے، شعبان ۱۱۶۵ھ (جون ۱۷۵۲ع) میں، نواب بہادر کے مقتول ہوجانے کے بعد، اپنے سوتیلے ماموں، خان آرزو، کی ہمسایگی چھوڑی ھے، اس لیے بعید نہیں کہ اس تاریخ سے قبل ھی تذکرہ ختم کرچکے ھوں، ورنہ تذکرے میں، اونھیں «استاد و پیر و مرشد بندہ» کے لفظوں سے یاد نہ کرتے۔

بحث کا خلاصہ یہ ھے کہ میر صاحب نے تقریباً ۱۱۶۱ھ میں یا اس کے کچھ بعد اپنا تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا۔ اوس وقت تك اس موضوع پر کسی کتاب کا لکھا جانا میر صاحب کے علم میں نہ تھا۔ سنہ ۱۱۶۴ھ میں وہ اس کام میں مشغول تھے۔ مخلص کی وفات کے ایك برس بعد تك بھی یہ کام ختم نہیں ھوا تھا، اور آرزو کے متعلق اونھوں نے جو عمدہ تعریفی کلمات استعمال کیے ھیں، وہ شعبان ۱۱۶۵ھ کے قبل کے لکھے ھوے ھیں، جب کہ وہ آرزو کے یہاں یا اون کے پڑوس میں رھا کرتے تھے۔

۴۔ تذکرۂ ریختہ گویاں (گردیزی)، قلمی۔

یہ سید فتح علی خان گردیزی دھلوی، متوفی ۵ شعبان ۱۲۲۴ھ (۱۶ ستمبر ۱۸۰۹ع)، کا مرتب کیا ھوا، ۹۷ اردوگو شاعروں کا تذکرہ ھے (۱)، جو خاتمے کی تصریح کے مطابق ۵ محرم ۱۱۶۶ھ

(۱) مولوی عبدالحق صاحب نے نسخۂ مطبوعہ کے دیباچے میں ۹۸ شاعر بتائے ھیں۔ لیکن در اصل پاکباز کے ذکر میں مصنف نے لکھا تھا، کہ «این شعر خوش گاہ قزلباش خان مرحوم است» اور اس کے بعد پاکباز کا وہ شعر لکھا تھا۔ اس کو مولوی صاحب نے قزلباش خان کا ذکر خیال کر کے عنوان قرار دے لیا، اور اس طرح ۹۸ شاعر شمار کرلیے۔ اولا تو اس عبارت کا مطلب یہ ھے کہ پاکباز کا یہ شعر قزلباش خان کو پسند تھا۔ ثانیا گردیزی کا تذکرہ حروف تہجی پر مرتب ھے۔ (باقی)

(۱۳ نومبر ۱۷۵۲ع) کو ختم ہوا تھا۔

اس تذکرے کی بعض عبارتوں سے اس کے آغاز، اور ختم تالیف کے بعد کے اضافوں پر حسب ذیل روشنی پڑتی ہے۔

میر ناصر سامان، ولی اللہ اشتیاق سرہندی، اور اسد یار خان انسان کو لکھا ہے کہ ان کے انتقال کو چند سال ہوے۔ نشتر عشق (۳۱۷ الف) میں سامان کا سال وفات ۱۱۴۷ھ (۱۷۳۴ع) اور اشتیاق کا (۷۸ ب) ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) اور تاریخ محمدی (۵۹۶ الف) میں انسان کا سنۂ وفات ربیع الاول ۱۱۵۸ھ (۱۷۴۵ع) مندرج ہے۔ «چند» کا لفظ ۳ سے ۹ تک کے اعداد پر بولا جاسکتا ہے اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ گردیزی نے ہر جگہ «چند» سے تین سال مراد لیے ہیں، تو ان مرحومین کے سالہای وفات کے پیش نظر، ان کا حال ۱۱۵۰ھ، ۱۱۵۳ھ اور ۱۱۶۱ھ میں لکھا جانا چاہیے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ گردیزی کی مراد ہرجگہ نو ہے، تو پھر ان کا حال علی الترتیب ۱۱۵۶ھ، ۱۱۵۹ھ اور ۱۱۶۷ھ میں لکھا گیا ہوگا۔ اور اگر سنہ ۱۱۶۵ھ سے حساب کیا جائے، تو پھر علی الترتیب «چند» کا اطلاق ۱۸، ۱۲ اور ۷ برس پر ہوگا۔ ان میں سے آخری استعمال تو صحیح رہتا ہے، مگر دو پہلے قطعا درست نہیں، نہ حساب کی روسے اور نہ ہمارے روز مرہ کے اعتبار سے۔ اس بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ گردیزی نے « چند » سے نو سال مراد لیے ہیں،

(بقیہ) قزلباش خان کا تخلص امید تھا۔ اگر تخلص کے لحاظ سے اس کا ذکر کیا جاتا، تو حرف الف میں جانا چاہیے تھا، اور اگر نام کے اعتبار سے ذکر ہوتا، تو حرف ق میں جاتا۔ حرف پا میں کسی طرح مذکور نہ ہوتا۔ چنانچہ رامپور کے قلمی نسخے میں اور فص الکلمات میں یہ سب شعر پاکباز ہی کے نام سے لکھے ہیں۔

اور اس کا آغاز ۱۱۵۶ھ کے قریب کیا ہے۔

۵ محرم ۱۱۶۶ھ کو تذکرہ ختم کرکے، بعد میں بھی گردیزی نے کچھ باتیں بڑھائی ہیں۔ چنانچہ دلاور خان بیرنگ کو لکھا ہے کہ چند سال ہوے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ شخص نکات الشعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے، کہ ختم نکات تك زندہ تھا، تو پھر اس کا یہ مطلب ہوگا کہ گردیزی نے اس کا حال کم از کم ۱۱۶۸ھ میں لکھا ہے۔

عمدۃ الملك امیر خان انجام کو لکھا ہے کہ آج سے چھہ سال قبل رحمت ایزدی سے جاملے۔ انہوں نے ۲۳ ذیجہ سنہ ۱۱۵۹ھ (۲۷ دسمبر ۱۷۴۶ع) کو شہادت پائی ہے۔ ظاہر ہے کہ ۵ محرم ۱۱۶۶ھ کو اونہیں شہادت پائے، ۵ برس ۱۱ دن ہوے تھے۔ اس صورت میں کسی طرح اونہیں «شش سال پیش ازین» متوفی نہیں کہا جا سکتا۔ لہذا یہ عبارت ۱۱۶۶ھ کے آخر یا ۱۱۶۷ھ کے آغاز میں لکھی جانی چاہیے۔

مرزا جانجاناں مظہر کے حال میں لکھا ہے:

«از بدو حیات الی یومنا هذا، که عمر شریفش به پیمائش خطوهء ستین است، از بلند منشی بتوکل و انزوا بسر برده»۔

اس عبارت میں «خطوۂ ستین» قابل غور ہے۔ اس فقرے کے لغوی معنی ہیں، «ساٹھواں قدم»۔ چونکہ گردیزی عام طور پر عمر نہیں لکھتا، اس لیے یقیناً اوس نے سوچ سمجھہ کر مرزا مظہر صاحب کی عمر کا اندازہ لکھا ہوگا۔ مرزا صاحب دھلی میں مقیم تھے، اور خود گردیزی بھی وھیں رہتا تھا، اور اون کا ہم مشرب اور مداح تھا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس نے خود

اون کی زبانی سال پیدائش کا ذکر نہ سنا ہو، یا بصورت دیگر، اون کی عمر کا صحیح اندازہ نکیا ہو۔ مرزا صاحب کا سال ولادت ۱۱۱۰ھ (۱۶۹۸ع) سے ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ع) تك بتایا جاتا ہے۔ اگر علی الاقل ۱۱۱۰ھ ہی کو اختیار کرلیا جائے، تو اون کا حال ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶ع) میں لکھا جانا چاہیے۔

آخر میں یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کیا ۱۱۵۶ھ میں گردیزی کی اتنی عمر تھی کہ وہ کوئی تذکرہ مرتب کرنے کا اہل ہوتا۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ نشتر عشق (۱۷۹ الف) میں لکھا ہے کہ اوس نے ۹۵ برس کی عمر پاکر ۵ شعبان ۱۲۲۴ھ (۱۶ ستمبر ۱۸۰۹ع) کو رحلت کی ہے، اور «انتخاب سلف» مادۂ تاریخ وفات ہے۔ اگر یہ بیان صحیح ہے، تو ۱۱۵۶ھ میں اوس کی عمر ۲۷ برس کی ہوگی۔ یہ عمر اس قسم کا کام انجام دینے کے لیے بالکل موزوں ہے۔ خود میر صاحب کی عمر تذکرہ ختم کرتے وقت ۳۰ برس کی تھی (۱)۔

اس تذکرے کا ایك قلمی نسخہ، جس میں دیباچہ اور ایك دو تراجم ساقط ہیں، غالباً سید محسن علی، مصنف سراپا سخن، کا لکھا ہوا، کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔ انجمن ترقیء اردو نے اسے بھی چھاپ کر شائع کردیا ہے۔

۵ ـ فص الکلمات (فص) قلمی۔

یہ شاہ محمد حمزہ مارہروی، متوفی ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۴ع)، کا کشکول ہے، جس میں مذہبی، تصوفی، تاریخی اور ادبی معلومات کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ کتاب ۲ جلدوں میں منقسم ہے، اور ہر مبحث «کلمۃ اللہ» یا صرف «کلمۃ» سے شروع

(۱) ملاحظہ ہو مقدمۂ کلیات میر، مرتبۂ آسی لکھنوی و مطبوعۂ نولکشور پریس لکھنؤ۔

ہوتا ھے۔ اس کی ایك جلد کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اور دوسری جلد خانقاہ برکاتیہ، مارھرہ، میں موجود ھے۔

رامپور کے نسخے کے آخر میں «تم فصل الکلام» لکھا ھے، جس۔ سے یہ قیاس ہوتا ھے کہ فصل الکلام اس کا نام ھے۔ مگر موجودہ سجادہ نشین خانقاہ مذکورہ نے اپنی ایك گرامی تحریر میں بتایا ھے کہ اس کتاب کا نام «فص الکلمات» ھے۔ یہی نام اون کے تذکرے میں بزمرۂ تصنیفات میں نے بھی دیکھا ھے۔

شاہ صاحب نے اس کشکول میں شعرای فارسی و اردو کے حالات بھی لکھے ھیں۔ کتاب کے ورق ۲۱۶ ب سے ۲۲۷ ب تك گیارہ ورق، اردو کے شاعروں کے حالات پر مشتمل ھیں۔ شاہ صاحب نے صرف دو چار جگہ میر کے نکات الشعرا سے اور دو چار جگہ اپنی معلومات سے کچھ لکھا ھے، بقیہ حالات گردیزی کے تذکرے سے خود اوسی کے لفظوں میں نقل کردیے ھیں۔ یہی وجہ ھے کہ ورق ۲۲۸ ب پر شعبان ۱۱۹۷ھ (جولائی ۱۷۸۳ع) کا ذکر، سال حال کے لفظوں میں پڑھنے کے باوجود، میں نے اس کو «تذکرۂ گردیزی» کے بعد جگہ دی ھے۔

۶ ـ مخزن نکات (مخزنؔ) مطبوعہ۔

یہ قیام الدین محمد قائم، قائم تخلص، چاندپوری المولد، رامپوری المدفن، متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) کا مرتب کردہ شعرای اردو کا تذکرہ ھے، جس میں ۱۱۸ شاعروں کے حالات ۳ طبقوں میں تقسیم کرکے لکھے گئے ھیں۔

خواجہ اکرم نے اس کی تاریخ «مخزن نکات» سے نکالی ھے، جس سے ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۴ع) برآمد ہوتے ھیں (ص ۶۶)۔ لیکن کتاب کے دیباچے میں مصنف لکھتا ھے:

« مخفی و محتجب نماند کہ الی الآن در ذکر و بیان اشعار و احوال

شعرای ریختہ کتابی تصنیف نگر دیدہ، و تا این زمان ہیچ انسانی از ماجرای شوق افزای سخنوران این فن سطری تالیف نرسانیدہ۔ بنابر این فقیر مولف محمد قیام الدین، قائم، بعد کوشش تمام و سعی تمام دواوین این اعزہ فراہم آوردہ، پارہء ابیات از ہر کدام بر سبیل یادگار در ذیل این بیاض، کہ بمخزن نکات موسوم است، بقید قلم در آوردہ»۔

بظاہر حال مصنف کے اس بیان کو کسی طرح تسلیم نہیں کیا جاسکتا ھے کہ ابتک ریختہ گو شاعروں کے متعلق ایک سطر بھی کسی نے نہیں لکھی ھے؛ کیوں کہ ۱۱۶۵ھ کے آخر تک خاکسار کا «معشوق چہل سالۂ خود»، میر کا «نکات الشعرا» اور گردیزی کا «تذکرۂ ریختہ گویان» مرتب ھوچکے تھے۔ اور نہ یہ باور کیا جا سکتا ھے کہ اوسے ان تذکروں کا علم نہیں ھوا، کیوں کہ وہ اوس زمانے میں دھلی کے اندر موجود تھا۔ مگر تذکرے کے مختلف بیانوں پر غور کرنے سے عیاں ھوجاتا ھے کہ قائم کا یہ دعوی صحیح ھے۔ یقیناً جب وہ اپنا تذکرہ لکھنے بیٹھا، تو اوس وقت تک مذکورۂ بالا تذکرے شائع نہیں ھونے پائے تھے۔ اس دعوی کے وجوہ حسب ذیل ھیں:

(۱) قائم نے شاہ ولی اللہ اشتیاق کے متعلق لکھا ھے کہ «مدت ھفت سال شد کہ بدار البقا انتقال نمود»۔ (ص ۱۸)

اشتیاق نے، نشتر عشق (۷۸ ب) اور صبح گلشن (ص ۲۰) کی روایت کے مطابق ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ع) میں رحلت کی ھے۔ لہذا قائم نے ان کا حال یقیناً ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ع) میں لکھا ھے۔

(۲) اس سنہ کی تائید اس واقعے سے بھی ھوتی ھے کہ میر نے بظاھر ۱۱۶۲ھ میں اور گردیزی نے ۵ محرم ۱۱۶۶ھ سے قبل، دلاور خان کا ذکر بیرنگ تخلص کے ماتحت کیا ھے۔ گردیزی نے اور کچھ نہیں لکھا، مگر میر نے یہ صراحت کردی ھے کہ یہ پہلے ھمرنگ تخلص کرتے تھے، فی الحال

اس کو ترک کر کے بیرنگ اختیار کیا ھے۔ چوں کہ اس بیان کے اندر میر نے لفظ «حالا» استعمال کیا ھے، اس لیے ھم اسے دوران تالیف کا واقعہ ماننے پر مجبور ھیں۔

قائم نے اس شخص کا تذکرہ ایسے الفاظ میں کیا ھے، جس سے معلوم ھوتا ھے کہ وہ ھنوز «ھمرنگ» تخلص کرتا ھے۔ اس سے میں قیاس کرتاھوں کہ اوس نے دلاور خان کا حال تبدیل تخلص سے قبل لکھا تھا۔ اگر یہ قیاس درست ھے، تو پھر کوئی وجھہ نہیں کہ ھم اسے میر کے تذکرے سے قبل کا نہ مانیں، اور کچھہ بعید نہیں کہ یہ ۱۱۰۷ھ کے قریب ھی شروع کیا گیا ھو۔

(۳) رسوا تخلص نومسلم کا ذکر میر (ص ۱۲۱) اور گردیزی (ص ۶۴) نے باصطلاح اموات کیا ھے۔ گلزار ابراھیم (ص ۱۳۶) میں لکھا ھے کہ محمد شاہ کے عہد میں فوت ھوا۔ خمخانہ (ج ۳ ص ۲۰۳) کے مصنف فرماتے ھیں کہ اکبر شاہ ثانی (۳۷–۱۸۰۶ع) کے عہد میں تھا یہ رائے تو یکسر غلط ھے، کیونکہ میر اور گردیزی برسوں قبل اس کو مردہ لکھہ چکے ھیں۔ البتہ گلزار کی روایت قابل غور ھے۔

قائم نے اس شخص کے متعلق لکھا ھے کہ « مدت چند ما ھست کہ بہمین احوال از جہان رفت» (ص ۶۳)۔ اگر گلزار کی روایت صحیح ھے، تو پھر اس کا یہ مطلب ھوگا کہ رسوا نے ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) کے قبل انتقال کیا تھا۔ قائم نے اس کا تذکرہ مرنے کے چند ماہ بعد کیا ھے۔ اس سے ھم یہ قیاس کرسکتے ھیں کہ کم از کم ۲۹ ربیع الآخر ۱۱۶۱ھ (مارچ ۱۷۴۸ع) میں محمد شاہ کے انتقال سے قبل قائم نے یہ حال لکھا ھے۔

(۴) قائم نے محمد علی حشمت کے متعلق لکھا ھے کہ

« سابق برین دو سال، برفاقت قطب الدین علی خان..... بسمت چکلۂ

مرادآباد رفته بود۔ چون درآنجا با فوج علی محمد روهیله پای جنگ بمیان آمد، همانجا مع خان مذکور بجرأت تمام کشته شد» (ص ۲۶)۔

واقعہ یہ ہے کہ نواب سید علی محمد خان بہادر کے ۳ شوال ۱۱۶۲ھ (ستمبر ۱۷۴۹ع) کو فوت ہوجانے کے بعد، صفدر جنگ نے روہیلوں کی قوت توڑنے کے لیے، قطب الدین خان کو روہیل کھنڈ کی ریاست کا پروانہ بادشاہ سے دلا کر مرادآباد روانہ کیا تھا۔ اون کے ساتھ صرف چند سو آدمی تھے۔ روہیلوں نے مقابلہ کر کے اونہیں فوج کے ساتھ قتل کر دیا۔ اس واقعے کی صحیح تاریخ نہیں ملی، لیکن مختلف کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ذیحجہ ۱۱۶۲ھ (نومبر ۱۷۴۹ع) میں والیء فرخ آباد کی روہیل کھنڈ پر فوج کشی سے قبل یہ معرکہ پیش آیا تھا۔

میر نے «نکات الشعرا» میں اور گردیزی نے اپنے «تذکرۂ ریختہ گویاں» میں بھی حشمت کے متعلق یہی لکھا ہے کہ وہ قطب الدین خان کے ہمراہ روہیلوں کی جنگ میں مارا گیا۔ مگر اونھوں نے زمانے کا تعین نہیں کیا۔ قائم اس کے برخلاف یہ کہتا ہے کہ دوسال ہوے جو حشمت، قطب الدین خان کے ہمراہ مرادآباد جا کر، جنگ میں کھیت رہا۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ آخر ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۱ع) یا آغاز ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۱ع) میں اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر اوس نے یہ حال لکھا ہے۔

بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قائم نے ۱۱۶۸ھ کے بعد بھی جابجا اضافے کیے ہیں، جو ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۵ع) سے ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تک کے زمانے کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۱) آبرو کے ذکر میں خان آرزو کو دعادی ہے کہ «خدا سلامتش دارد» (ص ۱۴)۔ اور بعد ازاں میر کے حال میں اون کا ذکر بصیغۂ ماضی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ «در خدمت خان آرزو، کہ خالوی او بود، نختی دانش

اندوختہ » (ص ۱۸)۔

خان آرزو کا انتقال ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۹ھ (۲۶ جنوری ۱۷۵۶ ع) کو ہوا ہے۔ لہذا یقینی امر ہے کہ میر کا حال یا اوس کا یہ حصہ اس ماہ و سال کے بعد لکھا گیا ہے۔

(۲) محتشم علی خان حشمت تخلص کو کہتا ہے کہ « قبل ازین ہفت سال بمرگ دفعۃ از جہان رفت » (ص ۲۷)۔ خان آرزو فرماتے ہیں کہ ان کا انتقال، نجم الدولہ کے مرنے سے دو تین مہینے پہلے ۱۱۶۳ھ (۵۰-۱۷۴۹ع) میں ہو گیا تھا۔ (مجمع النفائس: ۱۳۵ الف) دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی یہی سال وفات لکھا ہے۔ اس صورت میں قائم کا یہ ٹکڑا ۱۱۷۰ھ (۵۷-۱۷۵۶ع) کے لگ بھگ لکھا جانا چاہیے۔

(۳) خواجہ میر درد کے حال میں اون کی تصنیفات کے منجملہ «صحیفۂ واردات» کا نام بھی لکھا ہے۔ یہ کتاب خود خواجہ صاحب کے بیان کے مطابق ۱۱۷۲ھ (۱۷۵۹ع) میں لکھی گئی ہے۔ خواجہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

> « و بیشتر ازین رسالہ، یعنی اکثر وارد، در حضور اقدس جناب امیرالمحمدین حضرت قبلہ گاہی دامت برکاتہ در سنۂ یکہزار و یک صد و ہفتاد و دو ہجری تحریر یافتہ بود...... و در ہمین سال بتاریخ دوم ماہ مبارک شعبان المعظم روز شنبہ بین العصر و المغرب رحلت آنجناب شدہ است» (علم الکتاب ص ۹۱)۔

شمع محفل (ص ۳۲۰) کے آخر میں فرماتے ہیں:

> « چنانچہ از اتفاقات ورود صحیفۂ واردات بحضور پرنور در سال وصال آن زبدۃ الواصلین......خواجہ محمد ناصر......اعنی یکہزار و یکصد و ہفتاد و دو شدہ بود »۔

ان اقتباسوں سے معلوم ہوتا ہے کہ واردات کا زیادہ حصہ ۲ شعبان

۱۱۷۲ھ (۳۱ مارچ ۱۷۵۹ع) سے قبل انجام کو پہنچ چکا تھا۔ قائم نے ان کے والد کے متعلق لکھا ہے کہ

«والد شریفش خواجه محمد ناصر، که یکی از اولیای روزگار و مشائخ کبار است، به نسبت مریدی و فرزندیء وی افتخارها دارد»۔

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی تک میر درد کے والد بقید حیات تھے؛ لہذا قائم نے میر درد کا حال رجب ۱۱۷۲ھ میں لکھا ہوگا۔ اور چونکہ نالۂ درد (ص۲) میں درد نے لکھا ہے کہ صحیفۂ واردات کے تمام کرتے وقت میری عمر ۳۹ سال کی تھی، اس لیے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ قائم نے ان کا حال ۳۹ سال کی عمر میں ۱۱۷۲ھ میں لکھا ہے۔

(۴) نول رائے وفا کے ذکر میں لکھا ہے کہ

« مہین برادرش زاده ، گلابرای ، دیوان مدار المہام امیر الامرا نواب نجیب الدوله بہادر است » (ص ۷۲)۔

نجیب الدولہ کو منصب امیر الامرائی، خزانۂ عامرہ (ص ۵۳) کے مطابق ۱۱۷۰ھ (۵۷-۱۷۵۶ع) میں احمدشاہ ابدالی نے عطا کیا تھا۔ اوس کی مراجعت کے بعد عمادالملک نے انہیں برطرف کرکے خود یہ منصب سنبھالا۔ بعد از ان پانی پت کی مشہور جنگ (جمادی الآخرہ ۱۱۷۴ھ مطابق جنوری ۱۷۶۱ع) کے بعد، احمدشاہ ابدالی نے پھر انہیں کو یہ عہدہ عطا کیا۔ صاحب حدیقۃ الاقالیم نے ۱۱۷۰ھ میں نجیب خان کو نجیب الدولہ خطاب ملنے اور ۱۱۷۴ھ (۶۱-۱۷۶۰ع) میں « مدار المہام امیر الامرا » کا خطاب و منصب عطا ہونے کی تصریح کی ہے (ص ۱۳۷)۔

ان کی امیر الامرائی کا ابتدائی زمانہ کم ہے۔ بعید معلوم ہوتا ہے کہ اس مختصر سے عرصے میں انہوں نے دیوان وغیرہ بھی مقرر کر لیے ہوں، اور قائم انہیں وفا کے ذکر میں امیر الامرا لکھ بھی دے۔ اغلب یہ ہے کہ

۱۱۷۴ھ کے بعد اوس نے وفا کا حال لکھا ھے، جب کہ نجیب الدولہ اطمینان کیساتھ اس عہدے پر کام کر رھے تھے، اور «مدار المہام امیر الامرا» دونوں لفظوں کے مستحق ھوچکے تھے۔

(۵) مہربان خان رند کے حال میں (ص ۵۵) لکھا ھے کہ

«درین اثنا .... مرزا محمد رفیع سودا، سلمه الله تعالی، برفاقت وزیرالممالک نواب غازی الدین خان بہادر در بلدہء فرخ آباد رسیدند. خان موصوف از نواب وزیر درخواسته مرزای موصوف را برفاقت خود گرفت»۔

ظاھر ھے کہ یہ ٹکڑا سودا کے فرخ آباد جانے کے بعد لکھا گیا ھے۔ چونکہ اس میں قائم نے سودا کا فرخ آباد جانا، نواب غازی الدین خان کے همراہ بتایا ھے، اس لیے یہ دیکھنا چاھیے کہ نواب کس زمانے میں فرخ آباد گئے۔ مولوی ولی اللہ، تاریخ فرخ آباد (۶۷ الف) میں لکھتے ھیں کہ غازی الدین خان (۱) ۱۱۷۰ھ (۵۷-۱۷۵۶ع) میں میرزا ھدایت بخش اور میرزا بابر کے ساتھ فرخ آباد آئے۔ نواب احمد خان نے بڑی شان و شکوہ کے ساتھ استقبال کیا، اور بہت کچھ نذر گزرانا۔ آزاد بلگرامی نے بھی خزانۂ عامرہ (ص ۵۳) میں یہی واقعہ لکھا ھے۔ مگر اس کے بعد یہ بھی فرماتے ھیں کہ فرخ آباد سے اودھ پر چڑھائی کی، اور نواب سعداللہ خان کے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دینے کے بعد، ۷ شوال ۱۱۷۰ھ کو فرخ آباد واپس ھوے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ھے کہ ۷ شوال سنۂ مذکورہ سے قبل ان کا فرخ آباد میں ورود ھوا تھا۔ بعد ازاں اس تاریخ کو صوبۂ اودھ سے لوٹ کر آئے۔

(۱) شیخ چاند مرحوم نے «سودا» (ص ۵۰) میں لکھا ھے کہ عمادالملک شاہ درانی کے مشورے سے ۱۱۶۷ھ میں شاھزادوں کے همراہ دوآبے میں روپیہ وصول کرنے آئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ھے۔ تمام تاریخیں متفق ھیں کہ یہ واقعہ درانی کے ۱۱۷۰ھ کے حملے کے بعد کا ھے۔

اس کے بعد عمادالملک نے ربیع الآخر ۱۱۷۳ھ (نومبر ۱۷۵۹ع) میں عالمگیر ثانی کو قتل کرنے کے بعد احمدشاہ ابدالی کی آمدآمد سن کر، سورجمل جاٹ کے پاس پناہ لی (۱)، اور ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تک، جو خزانۂ عامرہ کا سال تالیف ھے، وھیں مقیم رھے (۲)۔ تاریخ فرخ آباد سے معلوم ھوتا ھے کہ تقریباً اسی سال فرخ آباد میں پھر تشریف فرما ھوے۔ نواب احمدخان نے بڑی خاطر مدارات کی اور گزر اوقات کیلیے سیرحاصل جاگیر مقرر کردی (۳)۔ مولوی ولی‌الله لکھتے ھیں کہ شاہ عالم بادشاہ کے الہ‌آباد سے دھلی واپس جانے تک فرخ آباد ھی میں قیام رھا۔ جب یہ خبر ملی کہ بادشاہ اس نواح سے گزرں گے، تو اس خوف سے کہ کہیں بادشاہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام نہ لے لیں، وھاں سے ھمیشہ کے لیے رخصت ھوگئے، اور پنجاب وسندھ وغیرہ ھوتے ھوے مکۂ معظمہ چلے گئے۔ حج سے واپسی کے بعد کالپی میں ٹھہرے، اور وھیں ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ع) میں انتقال کیا (۴)۔ انھیں مولوی ولی‌الله نے بادشاہ کی الہ‌آباد سے روانگی کا سنہ ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) بتایا ھے (۵)، جس کا یہ مطلب ھے کہ عمادالملک کا فرخ آباد میں قیام ۱۱۷۶ھ سے ۱۱۸۴ھ تک رھا تھا۔

بظاھر یہ ناممکن ھے کہ سودا عمادالملک کے ساتھ ۱۱۷۰ھ میں فرخ آباد گئے ھوں؛ کیونکہ انھیں تذکرہ نویسوں نے شاہ عالم بادشاہ کا استاد بتایا ھے، جو ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹-۶۰ع) میں تخت‌نشین ھوے تھے۔ اگر یہ ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶-۵۷ع) میں فرخ آباد چلے گئے ھوتے، تو یہ استادی شاگردی کا رشتہ بعیدالوقوع تھا۔ نشتر عشق سے معلوم ھوتا ھے کہ ان کی دھلی سے

---

(۱) مقالات الشعرا (۱۰ ب) میں، جو ۱۱۷۳ھ کی تالیف ھے، ان کا ابدالی کے ڈر سے بھاگ کر سورجمل کے پاس بھرتپور میں قیام بتایا ھے۔ چونکہ اس زمانے میں مصنف مقالات وھاں موجود ھے، اس لیے اوس کی شہادت پر اعتماد کیا جا سکتا ھے۔
(۲) خزانۂ عامرہ: ۵۴ (۳) تاریخ فرخ آباد اردو: ۲،۹۲ (۴) تاریخ فرخ آباد: ۱۲۷ ب
(۵) ایضاً: ۱۲۱ ب۔

روانگی، احمدشاہ ابدالی کے ہاتھوں دارالسلطنت کی دوسری لوٹ کے بعد واقع ہوئی تھی۔ احمدشاہ کا دہلی میں دوسری بار داخلہ شعبان ۱۱۷۴ھ (مارچ ۱۷۶۱ع) میں ہوا تھا۔ مقالات الشعرا کے مصنف نے بھی اس سال کے حملے کو دوسرا حملہ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

«درین هنگام، که سنۂ یکهزار و یک‌صد وهفتاد و سنۂ هجری و شعله انگیزیء آتش هنگامۂ مسطور کرت ثانی است» (ورق ۲ ب)۔

لہذا سودا کو ۱۱۷۴ھ کے بعد دہلی کو خیرباد کہنا چاہیے۔

سودا کے دیوان میں نواب مہربان خاں کی شادی کا قطعۂ تہنیت پایا جاتا ہے، جس کے مادۂ تاریخی "ہوا ہے وصل ماہ ومشتری کا" سے ۱۱۷۶ھ برآمد ہوتے ہیں۔ چونکہ عمادالملک ۱۱۷۶ھ میں بھرتپور سے فرخ آباد گئے ہیں، اس لیے اغلب یہ ہے کہ سودا احمدشاہ کے دوسرے حملے کے بعد عمادالملک کے پاس بھرتپور پہنچے۔ اور وہاں سے اون کے ساتھہ ہی ۱۱۷۶ھ میں فرخ آباد چلے گئے۔ اس صورت میں قائم نے ان کے متعلق جو کچھہ لکھا ہے۔ وہ ۱۱۷۶ھ کے بعد کا اضافہ ہوگا۔

سنہ ۱۱۷۶ھ کا یہ اضافہ تنہا نہیں ہے۔ دردمند کے بارے میں لکھا ہے:

«چنانچه مثنوی ساقی نامه مع دیگر ابیات بر صفحۂ روزگار از و یادگار است» (صفحہ ۴۹)۔

یہ الفاظ اون اشخاص کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جو اس دنیا سے رحلت کر چکے ہوں۔ دردمند نے، گلزار ابراہیم اور گلشن ہند (ص ۱۳۰) کے مطابق ۱۱۷۶ھ میں انتقال کیا ہے۔ لہذا یہ حصہ بھی سنہ ۱۱۷۶ھ کے بعد لکھا جانا چاہیے۔

ان مقامات کے ماسوا عاصمی اور درد وغیرہ کے حالات دوسری تاریخوں تک رہنمائی کر سکتے ہیں، اگر ہمارے پاس دوسرے ذرائع سے معلومات مہیا ہو جائیں۔

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قائم نے پہلے اپنا تذکرہ بیاض کی صورت میں مرتب کیا تھا۔ اس بیاض کے آغاز کے بارے میں سب سے پہلی تاریخ ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ع) ملتی ہے۔ اوس وقت تک اردو گو شاعروں کا کوئی تذکرہ مرتب نہوا تھا۔ ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳-۵۴ع) میں احمدشاہ کے معزول ہو جانے اور عالمگیر ثانی کے تخت نشین ہونے کے بعد اس بیاض نے تذکرے کی شکل اختیار کرلی، اور مصنف نے اسکا تاریخی نام "مخزن نکات" رکھا، جس سے ۱۱۶۸ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اس تاریخ کے بعد بھی اوس نے جابجا اضافے کیے، جس کا سلسلہ ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) تک جاری رہا۔ کتاب کا دیباچہ، بجز نام کے، آغاز تصنیف بیاض کے وقت کا ہے، اور خاتمہ، جس میں مصنف نے انقلاب سلطنت کا ذکر کیا ہے، ۱۱۶۸ھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

یہ تذکرہ انجمن ترقیء اردو کی طرف سے عرصہ ہوا چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ کتابخانے میں اسکے پہلے دو طبقوں کا اردو ترجمہ قلمی شکل میں موجود ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن، اس کے مترجم ہیں۔ اس ترجمے میں مترجم نے بھی ممتاز طور پر کچھ اضافے کیے ہیں۔

۷- مقالات الشعرا، قلمی۔

یہ ۱۵۹ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے قیام الدین حیرت ولد شیخ امان اللہ اکبرآبادی نے، ریاض الشعرای والہ،

مجمع‌النفائس آرزو، اور سفینۂ شوق رای تن‌سکھرای کی مدد سے مرتب کیا ھے۔

موخرالذکر کتاب کا مصنف، احمدشاہ ابدالی کے سنہ ۱۱۷۰ھ میں دلی پر حملہ‌آور ھونے کے بعد نقل وطن کر کے مع اھل‌وعیال اکبرآباد چلا آیا تھا، اور اس نقل و حمل کے زمانے میں بھی وہ تذکرے کو مرتب کرتا رہا تھا۔ حیرت ایک برس اور چند مہینے اوس کی خدمت میں رہا۔ (۴۵ ب)۔ غالباً اسی زمانے میں "سفینۃالشوق" دیکھ کر حیرت کو تذکرہ مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ مگر وہ دیباچے میں یہ لکھتا ھے کہ جب ھندوستان میں احمدشاہ ابدالی کی بہلی بار پھیلائی ھوئی قتل‌وغارت کی آگ بجھی، خوش‌بختانہ مجھے مذکورۂ بالا تذکروں کے دیکھنے کا موقع ملا۔ دل میں آیا کہ عہد اورنگ‌زیب عالمگیر سے زمانۂ عالمگیر‌ثانی تک جو شاعر گذرے ھیں، اون کے حالات پر مشتمل ایک کتاب ترتیب دوں۔ کچھ دنوں تک یہ تمنا دل میں کھٹکتی رھی:

> «درین هنگام که سنۂ یکهزار و یکصد و هفتاد و سه هجری و شعله‌انگیزیٔ آتش هنگامۂ مسطور کرت ثانی است، نسیم قبول بر غنچۂ امید از مهب الطاف مولی وزید، و نکهت انتظام این گلدستۂ بهار پیام مشام آرزو را معطر گردانید...... ترتیب این رساله ...... به حروف تهجی نهاده، و به مقالات‌الشعرا، که متضمن تاریخ تالیف است بنقصان پنج ششماه، موسوم ساخت» (۲ ب و ۳ الف).

محمد نعیم نیاز کے ذکر میں لکھا ھے:۔

> «دریںولا که خبر وفاتش شنیده ام، از تلخیٔ غم، شربت عیش بر مذاق طبیعت ناگوار است...... احقر تاریخ وفاتش که از روز و ماه مطلع نشده، چنیں یافته....:

چون ز دنیا برفت سوی جنان یا رجب یا که ماه شعبان بود
حیرت از سال رحلتش هاتف دادخبرم «ندیم رضوان بود»

اس مادے سے ۱۱۷۳ھ (۶۰-۱۷۵۹ع) برآمد ہوتے ہیں، اور شعر اول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجب یا شعبان سنۂ مذکورہ میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ لہذا ان مہینوں تک کار ترتیب کا جاری رہنا ظاہر ہوتا ہے۔

مقالات الشعرا سے ۱۱۷۴ھ (۶۱-۱۷۶۰ع) نکلتے ہیں۔ اشپرنگر نے اسی کو سال تالیف قرار دیا ہے۔ مگر مصنف اسے "بنقصان پنج شش ماہ" سال تالیف کو ظاہر کرنیوالا بتاتا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ کتاب ۱۱۷۳ھ ہی میں ختم ہو چکی تھی؛ اور جب اوس نے "مقالات الشعرا" نام رکھا ہے، تو اوس وقت ۱۱۷۴ھ کے شروع ہونے میں ۵ یا ۶ مہینے باقی تھے۔

خواجہ محمد ناصر عندلیب نے ۱۱۷۲ھ (۵۹-۱۷۵۸ع) میں وفات پائی ہے۔ حیرت نے انکا ذکر ایسے لفظوں میں کیا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بقید حیات تھے۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ترتیب کا آغاز ۱۱۷۲ھ سے قبل ہوا ہے۔

اپنے متعلق حیرت نے لکھا ہے کہ میرے والد کا نام شیخ امان اللہ اور اکبرآباد وطن ہے، ۳۰ سال کی اس وقت عمر ہے، اور دیوان کشن جی، طبیب ٹھاکر سورجمل، والیء بھرتپور، کے بچوں کی اتالیقی کی خدمت پر متعین ہوں، اور بھرتپور میں قیام ہے (۳۹ الف)۔ میاں محمد حیات کوپاموی سے، جنھوں نے عرصے سے اکبرآباد ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی، فارسی پڑھی ہے (۲۹ الف) اور محمد نعیم نیاز سے، جو بے بدل منشی اور شاعر تھے،

نظم‌ونثر پر اصلاح لی ھے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک مخطوطہ محفوظ ھے، جوچھوٹے سائز کے ۸۲ ورقوں پر ۱۲۲۸ھ(۱۸۱۳ع) میں معمولی اور پر اغلاط نستعلیق خط میں لکھا گیا ھے۔ اس نسخے میں ۱۵۹ شاعروں کا ذکر ھے۔ اشپرنگر کے نسخے میں ۱۶۰ درج ھیں(۱)۔ وہ شاعر، جس کا ذکر ھمارے نسخے میں نہیں ھے، چنی‌لال احسان تخلص ھے۔

۸۔ چمنستان شعرا (چمنستان). مطبوعہ۔

یہ لچھمی نرائن شفیق اورنگ‌آبادی کا مرتبہ تذکرہ ھے، جس میں ۲۱۴ ریختہ گویوں کے حالات اور منتخب کلام مندرج ھے۔

دیباچے سے معلوم ھوتا ھے کہ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ع) میں اس کا اختتام ھوا ھے۔ یہی سال اس کے نام سے بھی برآمد ھوتا ھے۔ میرعلی‌اکبر رمال کے ذکر میں مصنف نے ایک زائچہ نقل کیا ھے (ص ۱۵۴)، اور وھاں ۶ رمضان ۱۱۷۵ھ (۳۱مارچ ۱۷۶۲ع) تاریخ لکھی ھے۔ نجات کی تاریخ وفات غرۂ شوال ۱۱۷۵ھ (۲۶اپریل ۱۷۶۲ع) تحریر کی ھے (ص ۳۲۴)۔ ان دونوں مقامات سے ھم یہ نتیجہ نکال سکتے ھیں کہ ۱۱۷۵ھ کے آخر تک کام جاری رھا ھے۔

شفیق نے اپنے سوانح لکھتے ھوے (ص ۴۹۴) بتایا ھے کہ صفر ۱۱۵۸ھ (فروری ۱۷۴۵ع) میں میری ولادت ھوئی ھے، اور اب اٹھارہ سال کی عمر ھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ھے کہ مصنف نے اپنا حال ختم کتاب کے ایک سال بعد لکھا ھے۔ اسی طرح رنگیں کی تاریخ‌وفات

(۱) مگر سہو طباعت سے بجاے ۱۶۰ کے ۱۵۰ چھپ گئے ھیں۔ ملاحظہ ھو فہرست کتابخانہاے شاہ اودھ: ۱۵۲

اور قطعۂ تاریخ بھی بعد کو اضافہ کیے گئے ہیں (ص ۵۱۹)۔

اس تذکرے کو بھی انجمن ترقیء اردو نے کتابخانۂ آصفیہ (حیدرآباد) کے واحد نسخے سے مرتب کرکے شائع کر دیا ہے۔

۹۔ تذکرۃالشعرا، قلمی۔

یہ میر علاءالدولہ اشرف علی خاں کا تالیف کردہ تذکرۂ شعرای فارسی ہے (۱)، جو خود مصنف کے بیان کے مطابق ۱۱۷۸ھ (۱۷۶۴ع) میں زیر تالیف تھا۔ ولایت کے حال میں لکھتا ہے:

«در حین تالیف تذکرہ، در سنۂ یکہزار و یک‌صد و ہفتاد و ہشت در سن ہفتاد و ہشت سالگی بعرض اسہال موصل بحق گردید (۵۳۳ الف)

میرزا عبدالرضا متین، متوفی ۱۱۷۴ھ (۶۱-۱۷۶۰ع)، کو لکھا ہے:
چہار سال پیش از تحریر تذکرہ بروضۂ رضوان خرامید (۳۵۷ الف)۔

اس سے بھی مذکورۂ بالا سنہ کی تائید ہوتی ہے۔ نیز حزیں کو میر شمس‌الدین فقیر کے ذکر میں «دام بقاءہ» کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ شیخ ۱۸ جمادی‌الاولی ۱۱۸۰ھ (اکتوبر ۱۷۶۶ع) کو فوت ہوے ہیں۔ لہذا اس تذکرے کو اون کی حیات میں تالیف ہونا چاہیے۔ ۱۱۷۸ھ میں وہ یقیناً زندہ تھے۔ اس لیے مذکورہ سنہ کی مزید تائید ہوجاتی ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک نسخہ محفوظ ہے، جو علی سرہندی کے حال سے نواب یحیی خاں کے ذکر تک ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شروع سے تقریباً نصف اور آخر سے چند اوراق کم ہونگے۔ نیز یہ مسودہ معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ عبارت مختلف معمولی خطوط میں متن اور حواشی دونوں جگہ لکھی ہوئی ہے۔ عنوانات جگہ جگہ سادہ چھوڑے گئے ہیں۔ ورق ۱۲۲ الف اور ۱۹۵ب پر دو تحریریں ہیں، جن کے آخر میں «مکین» درج ہے۔ یہ مرزا فاخر مکین کی تنقیدیں

(۱) میر علاؤالدولہ کے بیٹے، میر فخرالدین حسن، فخر تخلص، کے ذکر میں میر حسن نے بھی اس تذکرے کا ذکر کیا ہے۔

معلوم ہوتی ہیں۔ سودا کا کلیات دیکھنے والوں کو علم ہے کہ اس تذکرے پر مکین نے جو اصلاحیں دی تھیں، اون کی تردید میں سودا نے «عبرۃالغافلین» نامی رسالہ لکھا ہے چونکہ مولف تذکرہ اون اصلاحوں کے خلاف تھے، اس لیے ممکن نہ تھا کہ وہ صاف شدہ نسخے میں بھی اونھیں باقی رکھتے۔ اس بنا پر اغلب یہی ہے کہ زیرنظر نسخہ مسودہ ہو۔

۱۰۔ تذکرۂ شعرا (حسن)، قلمی۔

یہ تذکرہ ۳۰۴ اردوگو شاعروں کے حالات اور منتخب کلام پر مشتمل ہے، جسے میر حسن دهلوی، متوفی عشرۂ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ (۱۹ اکتوبر ۱۷۸۶ع)، نے فارسی زبان میں لکھا ہے۔ مخدومی نواب صدریار جنگ بہادر مطبوعہ نسخے کے مقدمے میں سال تصنیف کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

> «تذکرۂ ہذا میں میرصاحب نے جو فہرست اپنی تصانیف کی لکھی ہے، اس میں مثنوی رموزالعارفین ہے، گلزار ارم نہیں ہے۔ رموزالعارفین کا سال تصنیف سنہ ۱۱۸۸ھ ہے اور گلزار ارم کا سنہ ۱۱۹۲ھ۔ رموزالعارفین کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مشہور ہوچکی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ تذکرہ سنہ ۱۱۸۸ھ اور سنہ ۱۱۹۲ھ کے مابین لکھا گیا۔» (ص۲، طبع ثانی)

خود میرحسن نے خاتمۂ کتاب میں یہ لکھا ہے کہ «در تاریخ یکهزار و یکصد و نود و یك هجری باتمام رسید» (صفحہ ۲۰۸، طبع مذکور)۔ اس سے یہ قیاس کرنا بجا ہے کہ کتاب کی تالیف و ترتیب کا کام ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ختم ہو گیا تھا۔ البتہ بعد میں بھی مصنف نے اضافے کیے ہیں، جن میں سے ایك شاہ فصیح کی تاریخ وفات ہے، جو ۱۱۹۲ھ (۱۷۷۸ع) میں واقع ہوئی تھی۔

اب اس کے سال آغاز کا مسئلہ باقی رہتا ہے۔ کتاب کے مختلف مقامات سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ سب سے پہلے «رموز العارفین» مصنفۂ ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ع) کا ذکر ہے، جیسا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر نے ارشاد فرمایا ہے۔ اسکے ماسوا، احسن اور سودا کے حال میں لکھا ہے کہ یہ دونوں نواب شجاع الدولہ بہادر کی سرکار میں ملازم ہیں، جسکے یہ معنی ہیں کہ یہ حالات شجاع الدولہ کی زندگی میں لکھے گئے۔ شجاع الدولہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ (آخر جنوری ۱۷۷۵ع) کو فوت ہوے ہیں۔ لہذا یہ حالات اس تاریخ سے پہلے لکھے گئے ہونگے۔ اسی طرح نواب محمدیار خان بہادر، متوفی ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ، کو «خدا قائم دارد» لکھا ہے۔ گویا انکا ذکر بھی اس ماہ و سال سے پہلے لکھا ہے۔

اب یہ طے کرنا چاهیے کہ نواب شجاع الدولہ اور نواب محمدیار خان بہادر کے انتقال سے کتنا پہلے کام شروع کیا۔ میرزا مظہر کے بارے میں میر حسن لکھتے ہیں:

«الحال بطرف سنبھل مرادآباد استقامت دارد و همان جا وعظ می فرماید۔»

میرزا مظہر، علیه الرحمه، کے ایک خط میں اون کے سفر روهیلکھنڈ کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس خط کو شاہ نعیم اللہ بهڑائچی نے معمولات مظہریه (۱) میں نقل کیا ہے۔ میرزا صاحب اپنے مرید پیر علی کو لکھتے ہیں:

«آنچه از عالم تدبیر معاش نوشته اند، بجاست۔ اما فقیر را طاقت حرکت و دماغ سیر و سیاحت هرگز نمانده۔ برای پرداخت یاران طریقه که از اطراف هجوم کرده اند، آمده ام۔ بعد دو ماه بدهلی میروم که متعلقان آنجا هستند، و از هر طرف فتنه قصد دهلی می کند۔ باایں همه دنیاداران این حدود با فقیر معرفتی ندارند۔ عقیدت معلوم۔

(۱) معمولات مظهریه: ۱۱۳، نظامی کانپور، سنه ۱۲۷۵ھ

یاد ندارند که روز ملاقات این قصه را مفصل باشما گفته ام که خانسامان و بخشی، یعنی فتح خان و سردار خان، را در تمام عمر خود گاهی ندیده ام؛ و دوندے خان را، که ارادۂ ملاقات فقیر داشت، منع کردم که نیاید؛ و حافظ رحمت خان، که پیش فقیر حاضر شده بود، صحبت او با فقیر نادرست افتاد؛ و پسران علی‌محمد خان را هرگز نمی شناسم۔ ربط کجا و سفارش معلوم۔»

اس خط سے مقام کتابت پوری طرح متعین نہیں ہوتا۔ لیکن ایک اور خط، بنام میر محمد معین صاحب، میں فرمایا ھے :

«امروز، که دهم شوالست، بتقریب تعزیت حضرت خانصاحب، یعنی والد بزرگوار شما، که جامع هزاران مناقب بودند، و از انتقال ازین عالم داغی بیادگار گزاشتند که بس، در آنوله حاضرم، و بعد توقف سه شبانه روز فردا مراجعت به سنبهل خواهم نمود۔» (ایضاً : ۱۱۵)

ان دونوں خطوں کے پڑھنے سے ہم اس نتیجے تک پہنچ جاتے ھیں

که (الف) میرزا مظہر، رحمۃاللہ علیہ. کا یہ سفر نواب دوندے خان کی حیات میں واقع ھوا تھا، (ب) اوس زمانے میں چاروں طرف سے فتنہ و فساد دھلی کا رخ کر چکا تھا. اس لیے میرزا صاحب دو ماہ کے بعد اپنے متعلقین کی خبر گیری اور حفاظت کے خیال سے دھلی واپس جانا چاھتے تھے. (ج) اور ۸ سے ۱۰ شوال تک آنولے میں قیام کر کے گیارھویں تاریخ کو سنبھل کی طرف سفر کرنے کا قصد تھا۔

اخبار الصنادید میں نواب دوندیخان بہادر کی تاریخ وفات. ۳ محرم ۱۱۸۵ھ (۱۸ اپریل ۱۷۷۱ع) بتائی گئی ھے۔ لھذا میرزا صاحب کا سفر روھیل کھنڈ اس سنہ کے شروع ھونے سے قبل کا واقعہ قرار پاتا ھے.

جس فتنے کا میرزا صاحب نے اپنے مکتوب میں حوالہ دیا ھے. اوس سے مرھٹوں کی دلی پر چڑھائی مراد ھے۔ انھوں نے ۱۱۸۳ھ (۱۷۶۹ع) میں بہت بڑے لشکر کی صورت میں دریای چنبل عبور کرکے

دلی کا رخ کیا تھا، مگر نواب نجیب الدولہ بہادر نے فرخ آباد کی تسخیر کی طرف متوجہ کر دیا۔ آغاز ١١٨٤ھ (١٧٧٠ع) میں یہ مہم مرہٹوں نے شروع کر کے قلعۂ شکوہ آباد روھیلوں سے لینے کے بعد صلح کر لی۔ اسی سال غالباً رجب میں نواب نجیب الدولہ بہادر کا انتقال ہو گیا، اور مرہٹے دھلی کی طرف بڑھے۔ چنانچہ سنہ ١١٨٥ھ میں ضابطہ خاں دھلی چھوڑ کر چلے گئے، اور اس پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا۔ دھلی پر قبضہ کر کے مرہٹوں نے شاہ عالم کو الہ آباد سے بلا کر تخت نشین کیا، اور اب ضابطہ خاں پر یورش کر کے سکر تال میں اونہیں شکست دی۔

اس سے یہ قیاس کرنا بیجا نہیں کہ ١١٨٤ھ میں میرزا صاحب آنولے یا سنبھل میں تھے۔ چونکہ اونھوں نے ٨ سے ١٠ شوال تک آنولے میں قیام ظاھر کیا ھے، اور تقریباً اسی زمانے میں مرہٹوں نے فرخ آباد کی مہم سر کی ھے، اس لیے یہ سفر شوال ١١٨٤ھ (جنوری ١٧٧١ع) میں واقع ھونا چاھیے۔ اور اس زمانے میں اونکا یہ لکھنا درست ھے کہ فتنہ دھلی کا قصد کر رھا ھے، لہذا میں دو مہینے کے سفر کے بعد دھلی واپس جانا چاھتا ھوں۔

اب اگر میر حسن نے ان کے حالیہ سفر کا ذکر کیا ھے، تو اس حصے کی تالیف شوال ١١٨٤ھ یا اس کے قریب قریب ھونی چاھیے۔ اس کی تائید نعیم کے ذکر سے ھوتی ھے۔ میر حسن نے اوس کا حال اس انداز سے لکھا ھے، کہ ھمیں اوس کی زندگی کا یقین ھوتا ھے۔ مصحفی نے اپنے «تذکرۂ ھندی گویاں» (٨٥ ب) میں لکھا ھے کہ سکر تال کی لڑائی کے بعد نعیم کا انتقال ھوا۔ مولوی قدرت اللہ شوق نے «تکملة الشعرا» میں بتایا ھے کہ ١١٨٥ھ (١٧٧١ع) میں

رحلت کی ھے۔ چونکہ سکرتال کی جنگ بھی اسی سال کا واقعہ ھے، اس بنا پر ان دونوں بیانوں میں کوئی تناقض نہیں پایا جاتا، اور ھم یہ کہ سکتے ھیں کہ میر حسن نے اوس کا حال ۱۱۸۵ھ سے قبل لکھا ھے، جو بعید نہیں کہ ۱۱۸۴ھ ھی کا واقعہ ھو، جب کہ اوس نے میرزا مظہر کا حال لکھا تھا۔

مزید تائید میں میر حسن کے اوس جملے کو پیش کیا جا سکتا ھے، جو مصحفی کے بارے میں لکھا ھے، کہ «الحال در شاھجہان آباد بہ پیشۂ تجارت بسرمی‌برد» میری رائے یہ ھے کہ میر حسن نے جس زمانے میں یہ فقرہ لکھا ھے، مصحفی دلی سے نکل کر ٹانڈے، اور وہاں سے لکھنئو نہیں گئے تھے۔ اگر لکھنئو کا سفر اختیار کر چکے ھوتے، تو ناممکن تھا کہ مصنف اس کا ذکر نہ کرتا۔ مصحفی نے لکھنئو کا یہ سفر ۱۱۸۵ھ میں سکرتال کی جنگ کے بعد اختیار کیا تھا۔ اس بنا پر یقین ھے کہ ان کا حال بھی ۱۱۸۴ھ کے لگ بھگ لکھا گیا ھے۔ اسی سلسلے میں میر شمس الدین فقیر کے متعلق یہ فقرہ قابل توجہ ھے:

«در ینولا بطرف کربلاے معلی تشریف بردہ بود، ھمان جا بجوار رحمت ایزدی پیوست۔»

فقیر کا انتقال اس سفر سے واپسی پر ۱۱۸۳ھ (۱۷۶۹ع) میں ھوا ھے۔ «در ینولا» ایسے واقعے کے متعلق استعمال کیا جا سکتا ھے، جو حال ھی میں ظہور پذیر ھوا ھو۔ اگر یہ صحیح ھے، تو پھر ان کا حال بھی ۱۱۸۴ھ کے قریب لکھا ھوگا۔

ان دلائل کے پیش نظر میں یہ قیاس کرتا ھوں کہ میر حسن نے ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) میں یا اس سے کچھ پیشتر تذکرہ شروع کر کے ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ختم کر دیا تھا۔ بعد کے اضافوں میں صرف شاہ

فصیح کی تاریخ وفات ہے، جو سنہ ۱۱۹۲ھ میں واقع ہوئی تھی۔

اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔ اس میں جابجا سادہ صفحات یا دس دس پانچ پانچ سطروں کی بیاضیں پائی جاتی ہیں۔ نیز آخری حال دوسرے خط کا لکھا ہوا ہے، جس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ خود مصنف کا نسخہ ہے۔ کہیں کہیں مطبوعہ نسخے سے متن میں اختلاف بھی ہے۔ یہاں صرف مصحفی کے متعلق ایک جملے کے اختلاف کا ذکر مناسب ہوگا۔ مطبوعہ نسخے میں عبارت یوں ہے:

«از نجبای امروهه۔ مولدش اکبرپور که قصبه ایست متصل دهلی، وطن بزرگانش از قدیم۔ الحال در شاهجهان آباد به پیشۂ تجارت بسر می برد۔»

ہمارے قلمی نسخے میں یہ عبارت اس طرح ہے:

«از نجبای امروهه۔ مولدش اکبرپور که قصبه ایست متصل۔ الحال در شاهجهان آباد به پیشۂ تجارت بسر می برد»

مطبوعہ نسخے کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی جس اکبرپور نامی قصبے میں پیدا ہوا تھا، وہ دہلی کے متصل ہے۔ اور قلمی نسخہ اس کے برخلاف یہ بتاتا ہے کہ قصبۂ مذکور امروہے کے پاس واقع ہے۔ یو پی کے ڈسٹرکٹ گزیٹیر (ج ۱۶ ص ۱) میں قصبۂ اکبرپور کا ذکر امروہے کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور ہندوستان گزیٹیر میں دہلی کے قریب کسی اکبرپور نامی قصبے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ رامپور کے اس نسخے کی عبارت صحیح ہے اور مطبوعہ نسخے میں کاتبوں نے کتربیونت کر دی ہے۔

اس نسخے کے ۱۵۸ اوراق، خط عمدہ نستعلیق مگر کہیں کہیں غلط اور تمام صفحات مجدول ہیں۔

۱۱- جام جہان نما، قلمی۔

یہ مولوی قدرت اللہ شوق رامپوری، متوفی ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع)، کی تصنیف ہے، اور فارسی زبان میں عالم کی تاریخ ہے

خاتمۂ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں اس کی تالیف ہوئی تھی۔ مگر دھلی نیز روھیلوں کے حالات میں جابجا اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ چنانچہ دوسری جلد کے ورق ۷۳ب پر ۱۱۹۲ھ، ۷۱ب پر ۱۱۹۳ھ، ۷۵ب پر ۱۱۹۵ھ، ۷۶الف پر ۱۱۹۶ھ، ۷۸الف پر ۱۲۰۳ھ، ۸۲الف پر ۱۲۰۸ھ، ۸۷الف پر ۱۲۱۲ھ، ۸۸ب پر ۱۲۱۳ھ، ۹۰الف پر ۱۲۱۸ھ، ۹۴ب پر ۱۲۲۱ھ، اور ۹۵الف پر ۱۲۲۳ھ پائے جاتے ہیں۔ موخرالذکر کو شوق نے «اکنون» سے تعبیر کیا ہے۔

علاوہ ازیں، مولوی غلام طیب بہاری کو لکھا ہے کہ ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) میں رامپور کے اندر انتقال کیا۔ میر درد اور ملا حسن فرنگی محلی کی وفات ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) میں بتائی ہے۔

اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ہے۔ شیخ عبدالرحمن ولد شیخ نتھو، ساکن محلہ گوجر ٹولہ، نے ۱۲۷۰ھ (۵۴-۱۸۵۳ع) میں اسے رامپور میں لکھا ہے۔ جلدساز نے اس نسخے کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اوراق کی تعداد ۳۳۴ اور سائز درمیانی ہے۔ خط نستعلیق اور کتابت پر اغلاط ہے۔

۱۲- طبقات شعرا (طبقا) مطبوعہ۔

یہ شوق کا تذکرۂ شعرائے اردو ہے، جس کا خلاصہ علی گڑھ سے شائع ہو چکا ہے۔ اصل تذکرہ جناب میرزا فرحت اللہ بیگ صاحب انجمن ترقیء اردو کے لیے مرتب فرما رہے ہیں۔

شیخ چاند مرحوم نے سودا کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ اس

کا پہلا نسخہ سنہ ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ع) میں مرتب ھوا تھا، مصنف نے ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) میں نظر ثانی کر کے اسے تکمیل کو پہنچایا ھے۔

شوق نے «تکملة الشعرا» میں اسکا متعدد جگھوں پر جدا جدا ناموں سے ذکر کیا ھے۔ کہیں اس کا نام «تذکرۂ هندی»، کہیں «حقیقة الشعرا» اور کہیں «تذکرۂ طبقات شعرای هندی» لکھا ھے۔ چونکہ مطبوعہ نسخے میں موخرالذکر نام اختیار کیا گیا ھے، اس لیے میں نے بھی اسی کو عنوان میں درج کیا ھے۔

۱۳- تکملة الشعرا (تکمله)، قلمی۔

یہ شوق کا فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ھے۔ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کے ۲ قلمی نسخے ھیں۔ ایك ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) میں حافظ غلام محی الدین نے، صاحبزادہ مظفر علیخان بہادر کے لیے رامپور میں لکھا ھے۔ دوسرا مصنف کے دستخطی نسخے سے ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ع) میں چند کاتبوں نے نقل کیا، اور مالك کتاب محمد عبدالسلام الہاشمی نے ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ع) میں ربیع الاول کی ۱۱ تاریخ کو اس کا منقول عنه سے مقابلہ انجام کو پہنچایا ھے۔

اول الذکر نسخے کے دیباچے اور خاتمے میں اس کا نام «تکملة الشعرای جام جمشید»، اور دوسرے کے دیباچے میں «تکملة الشعرا و مخزن در» اور خاتمے میں «تذکرۂ تکملۂ جام جہان نما معروف به تذکرۂ مخزن در» لکھا ھے۔

کتاب میں سال تالیف مذکور نہیں۔ البته دیباچے میں مصنف نے یہ ظاہر کر دیا ھے کہ «جام جہان نما» سے فراغت کے بعد، بعض اعزا و احباب کی فرمائش سے اسے تصنیف کیا ھے۔ «جام جہان نما» ۱۱۹۱ھ

میں ختم ہوئی تھی، لہذا اسے اس سنہ کے بعد شروع ہونا چاہیے۔ چونکہ میرزا مظہر اور سودا، متوفی ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ع) کو متوفی اور میر تقی میر کو لکھنئو میں مقیم بتایا ہے، اور میر ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) کے قریب وہاں گئے ہیں، اس لیے قیاس یہ ہے کہ اسی سال میں اس کا آغاز ہوا۔

رهین کو، جو «عقد ثریا» کی ترتیب کے وقت (۱۱۹۹ھ) زندہ تھا، لکھا ہے کہ اس کے انتقال کو دو برس ہوے۔ خواجہ میر درد، متوفی ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) کے انتقال کو چند سال بتائے ہیں۔ بیدار، متوفی ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) کو زندہ لکھا ہے۔ قائم، متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) یا ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) کو کہتا ہے کہ چند سال پہلے فوت ہو گئے۔ شاہ عالم بادشاہ دھلی کو لکھا ہے کہ ۴۰ سال سے تخت دھلی پر متمکن ہیں۔ انھوں نے ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ع) میں تخت پر قدم رکھا ہے۔ اس حساب سے چالیسواں سال ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں ہونا چاہیے۔ حکیم عطاءاللہ غمین کو زندہ بتایا ہے، اور اونکا قطعۂ وفات چیری صاحب نقل کیا ہے، جس سے ۱۲۱۳ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ۱۲۱۳ھ کے بعد اس کی تکمیل ہوئی ہے۔

۱۴- گلشن سخن، قلمی۔

یہ میرزا کاظم، مخاطب بہ مردان علی خان لکھنوی، مبتلا تخلص، ابن محمد علیخان بہادر کی تصنیف اور اردو گو شاعروں کے حالات اور منتخب کلام پر مشتمل ہے۔

دیباچے میں مصنف نے «آج پھولا ہے سخن کا گلشن» مادۂ تاریخ لکھا ہے، جس سے ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ع) برآمد ہوتے ہیں۔ چونکہ

کتاب میں بھی جگہ جگہ یہی سنہ « اکنون » یا « الحال » کے ساتھ مذکور ہے، اور مصنف کا دعوی بھی ہے کہ کتاب تھوڑے عرصے میں تصنیف ہو گئی تھی، اس لیے یہ قیاس کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اسی ایک سال کے اندر کار تالیف سے مبتلا فارغ ہو گیا تھا۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰ سال کی عمر میں ایک دیوان فارسی اور اوسی زمانے میں فارسی گو شاعروں کا تذکرہ مسمی بہ «گلدستۂ معانی» بھی مبتلا نے لکھا تھا نشترعشق (۶۵۳ الف) میں اس تذکرے کا نام «نظم معانی» بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ سال تالیف کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ اس سے ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ع) مستخرج ہوتے ہیں، اس لیے بعید نہیں کہ مبتلا کی پیدایش ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ع) کے قریب ہوئی ہو۔ اگر یہ صحیح ہے، تو گلشن سخن کی تالیف کے وقت اوس کی عمر ۵۳ سال کی ہوگی۔

نتائج الافکار (ص۔ ۱۰۸) میں مبتلا کی وفات بارھویں صدی ھجری کے آخر میں بتائی ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ پایا جاتا ہے، جسے نہایت بدخط اور غلط نویس کاتب نے نقل کیا ہے۔ انجمن ترقیء اردو کے لیے اس نسخے کی نقل تیار کی گئی ہے۔ امید یہ ہے کہ انشاءاللہ اسے جلد چھاپا جائیگا۔

۱۵۔ گلزار ابراھیم (گلز)، قلمی۔

یہ نواب امین الدولہ علی ابراھیم خان بہادر نصیر جنگ، خلیل تخلص، کی تالیف ہے، جس میں ریختہ گو شاعروں کے حالات فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔

مصنف نے دیباچے میں سال اختتام ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۴ع) بتایا ہے۔ سال آغاز متعین نہیں ہے۔ لیکن میر سوز کے حال میں ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ع) کو سال حال بتایا ہے۔ اس لیے بعید نہیں کہ اسی سال اس کو شروع کیا ہو۔ خلیق کے ذکر میں ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) لکھا ہے۔ راجس، متخلص به مغموم (یا محیط) کے بیان میں لکھا ہے کہ «در سنۂ ۱۱۹۹ھ باراقم آثم در بنارس ملاقی شد» (۱۹۲ ب)۔ اس سے میں یہ قیاس کرتا ہوں کہ ۱۱۹۸ھ میں کتاب ختم کرنے کے بعد بھی خلیل نے اضافے کیے ہیں، جو ۱۱۹۹ھ کے بعد تك جاری رہے تھے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا جو نسخه ہے، اوس کے اوراق کی تعداد ۳۱۰ ہے، اور دو کاتبوں نے اوس کی کتابت کی ہے، جن میں سے ایك کا خط پخته نستعلیق ہے۔ اس نسخے میں متعدد مفید حواشی بھی نظر آتے ہیں، جو سب کے سب ایك ہی خط میں ہیں، اور اوس کاتب کے لکھے ہوے معلوم ہوتے ہیں. جس نے راجس کا حال ۱۶ سطروں میں اضافه کیا ہے۔ چونکه آخری اوراق بھی اوسی کے نوشته ہیں، اور اوس نے خاتمۂ کتاب میں لکھا ہے:

«تمام شد گلزار ابراهیم، تذکرہ تالیف نواب علی ابراهیم خان بهادر نصیرجنگ، جعل الله تعالی له الجنة»۔

اس لیے یه شبهه تو نہیں کیا جا سکتا که یه حواشی خود مصنف کے قلم کے ہونگے۔ البته یه گمان غالب ہے که جس نسخے سے ہمارا نسخه نقل کیا گیا ہے، وہ مصنف کا ترمیم کردہ آخری نسخه ہوگا۔

چونکه یه حواشی مفید ہیں، اسلیے یہاں اون کا نقل کرنا نامناسب نہیں۔

---

(۱) شاہ عالم بادشاہ دهلی، آفتاب تخلص، کے حال کے محاذ میں

حاشیے پر لکھا ہے:

«شاہ قدرت‌الله، قدرت تخلص، می گفتند که این هر دو اشعار، که نسبت به شاہ عالم بادشاہ می کنند، گفتۂ یکی از شاگردان منست، که در بلدۂ مرشدآباد بودہ» (۲ الف)۔

محولۂ بالا شعر یہ ہیں:

صبح تو جام سے گزرتی ہے شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے اب تو آرام سے گزرتی ہے

(۲) رضا قلی آشفتہ پر حاشیہ ہے:

«رضا قلی آشفتہ از تلامذۂ میر سوز است۔ و برادر مرزا بھوچو نامی، ذرہ تخلص، بودہ۔ بطرز میر سوز اشعار می گفت» (۱۸ ب)۔

(۳) احسن‌الله بیان پر حاشیہ ہے:

«چیچک‌نامۂ خواجہ احسن‌الله بیان، کہ‌نام بسیار جانوران دران درجست، مشہور است کہ مطلعش اینست:

میرزا فیضو کی چیچک مر گئی حوش خانے جگ کے ویران کر گئی
میرزا غمگیں ہوں، چھیاں شاد ہوں گھوسلے چڑیوں کے یوں آباد ہوں»
(۲۰ الف)

خود حاشیوں پر اور متن میں نئے اسماء یا اشعار کا اضافہ بھی کیا گیا ہے: چنانچہ

(۱) ورق ۵۶ الف پر حرف «ذال» کے شروع میں حاشیے پر یہ اضافہ پایا جاتا ہے:

«دائم تخلص، اسمش دائم‌خان، پسر فوجدار محمد خان و برادر خورد فوجدار قائم خان، کہ در عہد نواب وزیرالممالک شجاع‌الدولہ بہادر عز اقتدار داشت، و در وقت نواب آصف‌الدولہ بہادر بدار وغگی فیلخانۂ کلان معزز بود۔ و دائم مذکور بموزونیت طبیعت گاہی فکر شعر ریختہ می نمود، و در لکھنئو می گزراند۔ این چند بیت مرسل یادگار آن ستودہ‌اطوار درین تذکرہ نوکریز خامۂ ندرت نگار گشت۔»

اسکے بعد ۳ شعر اوسی صفحے پر اور ۴شعر ۵۶ ب پر «تتمۂ دائم» کے عنوان کے ماتحت درج کیے ھیں۔

(۲) راغب اور رفعت کے درمیان میں لاله جواهر سنگه، رام تخلص، کا اضافه کیا ھے، جو حسب ذیل ھے:

«رام تخلص، اسمش لاله جواهرسنگه کهتری‌نژاد، عرف مهره، مولدش لاهور، خلف لاله گنگابشن متخلص بعاجز، برادر خورد منشی رامجس متخلص به محیط، از منسلکان سرکار ممتازالدوله مستر جانسن بهادر بود. بعد ازان بعلاقهٔ داروغگی پرمٹ غازی پور بعنایت مستر دنگین صاحب ممتاز مانده. طبعی رسا و موزون دارد. این چند اشعار یادگار از وی درین تذکره ثبت افتاده.»

اس کے بعد ۷۶ اشعار نقل کیے ھیں۔

(۳) ورق ۱۴۷ ب کے حاشیے پر ایک نام کا اضافه ھے، جس کی عبارت یه ھے:

«عشق تخلص، نامش مر بادشاه. در اوائل عشق تخلص می کرد. بعد ازان حق تخلص قرارداد. مردی جری بود. در لکهنؤ در ایام هولی با سپاهیان پلٹن نواب آصف‌الدوله بهادر، که صدها کس بودند، از شنیدن حرف نا ملائم تنها در آویخته، چند کس را کشته و مجروح ساخته، خود هم آخرالامر زخمهای کاری برداشت، و بعد مدت صحت یافت. و از آنجا در بلدهٔ عظیم آباد و کلکته افتاده، در صحبت مرزا گهسیٹا عشق تخلص بسر می برد. پس ازان مائل دکن گشته، از دست پنڈارهای لشکر علی بهادر زخم بهالا برکله خورده، و یک کس از پنڈارها را بشمشیر از پا در آورده، در قصبهٔ سنی چهاره بسلامت رسید. و بعد چند روز بهمان زخم کله شربت مرگ چشیده، در تکیهٔ محمدشاه درویش مدفون گشت. چون طبعی موزون داشت، دیوان اشعار ریخته ترتیب داده، این چند شعر از زادهای طبع اوست»

اس کے بعد حاشیوں پر ان کے ۱۱ شعر نقل کیے ھیں۔ ورق ۵۶ ب

کے حاشیے پر بھی حق تخلص کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ مگر وہاں صرف ایک شعر لکھا ہے۔

(۴) عیش تخلص کے بعد حسب ذیل اضافہ متن میں کیا ہے:

«عاجز، نامش شیودیال ملقب بہ پرم ہنس، درویشی است در بلدۂ بنارس۔»

(۵) ورق ۱۶۱ کے حاشیوں پر فدوی لاہوری کے ۱۹ شعر اور درج ہیں۔ اسی طرح قدرت دہلوی کے اشعار بھی ۱۶۵ الف و ب اور ۱۶۶ الف پر تحریر ہیں۔ مجنوں کے ۱۵ شعر ۱۹۴ ب اور ۱۹۵ الف پر بڑھائے ہیں۔ واقف دہلوی کے ۱۷ شعر متن میں اور ۷ حاشیے پر مندرج ہیں۔

(۶) ولی پر حاشیہ ہے:

«کسی در وصف ولی گفتہ:

پیغمبر شاعران ہندی بوداست ولی بکشور ہند»

رامپور کے نسخے میں صانع بلگرامی، عجائب رای عاشق اور امیر خسرو کا ذکر نہیں ہے۔ نیز کمترین دہلوی کے حال سے کافر دہلوی تک کی عبارت کاتب نے سہواً ترک کر کے، اس طرح لکھا ہے:

«کمترین دہلوی، اسمش میرعلی نقی آہ۔»

مطبوعہ نسخے میں منشی رامجس کا تذکرہ مغموم تخلص کے ساتھ کیا گیا ہے، اور ۲۳ شعر انتخاب کیے ہیں۔ لیکن رامپور کے نسخے میں یہ حصہ دوبارہ تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے، اور انتخاب بہت طویل ہے۔ چنانچہ محیط تخلص کے ماتحت لکھا ہے:

«محیط تخلص، موسوم بہ رامجس کھتری نژاد عرف مہرہ خلف لالہ گنگا بشن متخلص عاجز، متوطن لاہور، مولدش دہلی۔ پیشتر مغموم (یہاں حاشیے پر نسخے کا نون لکھہ کر «یغم» تحریر کیا ہے) تخلص می کرد۔ الحال بہ تخلص محیط آشنا شدہ۔ از دل برشتگان سموم عشق

ومنسلکان سرکار ممتازالدوله مسٹر جانسن بهادر بوده است۔ در سنهٔ ۱۱۹۹ھ
با راقم آثم در بنارس ملاقی شد۔ بعد ازان بسر رشته‌داریء پرمٹ ضلع
بنارس مامور گشت۔ و اشعارش مدونست۔ و پنج مثنوی، که فی الحقیقت
«پنج گنج» است، موسوم به «خمسهٔ عشقیه» تصنیف کرده۔ مثنوی‌ء اول
هیر و رانجا مسمی به «محیط‌عشق»، و مثنوی‌ء دوم سسی و پنو موسوم
به «محیط‌درد»، وسیومی مثنوی مرزا صاحبان مسمی به «محیط‌غم»، و
چهارم مثنوی «حسن بخشی»، و پنجم مثنوی مادهو نل و کام کندن
مسمی به «حسن و عشق» است۔ و پنج مثنوی‌ء دیگردر تصوف‌دارد۔ یکی
از انجمله ترجمهٔ بهگوت گیتا مسمی به «محیط‌الحقائق»، و دویم مثنوی
ترجمهٔ بهگت مالا موسوم به «محیط‌الاسرار»، و سیومی مثنوی ترجمهٔ
پوتهی پربوده چندراودی ناٹك مسمی به «گلشن معرفت»، و چهارم
مثنوی ترجمهٔ جوگ باششٹ مسمی به «محیط معرفت»، و پنجم مثنوی
«محیط‌اعظم» ترجمهٔ پوتهی جنم ساکهی مشعر بر احوال گرو نانك
محل اول تا به گرو گوبندسنگه، محل دهم و برخی احوال ماهوداس
مخاطب به بنده، مصنفات دارد۔ و نیز نسخهٔ دیگر ترجمهٔ انوار سهیلی
عرف کلیله دمنه مسمی به «محیط دانش» تصنیف نموده، داد سخنوری
داده۔ برخی از اشعار آبدارش درین تذکره اثبات می یابد»

اس کے بعد غزلیات و مثنویات کے منتخب اشعار ورق ۱۹۸ الف سے شروع ہو کر ۲۹۶ ب پر ختم ہوتے ہیں۔

صاحب گلزار کی تاریخ وفات، ڈاکٹر اشپرنگر (ص ۱۸۰) اور بلوم ہارٹ نے جرأت کے اس مصرع تاریخ کی بنا پر: «لو، آہ، مٹا مطلع دیوان عدالت» ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) بتائی ہے۔ مخدومی مولوی عبدالحق صاحب نے بھی، گلشن ہند کے مقدمے میں اسی سنہ کو دہرایا ہے۔(۱) اگر یہ سنۂ وفات صحیح ہے، تو نسخۂ رامپور کے اس اضافے کو کسی مابعد

(۱) کتابخانۂ رامپور کے ۲ نسخوں میں خلیل کا قطعۂ تاریخ وفات پایا جاتا ہے۔ مگر وہ ناقص الالفاظ اور غلط ہے۔ الفاظ دونوں نسخوں میں یہ ہیں «تو آہ مطلع دیوان عدالت.»

کے شخص کی طرف منسوب کرنا پڑیگا، کیونکہ اس میں محیط الاسرار، محیط معرفت، اور محیط اعظم کے اقتباسات پائے جاتے ھیں، جو علی الترتیب ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ع)، ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) اور ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ع) کی تصنیف ھیں۔

چونکہ بالعموم متن کے اندر مصنف کے ماسوا کوئی شخص اضافے کرنے کی جرات نہیں کرتا، یا کم از کم میرے علم میں اس کی کوئی ایسی مثال نہیں ھے کہ مابعد کے کسی عالم نے اپنا نام ظاھر کیے بغیر ایسا کیا ھو، اس لیے میں مصنف کے ۱۲۰۸ھ میں فوت ھو جانے کی طرف سے مشتبہ ھو جاتا، اگر لطف نے گلشن ہند، مصنفۂ ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۱ع) میں علی ابراھیم خان کو مرحوم نہ لکھا ھوتا۔ چونکہ یہ تاریخ وفات یقینی معلوم ھوتی ھے، اس لیے مجھے اس اضافے کرنیوالے پر افسوس اور حیرت کا اظہار کرنا پڑتا ھے۔

گلزار ابراھیم کو انجمن ترقیٔ اردو نے شائع کر دیا ھے۔ اس نسخے میں ۳۲۰ شعرا کا ذکر ھے، جن میں سے ۳ کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے میں مذکور نہیں، اور ۲ شاعر نسخۂ رامپور کے متن میں اور ۲ حاشیوں پر ایسے مذکور ھیں، جن کے حال سے مطبوعہ نسخہ خالی ھے۔ اس حساب سے ۳۱۹ شاعر ھمارے نسخے کے متن میں مذکور ھوے ھیں، اور کل شعرا کی تعداد ۳۲۱ ھوتی ھے۔

۱۶- گلشن ہند (لطف) مطبوعہ۔

یہ میرزا علی لطف، متوفی ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ع)، کی تصنیف، اور گلزار ابراھیم کے ۶۸ شاعروں کے حالات کا ترجمہ مع اضافات ھے۔ اس کا اختتام، خود دیباچے کے مطابق ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۱ع) میں ھوا ھے۔ مگر مکرمی قاضی عبدالودود صاحب (پٹنہ) کا خیال ھے کہ حصۂ نظم میں اس

سال کے بعد بھی اضافے معلوم ہوتے ہیں۔

یہ تذکرہ اولاً ۱۹۰۶ع میں مولوی عبداللہ خان کے اہتمام سے جداگانہ اور بعد ازاں ۱۹۳۴ع (۱۳۵۲ھ) میں انجمن ترقیءاردو کی طرف سے گلزار ابراھیم کیساتھہ چھپ کر شائع ھوچکا ھے۔

۱۷- عقد ثریا (عقد) قلمی۔

یہ شیخ غلام ھمدانی مصحفی، متوفی ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ع)، کا مرتب کیا ھوا فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ھے، جسے دیباچے کے بیان کے مطابق مصنف نے ۱۱۹۹ھ (۸۵-۱۷۸۴ع) میں ختم کیا تھا لیکن خواجہ میر درد، متوفی ۱۱۹۹ھ، کو لکھا ھے کہ ان کے انتقال کو چند سال ھوئے۔ بیخبر بلگرامی کو لکھا ھے کہ ۱۲۰۲ھ (۸۸-۱۷۸۷ع) میں دھلی کے اندر فوت ھوئے، اور فصیح کا حال ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ع) میں داخل تذکرہ کیا ھے۔

محمدعلی فروغ کو لکھا ھے کہ اس نے چند سال قبل بنارس میں وفات پائی۔ نشتر عشق اور روز روشن (ص ۵۲۱) میں اس کا سال ولادت ۱۱۴۰ھ (۱۷۲۷ع) لکھا ھے. اور موخرالذکر میں ستر سال کی عمر میں وفات بتائی ھے. جسکا مطلب یہ ھےکہ فروغ نے ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) میں انتقال کیا تھا۔ اگر یہ صحیح ھے، تو اس کا حال بھی ۱۲۱۲ھ یا اسکے بعد لکھا گیا ھوگا۔ کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے میں کرپا دیال مضطر کے حال میں ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) مذکور ھے۔ اس بنا پر قیاس کیا جاتا ھے کہ مصحفی نے بعد میں بھی اضافے کیے ھیں۔

مصنف نے اس کے آغاز کی طرف کوئی کھلا ھوا اشارہ نہیں کیا۔ مگر کتاب کے پراگندہ ٹکڑے جمع کرنے سے سال آغاز کا تخمینی

اندازہ بھی لگایا جا سکتا ھے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے دیباچے کے اس بیان پر غور کرنا چاھیے کہ:

«تا آنکہ مرزا محمد حسن، قتیل تخلص، .. از ساحت اشکر نواب ذوالفقارالدولہ بہادر بہ شاھجہان آباد گزر افگندہ فسون تالیف تذکرۂ معاصرین بگوشم دمیدہ، اسامیٔ چند از انہا بقلم تحریر من در آوردہ، مسودۂ احوال بعضی را بریاض مختصری بدست من نو یسانیدہ، یاد آوردن یاران و دوستان بیادم داد ... در ایام دوریٔ آن آشنای صادق ... چون شمع می سوختم .. و مسودۂ سرگزشت ہر یك را از مردہ و زندہ بر پارۂ کاغذ می نگاشتم»۔ (ورق ۱ ب)

اس سے صاف طور پر ظاھر ھے کہ مصحفی نے قتیل کے ورود دھلی کے زمانے میں نہ صرف خود اونھیں کی فرمائش سے اس کام کو شروع کیا۔ بلکہ دو چار شاعروں کے حالات اون کی زبانی نوٹ بھی کیے۔ اب یہ دیکھنا ھے کہ قتیل کس زمانے میں دھلی آئے۔ یہ تو خود مصحفی نے بتا دیا ھے کہ یہ نواب ذوالفقارالدولہ مرزا نجف خان بہادر کے لشکر سے آئے تھے، جسکا مصحفی کے دوسرے بیان کے مطابق شاھدرے کے قریب دھلی کے باھر پڑاؤ تھا (ص ۴۰ - مطبوعہ)۔ مسٹر بیل نے، مفتاح التواریخ (ص ۳۵۹) میں لکھا ھے کہ نجف خان ۳ ھزار سوار اور پیادوں کی جمیعت کے ساتھ شاہ عالم کی ملازمت میں داخل ھوا، اور ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ع) میں بادشاہ کے ھمراہ دھلی آیا۔ اس عرصے میں بہت سے کارھای نمایاں انجام دینے کے صلے میں «ذوالفقارالدولہ نواب نجف خان بہادر غالب جنگ» خطاب اور اسکے بعد عہدۂ امیرالامرائی سے معزز و مفتخر ھوا، اور ۸ جمادی الآخر ۱۱۹۶ھ (اپریل ۱۷۸۲ع)

کو فوت ہو گیا۔

نشترعشق (۴۸ب و بعد) میں لکھا ہے کہ قتیل ۱۱۷۲ھ (۵۸-۱۷۵۷ع) میں پیدا ہوئے، ۱۴ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا، اور دو برس تک اسلام کو مخفی رکھ کے، سترھویں سال کی عمر میں اس کا اظہار کردیا۔ اس کے بعد اعزا و اقربا سے کنارہ کش ہوکر «در اطراف شاهجهان‌آباد بلشکر ذوالفقارالدوله نواب نجف خان مرحوم می گشت.»

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انکے نواب نجف خان کے لشکر میں گشت لگانے کا آغاز ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ع) میں ہوا۔

آگے چل کر نشتر عشق میں لکھا ہے کہ «الحال از عرصۂ سی و شش سال بلکھنئو تشریف می دارد»۔ یہ مدت مصنف نشتر عشق نے ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۸ع)میں ان کا حال لکھتے ہوئے تحریر کی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ع) یا ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) میں قتیل لکھنئو آئے تھے، اور سابق ولاحق نتائج کو ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۱۱۸۹ اور ۱۱۹۷ھ کے مابین یہ ایک مشہور شاعر و فاضل کی حیثیت سے مذکورۂ بالا لشکر میں بودو باش رکھتے رہے تھے۔ چونکہ مصحفی نے ان کی فرمایش سے تذکرہ شروع کیا ہے، لہذا اس کا آغاز ان دونوں سنوں کے درمیان کے کسی سال میں ہونا چاہیے۔

نواب صمصام‌الملک میر عبدالحی خان صارم تخلص کے متعلق لکھا ہے کہ «حالا از سرکار نواب آصفجاه ثانی بخطاب صمصام‌الملک و دیوانیٔ دکن بلندرتبگی دارد»۔ نتائج الافکار (ص ۲۶۶) میں ان کی رحلت بارھویں صدی کے آخر میں، اور محبوب‌الزمن (۲-۶۰۶) میں ۱۰ جمادی‌الاولی ۱۱۹۶ھ تحریر ہے۔ مصحفی نے ان کا حال زندگی میں لکھا ہے، لہذا اس

ماہ و سال سے قبل کا مکتوبہ ہونا چاہیے۔

شیخ ظہورالدین حاتم کے بارے میں کہتا ہے:

«بقولش تاریخ تولدش صرف «ظہور» باشد۔ از خاك پاك شاہجہان آباد است۔ ہشتاد و سہ سال عمر دارد»۔

لفظ ظہور کے مطابق شاہ حاتم کا سال پیدایش ۱۱۱۱ھ (۱۶۹۹ع) ہے، لہذا ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ع) میں ان کی عمر ۸۳ سال کی ہونا چاہیے۔ چونکہ مصحفی نے سال پیدایش جانتے ہوے یہ عمر لکھی ہے، اس بنا پر ہم اسے محض اندازہ نہیں کہ سکیں گے، اور اس حلت میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہونگے کہ ۱۱۹۴ھ یا ۱۱۹۵ھ میں اوس نے حاتم کا حال لکھا ہے۔

تقریباً اسی سال لطف علی بیگ آذر کا حال بھی لکھا ہے۔ کیونکہ ایك تو اوس کے تذکرے «آتشکدہ» کا ذکر نہیں کیا ہے، جو برٹش میوزیم کے نسخے کے مطابق ۱۱۹۳ھ (۱۷۷۹ع) کے قریب ختم ہوا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس میں مصحفی نے اوس کی عمر ۶۰ برس کے قریب بتائی ہے، اور بقید حیات لکھا ہے۔ خان بہادر عبدالمقتدر نے آتشکدہ پر نوٹ لکھتے ہوے تحریر کیا ہے کہ آذر ۱۱۳۴ھ (۱۷۲۱-۲۲ع) میں پیدا ہوا تھا۔ اس حساب سے ۱۱۹۴ھ میں اوس کی عمر ۶۰ برس کی ہونا چاہیے، اور یہی سال اوس کے داخل تذکرہ ہونے کا قرار دینا مناسب ہوگا۔

چونکہ مصحفی نے میرزا جانجاناں مظہر، متوفی محرم ۱۱۹۵ھ، کا حال اون کی وفات پر لکھا ہے، اس بنا پر گزشتہ دلائل کو سامنے رکھنے کے بعد بالکل یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۱۹۵ھ اور

۱۱۹۹ھ کے درمیان کی یہ تالیف ہے، جس میں ۱۲۱۳ھ تک مصنف نے اضافے کیے ہیں۔

انجمن ترقیءاردو نے اسے شائع کر دیا ہے، مگر کوئی سطر غلطی سے پاک نہیں ہے کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے، جو ۱۲۵۵ھ (۱۸۴۲ع) میں سید سلامت علی بلگرامی اور سید اکبر علی خیرآبادی نے اوسط سائز کے ۱۰۴ ورقوں پر نقل کیا ہے۔ اس میں ہر شاعر کے کلام کا انتخاب بھی مندرج ہے، جو نسخۂ مطبوعہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

۱۸۔ تذکرۂ ہندی گویان (تذکرہ) قلمی۔

یہ مصحفی کا پہلا اردوگو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے مصنف نے «عقد ثریا» کے بعد فارسی زبان میں لکھا ہے۔ خاتمے میں تحریر کیا ہے کہ ۱۲۰۹ھ (۹۵-۱۷۹۴ع) میں اسکی ترتیب سے فراغت ہوئی۔ مگر یہ جملہ «فرصت را غنیمت شمردہ، مسودۂ مغشوش این تذکرہ را، کہ از چند سال بطاق نسیان افتادہ بود، صاف نمودہ درست ساختہ»۔ خود اشارہ کرتا ہے کہ کتاب ۱۲۰۹ھ سے قبل تمام ہوچکی تھی، اس سنہ میں صرف مسودہ صاف کرکے شائع کیا گیا ہے۔

کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۶ع) کے قریب ہوا ہے؛ کیونکہ مصنف نے دیباچے میں صراحت کردی ہے کہ فارسی تذکرے سے فارغ ہوکر یہ کام شروع کیا اور یہ تذکرہ ۱۱۹۹ھ میں ختم ہوا تھا، لہذا اسی سال یا آئندہ سال اردو تذکرے پر کام شروع کرنا چاہیے۔

شاہ حاتم، متوفی ۱۱۹۷ھ، کو لکھا ہے کہ «دو سہ سالست کہ در شاہجہان آباد ودیعت حیات سپردہ»۔ خواجہ میر درد، متوفی ۲۴ صفر

۱۱۹۹ھ (جنوری ۱۷۸۵ع) کے بارے میں کہتا ہے کہ «یك سالست کہ درد مہجوریش شفا یافتہ»۔ میر حسن، متوفی عشرۂ محرم ۱۲۰۱ھ (۱۹ اکتوبر ۱۷۸۶ع)، کو احقر اور خاکسار کے حال میں الفاظ «سلمہ اللہ تعالی» سے یاد کیا ہے۔

ان اقتباسوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صفر ۱۲۰۰ھ (دسمبر ۱۷۸۵ع) میں یا اس کے لگ بھگ اس تذکرے کا کام شروع کیا جاچکا تھا۔

تذکرے کے دوسرے بعض ٹکڑوں سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۰۹ھ کے بعد بھی اس میں اضافے کیے گئے ہیں۔ چنانچہ راجہ جسونت سنگھ پروانہ تخلص کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کے فارسی اشعار مرزا قتیل کی معرفت دھلی میں میرے پاس پہنچے تھے، جنھیں میں نے تذکرۂ اول میں داخل کر لیا تھا۔ جب دھلی سے لکھنئو وارد ہوا، تو یہ بڑے تپاک سے ملے، اور اگرچہ میر حسن، میر تقی میر اور بقا کے معتقد تھے، مگر فقیر سے ملاقات کے بعد کلی طور پر ادھر رجوع ہو گئے، اور بڑے انہماك اور توجہ سے اردوگوئی شروع کی۔ اب کہ دس بارہ سال کی مشق ہے، بہت پختہ‌گو ہو گئے ہیں۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی نے لکھنئو آنے کے دس بارہ برس بعد یہ عبارت لکھی ہے۔ خود انھیں نے ریاض‌الفصحا میں محمد حیات بیتاب کے ذیل میں لکھا ہے:

> «در ایامی کہ فقیر ہمراہ غلام علی خان ولد بھکاری خان، کہ مشارالیہ از پیشگاہ خلافت جہانبانی، خلعت نوازش شاہانہ برای بندگان عالی وزیرالممالك نواب آصف‌الدولہ بہادر و سر ہشٹن گورنر بہادر آوردہ بود، در سنۂ یکہزار و یکصد و نود و ہشت صعوبت سفر کشیدہ از شاہجہان آباد در لکھنئو رسیدہ۔»

اب اگر ان کے سال آمد ۱۱۹۸ھ (۸۴-۱۷۸۳ع) پر ۱۲ برس بڑھائے جائیں، تو ۱۲۱۰ھ (۹۶-۱۷۹۵ع) حاصل جمع ہوگا۔ اسپر معترض کہ سکتا ہے کہ یہ تخمینہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ دس برس کے لحاظ سے ۱۲۰۸ھ میں یا اس کے ایک سال بعد ۱۲۰۹ھ میں یہ ٹکڑا لکھا ہو، اور اسے تخمیناً ۱۲۱۰ برس کہدیا ہو۔ مگر ہمیں قسمت کے ذکر میں میاں جعفر علی حسرت کے متعلق ایک ایسا جملہ ملتا ہے، جو ہمارے مدعا کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ مصحفی کہتا ہے کہ قسمت:

«اصلاح شعر از میان جعفرعلی حسرت می گرفتند۔ و در حین حیات او با فقیر هم از ته دل اعتقادی و رجوعی داشتند۔ حالا که حسرت نمانده، بالکل خیال مشوره بفقیر دارند۔»

حسرت نے ۱۲۱۰ھ (۹۶-۱۷۹۵ع) میں رحلت کی ہے۔ لہذا اس حصے کو اسی سنہ یا اس کے کچھہ بعد کا ہونا لازم ہے۔

نواب الہی بخش خان معروف کے حال میں مصحفی نے صاف اعتراف کر لیا ہے کہ:

«در ایامی که فقیر تذکره باتمام رسانیده، از شاهجهان آباد بلکهنئو گزر افگنده۔ بشاگردیء میان نصیر نازش دارد۔»

کتبخانۂ عالیۂ رامپور میں اس تذکرے کا جو قلمی نسخہ ہے، وہ سید محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن، کا مکتوبہ ہے۔ کاتب مذکور خاتمے میں لکھتے ہیں:

«یہ تذکرہ جلد اول میاں مصحفی مرحوم کا، کہ مدت سے کاتب الحروف کو اسکی تلاش تھی، توجہ جناب فیض مآب، نواب عاشور علیخان صاحب بہادر، دام اقبالہ، سے نواب حسن علی خان بہادر کے کتب خانے سے، کہ مہر بھی نواب ممدوح کی اوس پر ہے، اور ایسا نسخہ کہ میانصاحب کے شاگرد منشی ظہور محمد ظہور کے ہاتھہ کا لکھا ہوا

تھا، دستیاب ہوا۔ کاتب الحروف سید محسن علی محسن، مولف تذکرۂ سراپا سخن، نے نقل اس کی بے کم و کاست لکھی۔ بتاریخ سیوم شہر رجب سنہ ۱۲۷۱ھ کو فضل الہی سے تمام ہوا۔

مکرر۔ ایک روز حضور میں نواب صاحب کے یہ عاجز حاضر ہوا۔ فرمایا کہ یہ تذکرہ میاں مصحفی نے خود بھائی صاحب کو دیا تھا۔ فقط۔»

اس نسخے میں ۷۲ ورق اور ملحقہ فہرست کی رو سے ۱۹۲ (۱) شاعروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کتابت میں غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں، جو محسن جیسے پڑھے لکھے کاتب سے بعید معلوم ہوتی ہیں۔

انجمن ترقیء اردو نے جو نسخہ شائع کیا ہے، اوس میں ۱۹۳ شاعروں کا ذکر ہے۔

۱۹- ریاض الفصحا (ریاض) قلمی۔

یہ مصحفی کا دوسرا تذکرہ ہے، جس میں ۲۶۴ اردو گو شاعروں کے حالات فارسی زبان میں درج ہیں۔ حسب تصریح دیباچہ، لالہ چنی لال حریف کی فرمایش پر ۱۲۲۱ھ میں اس کا آغاز، اور بنابر خاتمہ، ۱۲۳۶ھ (۱۸۰۶ع) میں اتمام ہوا ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا جو نسخہ محفوظ ہے، اوس کے سر ورق پر تاریخ آغاز کتابت، غرۂ محرم سنہ ۱۲۷۰ھجری روز چہار شنبہ اور تاریخ اتمام کتابت، ۲۷ محرم ۱۲۷۰ھ (اکتوبر ۱۸۵۳ع) درج

(۱) ڈاکٹر اشپرنگر نے اپنی فہرست (ص ۱۸۳) میں لکھا ہے کہ مصحفی نے اس تذکرے میں ۳۵۰ ریختہ گویوں کے حالات لکھے ہیں۔ اشپرنگر کے نسخے کا سائز اوسط، صفحات کی تعداد تقریباً ۴۰۰ اور فی صفحہ ۱۴ سطرین تھیں۔ اس تعداد اوراق اور تعداد شعرا کے پیش نظر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ اشپرنگر نے ریاض الفصحا کو تذکرۂ ہندی خیال کر لیا تھا، جس کے مطبوعہ نسخے میں ۳۲۱ شعرا کا ذکر ہے۔

ہے۔ خط کی روش نیز مندرجۂ ذیل تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی محسن کے قلم کا نوشتہ ہے۔ مذکورہ تحریر ورق ۱۰ الف کے حاشیے پر پائی جاتی ہے، اور اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

«کاتب‌الحروف محسن علی نے اشعار فارسی کسی کے نہیں لکھے، کہ غرض اشعار ہندی سے ہے۔ دو تین جا پر جو لکھہ دیے ہیں، فقط واسطے نشان اور پتے کے ہیں۔»

اس بیان میں کاتب نے صرف فارسی اشعار کرادینے کا اقرار کیا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس میں مطبوعہ کے مقابلے میں اردو اشعار بھی بہت سے ساقط ہیں۔

اس نسخے کا سائز اوسط، اور تعداد اوراق ۵۵ ہے۔ متعدد جگہ حاشیوں پر بھی شعرا کے حالات نقل کیے ہیں، جو سہو کتابت کی تلافی ہے۔

اس نسخے میں جابجا صفحات کے حصے سادہ چھوڑے گئے ہیں، جو یا تو منقول عنہ میں جان بوجھہ کر سادہ رکھے گئے ہونگے، اور یا اوسکے ناقص ہونے کے باعث سے کاتب نے آیندہ تکمیل کے خیال سے بیاضیں رکھی ہیں۔ بصورت اول بعید نہیں کہ وہ خود مصحفی کا مسودہ ہو۔ چونکہ اس عبارت کے اندر مطبوعہ کے مقابلے میں جگہ جگہ الفاظ، فقرے اور جملے بدلے ہوے ہیں، اس بنا پر یہ امکان حدیقین تک جا پہنچتا ہے۔

انجمن ترقی‌اردو نے ۱۹۳۴ع میں اسے شائع کیا ہے۔ اس میں ۳۲۱ شاعروں کا ذکر ہے، اور یہ اوس نسخے کی نقل ہے، جسے رمضان بیگ طپاں نے ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ع) میں لکھا تھا۔ چونکہ اس نسخ کے بہت سے شاعر، رامپوری نسخے میں مذکور نہیں ہیں، اور نسخۂ

رامپور کے اندر مذکورہ بعض شعرا کے ذکر سے یہ مطبوعہ نسخہ خالی ہے۔ اسلیے میری دانست میں نسخۂ رامپور مسودۂ اول کی نقل ہے، جس کے متعدد شعرا کو مصحفی نے نظر ثانی کے وقت خارج کر دیا ہوگا۔

۲۰- مجموعۂ نغز (نغز) مطبوعہ

یہ حکیم قدرت اللہ قاسم، متوفی ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ع) (۱)، کا تذکرہ ہے، جسے خاتمۂ کتاب کی تصریح کے مطابق مصنف نے فارسی زبان میں ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ع) میں لکھا ہے۔ مطبوعہ نسخے کی رو سے اس میں ۶۹۳ اردوگو شاعروں کے حالات مذکور ہیں۔

کتاب میں بعض قرینے ایسے ہیں، جن کی مدد سے اسکے آغاز کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً بقا کے ذکر میں حالیہ صیغے استعمال کیے ہیں، جسکا مطلب یہ ہے کہ بقا کی زندگی میں اوس کا حال لکھا ہے۔ بقا کا سال وفات ۱۲۰۶ھ (۱۷۹۱ع) ہے، لہذا اس سنہ سے پہلے آغاز تالیف ہونا چاهیے۔ میر حسن، متوفی ۱۲۰۱ھ، کو هر جگہ مرحوم لکھا ہے، لہذا اس سنہ کے بعد کام شروع ہونا چاهیے۔ گویا ۱۲۰۱ھ اور ۱۲۰۶ھ کے درمیان مصنف نے کام شروع کیا ہے۔

مولانا محمود خانصاحب شیرانی نے اس تذکرے کو مرتب کر کے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۳۳ع میں شائع کیا ہے۔

۲۱- مخزن الغرائب، قلمی۔

یہ ۳۱۴۸ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے فارسی زبان میں

(۱) سخن شعرا (ص ۳۶۹) اور شمیم سخن (ص ۱۸۵) میں یہی سال تحریر ہے۔ گلدستۂ نازنینان (ص ۲۷۲) میں، جو ۱۲۶۰ اور ۱۲۶۱ھ کے درمیان لکھی گئی ہے، تحریر ہے کہ ان کی وفات کو یہ پندرھواں سال ہے۔ اس سے بھی مذکورۂ بالا سال ہی کی تائید ہوتی ہے۔

شیخ احمد علی خادم سندیلوی نے مرتب کیا ھے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ھے کہ ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) میں مصنف کو اس کی ترتیب و تالیف سے فراغت ہوئی ھے۔ اشپرنگر نے اپنی فہرست (ص ۱۴۶) میں لکھا ھے کہ یہ تذکرہ نواب صفدر جنگ (متوفی ۱۱۶۷ھ) کے نام معنون ھے، اس لیے اس کا اختتام اس سنہ سے قبل عمل میں آیا ہوگا۔ مگر ڈاکٹر ایتھے نے، فہرست کتابخانۂ باڈلین (نمبر ۳۹۵ کالم ۳۱۶) میں اس کو غلط فہمی پر محمول کیا ھے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کی جلد اول کے دو نسخے ھیں، مگر دونوں ناتمام ھیں، اس بنا پر اس کے آغاز وانجام وغیرہ کے بارے میں کچھ کہنا دشوار ھے۔ البتہ حرمان کے حال میں (۱۳۸ ب) نیز غلام فخرالدین خان حیرت کے ذکر میں (۱۳۹ الف) ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ع) کو سال رواں بتایا ھے۔ ایتھے نے ایک دو اور مقامات پر بھی اسی سال کا حوالہ دیکھا ھے۔

اشپرنگر نے اپنے نسخے کے شعرا کی تعداد تخمیناً لکھی ھے، جو خود اوس کے الفاظ میں ۳۰۶۱ سے کم نہیں۔ اس سے بھی مذکورۂ بالا تعداد کی، جو عبدالمقتدر مرحوم اور ایتھے نے بیان کی ھے، ایک حد تک تائید ہوتی ھے۔

مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتاب خانے میں اسکا مکمل نسخہ موجود ھے۔ (۱)

۲۲- نشترِعشق، قلمی۔

یہ ۱۴۷۰ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ھے، جسے حسین قلی

---

(۱) مصنف کے حال اور کتاب کے دوسرے نسخوں کے لیے ملاحظہ ہو فہرست کتابخانۂ بانکی پور، جلد ۸، صفحہ ۱۵۳۔

خان عاشقی عظیم آبادی نے فارسی زبان میں مرتب کیا ہے۔ دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو آغاز شباب سے چیدہ اشعار جمع کرنے کا شوق تھا۔ رفتہ رفتہ ۲ ہزار اشعار کی ایک بیاض اوس نے مرتب کر لی۔ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) میں کول (علی گڑھ) کی چھانونی میں مصنف کا ورود ہوا اور میر محمد جعفر بریلوی، مسیح تخلص، سے ملاقات ہوئی۔ ایک دن اونھوں نے واله داغستانی کے تذکرۂ «ریاض الشعرا» کا ذکر کیا۔ مصنف نے اون سے مستعار لیکر اس تذکرے کا مطالعہ کیا، تو اندازہ ہوا کہ اس میں رطب و یابس بہت ہے، نیز عاشقانہ کلام کا انتخاب بھی اچھا نہیں۔ یہاں سے خود اوسے تذکرہ مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور اس مقصد کے حصول کی خاطر تاریخ و تذکرے کی کتابیں اور دواوین شعرا جمع کرنا شروع کر دیے:

«القصه در سنۂ یکهزار و دو صد و بست و چهار هجری به تسوید این روضۂ دلکشا مصروف گردیده، تا نشترالعین المعجه بقید تحریر در آورده بود که تقرر علاقۂ روزگار و کثرت کار مرجوعه، که مفصل بیان آن خارج از حمل بیاقست، تا هشت سال ازین خیال باز داشت، و این اراده در توقف و التوا افتاد. بعد انقضای مدت مذکور، در سنۂ یك هزار و دو صد و سی و سه هجری باوجود موانع و کم فرصتی باز متوجه و مصروف نگارش گردیده باختتام رسانید ...

هنگام تحریر سابق در سنۂ صدر «نشتر رگ جان» مادهٔ تاریخ یافته بود۔ و الحال این تاریخهای نظم و نثر صوری و معنوی بهم رسانیده۔ تاریخ۔

«جمله یکهزار و چار صد و هفتاد اسامی» (ایضاً) «در سال یکهزار و دو صد و سی و سه حوالۂ قلم کرد۔» قطعه:

در سیزده ماه رجب، روز سه شنبه، وقت شب : چون گشت ختم این نسخۂ جامع کمال عاشقی
گفتا زبانم شکر حق، بالید تن، جان تازه شد : دل گفت سال ختم او «عالی خیال عاشقی»

اس کے بعد خاتمۂ کتاب میں لکھتا ہے:

«در سنۂ یکہزار و دو صد و سی و سہ ہنگام تحصیلداری چکلۂ سکندرآباد متعلقۂ ضلع علی گڑھ صورت اتمام پزیرفت۔»

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ کتاب ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع) اور ۱۲۳۳ھ (۱۸-۱۸۱۷ع) کے درمیان لکھی گئی ہے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا جو نسخہ محفوظ ہے، وہ اوسط سائز کے ۱۵ سطری مسطر کے ۷۸۹ ورقوں پر بخط نستعلیق لکھا گیا ہے۔ خاتمے میں کاتب لکھتا ہے:

«تمام شد تذکرۂ نشترالعشق، من تالیف جناب فیض مآب، حسین قلی خان صاحب، دام اقباله، متخلص بعاشقی، بتاریخ هفتم شهر ربیع الثانی سنۂ ۱۲۳۶ هجری، روز جمعه، از قلم شکسته رقم عاصی پر معاصی، خوشه چین خرمن جود و نوال و سخنوری و نکته دانی جناب ممدوح، مخدوم بخش متخلص به مروت، ساکن قصبۂ برن عرف بلند شهر، عفی الله عنه، بمقام خورجه متعلقه ضلع علی گڑھ۔»

گویا یہ نسخہ مصنف کی زندگی میں، تصنیف سے ۲ برس ۸ مہینے ۲۴ دن بعد خورجہ میں مصنف کے شاگرد نے لکھا ہے۔

جیسا کہ کاتب نے خود بھی لکھا ہے، وہ شاعر ہے، اور مروت تخلص کرتا ہے اس کے لکھے ہوئے فارسی قطعات تاریخ اس کتاب کے اوراق ۱۷ الف، ۷۸ الف، ۱۲۲ ب، ۱۶۰ الف، ۱۹۰ الف، ۳۶۳ ب، ۴۴۵ ب، ۴۸۵ ب، ۴۹۴ ب، ۵۴۷ الف، ۵۶۵ ب، ۵۷۴ ب، ۵۸۴ ب، ۵۹۶ الف، ۶۰۰ ب، ۶۰۱ ب، ۶۰۳ ب، ۶۰۵ ب، ۶۱۴ الف، ۶۳۹ الف، ۶۵۱ الف، ۶۸۶ الف، ۶۹۲ الف، ۷۰۹ ب، ۷۲۰ الف، ۷۲۱ الف، ۷۲۲ ب، ۷۴۲ الف اور ۷۸۶ ب پر پائے جاتے ہیں۔

ان میں سے اول الذکر قطعے کے ساتھ کاتب نے «مخدوم بخش مروت

محرر تذکرۂ هذا» لکھ بھی دیا تھا، مگر تصحیح کے وقت یہ فقرہ قلمزد کر دیا گیا ھے۔ بہر حال یہ امر حد یقین کو پہنچ جاتا ھے کہ اس نسخے کا کاتب وھی مروت ھے، جس کے قطعات تاریخیہ خود کتاب میں جابجا ملتے ھیں۔

نسخے کے متن میں نیز حاشیوں پر دوسرے پختہ خط کی تصحیحات ھیں، جو غالباً خود مصنف کے قلم کی ھیں۔

مصنف نے اپنے حالات «عاشقی» تخلص کے ماتحت (۳۰۰ الف) لکھے ھیں۔ بعض واقعات زندگی اندرمن (۹۶ ب)، تمنا (۱۳۴ ب و ۱۳۵ الف)، حیران (۱۸۵ الف)، خوشدل (۲۴۵ ب)، رضا (۲۶۴ ب)، شوق (۳۰۷ الف)، اور عشقی (۳۶۵ ب)۔ کے حالات کے ذیل میں بھی پائے جاتے ھیں۔

۲۳- روزنامچہ، قلمی۔

یہ مولوی عبدالقادرخان غمگین رامپوری، متوفی رجب سنہ ۱۲۶۵ھ (۱) (مئی سنہ ۱۸۴۹ع) کی خود نوشتہ سوانحعمری ھے، جسے موصوف نے فارسی زبان میں مرتب کیا ھے۔ چونکہ اس کی ترتیب واقعات تاریخوار ھے، اس لیے اسے روزنامچہ کہا گیا ھے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں اس کا ایک جدیدالخط غلط لکھا ھوا نسخہ ھے، جو مخدومی نواب صدر یار جنگ بہادر کے کتابخانے کے نسخے سے محمد فاروق صاحب نے ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (دسمبر ۱۹۱۶ع) میں فلس کیپ سائز کے ۱۸۱ ورقوں پر نقل کیا ھے۔ اصل نسخہ اول و آخر سے ناقص ھے، اس بنا پر اس کا واقعی سال تالیف بتانا ممکن

(۱) انتخاب یادگار، ۲۷۱۔

نہیں۔ البتہ آخر میں مصنف نے ایك دو جگہہ ۱۸۳۱ع (۱۲۴۷ھ) کو لفظ «اکنوں» سے تعبیر کیا ھے۔

یہ روزنامچہ بہت دلچسپ، کارآمد اور شروع ۱۹ ویں صدی عیسوی کے متعدد اھم واقعات تاریخی کے چشمدید حالات پر مشتمل ھے۔ علاوہ ازیں مختلف مقامات کے علما و ادبا کے حالات اور متعدد علمی ولسانی مباحث بھی اس میں جستہ جستہ مذکور ھیں، جس کے سبب سے اس کی افادی حیثیت دوبالا ھو گئی ھے، اور یہ اس قابل ھے کہ تصحیح کے ساتھہ شائع کیا جائے۔

۲۴۔ گلشن بیخار (شیفتہ) قلمی۔

یہ تذکرہ نواب مصطفی‌خان شیفتہ، متوفی ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) نے آغاز ۱۲۴۸ھ (جون ۱۸۳۲ع) میں شروع کیا. اور آخر ۱۲۵۰ھ (اپریل ۱۸۳۵ع) میں دو سال کی کوشش کے بعد ختم کیا ھے. چونکہ مصنف کا مقصود عمدہ اشعار جمع کرنا تھا، اس بنا پر اس میں گنے چنے شعرا بار پا سکے ھیں، جن کی مجموعی تعداد ۶۰۰ ھے (۱)۔

یہ تذکرہ پہلی بار مطبع لیتھو گریفك دھلی اخبار آفس میں مولوی محمد باقر (والد شمس‌العلما محمدحسین آزاد دھلوی) کے اھتمام سے ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) میں چھپ کر شائع ھوا۔ دوبارہ دلی کے اردو اخبار پریس میں ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ع) میں طبع ھوا۔ اول‌الذکر ایڈیشن کا ایك نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں، اور دوسرے ایڈیشن کا رضا اکاڈمی رامپور کے کتابخانے میں محفوظ ھے۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں ایك قلمی نسخہ بھی ھے، مگر یہ مطبوعہ نسخے کی نقل ھے، جسے حافظ قمرالدین خلف حافظ محمد

(۱) فہرست کتابخانۂ بانکی پور: ۸، ۱۵۹۔

اشرف صاحب کی فرمایش پر کسی کاتب نے ۵ رجب ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ع) میں لکھا ھے۔

۲۵- نتائج الافکار (نتائج)، مطبوعہ۔

یہ ۵۲۸ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ھے، جسے محمد قدرت اللہ خان قدرت گوپاموی نے، حسب صراحت دیباچہ، ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ع) میں شروع کیا۔ خاتمۂ کتاب سے پتا چلتا ھے کہ ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ع) کے آخر میں مسودہ مکمل کر کے، ۲۱ شعبان ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ع) کو مصنف نے صاف کیا تھا۔ آخر میں جو قطعات تاریخ مندرج ھیں، اون میں سے دو سے ۱۲۵۷ھ اور چھ سے ۱۲۵۸ھ ظاھر ھوتے ھیں۔

کتاب کے اندر ۱۲۵۷ھ کو سال اتمام قرار دیا گیا ھے؛ اس لیے کہ محمد حسن علی کے ذکر میں قدرت نے لکھا ھے: «بعد اتمام این کتاب، در سنہ ۱۲۵۸ھ مرحلہ پیمای سفر آخرت گشتہ» (ص ۱۳۸)۔

خاتمۃ الطبع کے رو سے کتاب، مدراس کے مطبع کشن راج میں ۲۹ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۵۹ھ (۲۸ جولائی سنہ ۱۸۴۳ع) کو چھپ کر شائع ھوئی ھے۔ یہی سنہ ایك قطعۂ تاریخ طباعت میں بھی ظاھر کیا گیا ھے۔

۲۶- مدائح الشعرا، قلمی۔

یہ تذکرہ اقبال الدولہ، نواب عنایت حسین خان بہادر، مہجور، بنارسی ولد نواب نصیر الدولہ، نصیر الدین علی خان بہادر، صمصام جنگ، ابن نواب امین الدولہ، علی ابراھیم خان بہادر نصیر جنگ خلیل تخلص، مصنف گلزار ابراھیم، کی تصنیف ھے، جس میں ۶۷ اردو گو شاعروں کے مختصر حالات درج ھیں۔ نمونۂ کلام کو مصنف تذکرہ نے خود مخمس، مسدس،

مربع یا مثلث کر کے پیش کیا ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرے کی ترتیب سے پہلے، مصنف پانچ دیوان، دو خیالی افسانے، ایك مجموعۂ مثنویات، اور ایك مجموعۂ ادعیہ و نقوش و نسخہ جات مرتب کر چکا تھا۔

دیباچے میں زمانۂ تالیف سے متعلق حسب ذیل جملے ملتے ہیں:

«للہ الحمد کہ در زمان سعادت توامان بادشاہت... محمد اکبر بادشاہ غازی، ولیعہد اعلی حضرت، جنت آرامگاہ، شاہ عالم بادشاہ غازی، خلد اللہ ملکہ، کہ ہنگام ارقام این اوراق بر تخت جہانبانی جلوہ افروز مکارم سلطانی بودند، در سنۂ یکہزار و دوصد و شصت (۱) ہجری نبوی بریاض روضۂ رضوان انتقال فرمود؛ و حضرت ظل اللہ، جہان پناہ، میرزا محمد سلیم بہادر بر تخت جہان افروزی متمکن گشتند.

و باوان... وزارت... وزیر الممالك، نواب نصیر الدین حیدرخان بہادر، کہ این عالی جناب نیز بعد مرور سنین چند از تحریر این تذکرہ دلپسند بعالم بقا شتافت، و بعدہ عمویش و بعد عمویش فرزندش ثریا جاہ بہادر، بر مسند وزارت لکھنئو رونق [افروز] گشت...

و در زمان حکومت... کوین وکٹوریہ بتسوید این مجموعہ... اتفاق افتاد.» (۴ الف و ب)

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرے کی ترتیب کے وقت دھلی میں اکبر شاہ ثانی، لکھنئو میں نصیر الدین حیدر، اور انگلستان میں ملکہ وکٹوریہ حکمرانی کر رہے تھے۔ اکبرشاہ ثانی نے جمادی الثانیہ ۱۲۵۳ھ (ستمبر ۱۸۳۷ع) میں اور نصیر الدین حیدر نے ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ (جولائی ۱۸۳۷ع) میں چند ماہ کے فرق سے انتقال کیا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ ۲ جون سنہ ۱۸۳۷ع (۱۲۵۳ھ) کو تخت نشین ہوئی تھیں۔ اس

(۱) اکبر شاہ ثانی کا سال وفات ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) ہے۔ کتاب میں ۱۲۶۰ھ مصنف یا کاتب کا سہو معلوم ہوتا ہے۔

نیے یقین ہے کہ اس سنہ سے چند سال قبل کار ترتیب انجام کو پہنچا، اور اس کے چند سال بعد، جب کہ دہلی میں میرزا محمد سلیم بہادر، بہادرشاہ ثانی کے لقب سے اور لکھنئو میں ثریاجاہ، امجد علی شاہ کے لقب سے برسرحکومت تھے، یہ دیباچہ لکھا گیا۔ ثریاجاہ ۶ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ (۱۷ مئی ۱۸۴۲ع) کو تخت نشین ہوے تھے۔ بنابریں یہ دیباچہ بھی اس سال کے بعد لکھا گیا ہوگا۔

شیخ امام بخش ناسخ، متوفی سنہ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ع) کو مظلوم اور وصل کے ذکر میں (ورق ۴۷ الف) مغفور لکھا ہے اور شاہ اجمل کے متعلق لکھا ہے کہ

> «افسوس آنکه در سنه ۱۲۶۰ھ بعارضۂ دق ازین سراے فانی براحت آباد اقلیم جاودانی انتقال نمود» (۱۷ الف)۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ع) کے بعد تک مصنف نے کتاب میں اضافے کیے ہیں۔ لہذا دیباچے کو بھی اس سنہ کے بعد لکھا جانا چاہیے۔

کتاب کے پہلے صفحے پر لکھا ہے:

> «تذکرۂ ہذا تالیف نواب عنایت حسین خان صاحب مہجور، باشندۂ بنارس، عنایت فرمودۂ جناب مخدومی مولوی محمد حسین صاحب، سلمه الله تعالی، از بلدۂ بنارس بر ڈاک انگریزی»۔

اس تحریر کا انداز سید محسن علی محسن، مصنف سراپا سخن کے خط سے ملتا ہوا ہے۔ بعید نہیں ہے کہ اونہیں نے مذکورہ تذکرہ مرتب کرتے وقت اس نقل کو حاصل کیا ہو۔

کتاب کا خط نستعلیق بدنما، غلطیوں سے پر، اور کاغذ چند ابتدائی اوراق تک انگریزی اور بقیہ دیسی ساخت کا ہے۔

۲۷- گلدستۂ نازنینان (گلدسته) مطبوعه-

یه تذکرہ مولوی کریم الدین ابن سراج الدین پانی پتی کی تصنیف هے، جس میں ۳۸ ریخته گو شاعروں کے مختصر حالات اور طویل انتخابات درج هیں-

دیباچے سے معلوم هوتا هے. که ذی الحجه ۱۲۶۰ھ (دسمبر ۱۸۴۴ع) میں یه کتاب ختم هوئی اور صفر ۱۲۶۱ھ (فروری ۱۸۴۵ع) میں چھاپا شروع هوا- خاتمے میں ۲۳ رجب ۱۲۶۱ھ (۲۹ جولائی ۱۸۴۵ع) کو چھاپے کا اختتام لکھا هے- چونکه کتاب کے اندر دو ایك جگه ۱۲۶۱ھ کو «فی زماننا» کے لفظوں سے تعبیر کیا هے. اس سے معلوم هوتا هے که چھپتے وقت بھی کتاب میں اضافے کیے هیں-

مصنف نے آغاز تالیف کی طرف کوئی اشاره نهیں کیا- مگر ناسخ، متوفی ۱۲۵۴ھ، کے متعلق جو یه لکھا هے که

«دو تین برس هوے که اس جهان فانی سے طرف عالم جاودانی کے رحلت کی»

اس سے یه نتیجه نکالا جا سکتا هے که ۱۲۵۶ھ یا ۱۲۵۷ھ میں کتاب زیر تالیف تھی- لیکن یهاں یه احتمال باقی رهتا هے که مصنف کو ناسخ کے سال وفات کی صحیح اطلاع نه ملی هو، اور اوس نے «دو تین برس» صرف تخمینے سے لکھه دیے هوں-

کتاب کے شروع میں شاه ظفر، اونکے ولیعهد، اور رمز کے کلام کا انتخاب مندرج هے، جو ۲۰ صفحوں پر ختم هوا هے- اس کے بعد ایك صفحے پر فهرست مضامین هے- بعد ازاں کتاب کا سرورق هے، جس سے معلوم هوتا هے که مطبع رفاه عام میں اس کی طباعت

ہوئی ہے۔ اسی صفحے سے نئے ہندسے ڈالے گئے ہیں، جن کی کل تعداد ۳۳۰ ہے۔ آخر میں ۵ صفحوں کا غلط نامہ ہے۔

یہ کتاب اب عام طور پر دستیاب نہیں ہوتی۔

۲۸- طبقات شعرای ہند (طبقات) مطبوعہ۔

یہ تذکرہ بھی مولوی کریم الدین پانی پتی کی تصنیف ہے، جو تذکرۂ حکیم قدرت اللہ خاں، گلشن بیخار اور دتاسی کی تاریخ ادب اردو کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ کتاب کے سر ورق پر لکھا ہے:

«تاریخ شعرای اردوکا، مستر ایف فیلن صاحب بہادر اور مولوی کریم الدین نے گارسنڈٹسی کی تاریخ سے سنہ ۱۸۴۸ عیسوی میں، ترجمہ کیا اور نو سو چونسٹھہ شاعروں اردو گو کے اشعار اور حال بھی دواوین مختلفہ میں سے منتخب کر کے اوس میں مندرج کیا گیا»۔

اسی صفحے پر انگریزی میں بھی کتاب اور مصنف کا نام لکھا ہے، اور اس انگریزی عبارت میں بھی تصریح کی ہے کہ کتاب خاص طور پر دتاسی کی تاریخ سے ترجمہ کی گئی ہے۔

دیباچے اور خاتمے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۷ع (۱۲۶۳ھ) میں مصنف نے اس کام سے فراغت حاصل کی تھی۔ کتاب کے اندر بھی جگہ جگہ انہیں ہجری اور عیسوی سنوں کو «سال رواں» بتایا ہے۔ مگر سرورق پر سنہ ۱۸۴۸ع میں ترجمے کا ختم ہونا ظاہر کیا ہے۔ غالباً کتاب ۱۸۴۷ع کے آخر میں اختتام پذیر ہوئی ہوگی، اور ۱۸۴۸ع میں چھاپا شروع کیا گیا ہوگا۔ اسلیے آخری سنہ کو طباعت کا سال قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا۔

کتاب خود مصنف نے مطبع العلوم مدرسۂ دہلی میں سید اشرف علی کے اہتمام سے طبع کرائی تھی۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ پبلک

لائبریری، رامپور، میں اور اوس کی نقل کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔ شروع مین شعرا کی فہرست ۲۶ صفحوں پر دی ہے۔ اس فہرست کے بعد نئے نمبر شمار ڈال کر تذکرے کا آغاز کیا ہے، جو ۵۰۴ صفحوں پر ختم ہوتا ہے۔

۲۹- تاریخ فرخ آباد، قلمی۔

یہ سید ولی اللہ فرخ آبادی کی تصنیف ہے، جس میں والیان فرخ آباد، رؤسا، علما، شعرا اور فقرا کے حالات لکھے گئے ہیں۔

کتاب کے اندر تاریخ تصنیف کا ذکر نہیں آیا ہے۔ البتہ سید شاہ محمد زاہد دہلوی کے فرزند، چھوٹے صاحب، کے متعلق لکھا ہے کہ اونھوں نے ۲۸ صفر ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ع) کو وفات پائی۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس سال کے بعد کتاب ختم ہوئی ہوگی۔

اس تاریخ کا ایک عمدہ قلمی نسخہ حافظ احمد علی خان صاحب مرحوم کے کتابخانے میں، اور اوس کی پراغلاط نقل کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔ میں نے جو اقتباسات حاشیوں میں لکھے ہیں، وہ حافظ صاحب مرحوم کے نسخے پر مبنی ہیں۔

۳۰- سراپا سخن (سراپا) مطبوعہ۔

یہ تذکرہ سید محسن علی محسن، (۱) ولد سید شاہ حسین حقیقت لکھنوی (۲) کا مرتبہ ہے، جس میں انسانی اعضا کے عنوانوں کے ماتحت

(۱) تذکرۂ شمیم سخن (ص ۲۰۴) میں محسن کا ذکر اون شاعروں کے ذیل میں کیا ہے، جو ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔

(۲) یہ وہی حقیقت ہیں جن کے متعلق مصحفی نے اپنے تذکرۂ ہندی گویاں (ص ۸۶) میں لکھا ہے کہ

جانتے ہیں سب کہ اک مدت سے یاں مصحفی کے تذکرے کا شور ہے
تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا بے حقیقت مصحفی کا چور ہے

مختلف شاعروں کے اشعار جمع کر کے، خود ہر شاعر کے بارے میں ایک یا دو تعارفی سطریں بھی لکھ دی ہیں۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے دس سال کی محنت کے بعد ۱۲۶۹ھ کے آغاز (۱۸۵۲ کے اختتام) میں اس کو ختم کیا تھا۔ مگر اسی دیباچے میں ذکر کی ہوئی ایک منظوم تاریخ سے ۱۲۶۷ھ (۵۱-۱۸۵۰ع) برآمد ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یا تو یہ ماننا پڑیگا کہ کتاب کا اختتام ۱۲۶۷ھ میں ہو چکا تھا، اور آیندہ دو سال حک و اضافے میں گزرے، یا یہ کہ ۱۲۶۷ھ میں کام کے ختم ہو جانے کے گمان پر تاریخ پہلے سے کہلی گئی تھی

یہ کتاب ۱۲۷۰ھ (۱۲۶۱ع) میں منشی نولکشور نے اپنے لکھنؤ کے مطبع میں، جو رکاب گنج میں راجہ بختاور سنگھہ کے مکان کے اندر واقع تھا، ۲۰۴ صفحوں پر چھاپ کر شائع کی تھی۔ اس چھاپے کا ایک نسخہ ہمارے یہاں موجود ہے۔ اس کی ایک قلمی نقل بھی کچھہ عرصہ ہوا خریدی گئی ہے، جو ۷ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ (۲۰ ستمبر ۱۸۶۳ع) کو اتوار کے دن ہوشنگ آباد میں تیار کی گئی تھی اس نسخے کے کاتب نے شاعروں کے حالات ترک کر دیے ہیں، جس کے سبب سے اس کا فائدہ محدود ہو گیا ہے۔

مختصر سیر ہندوستان، مطبوعہ۔

حکیم وحیداللہ بن سعیداللہ بدایونی کی تالیف ہے، جس میں بادشاہوں، وزیروں، عالموں، صوفیوں، طبیبوں اور شاعروں کے حالات فارسی زبان میں مندرج ہیں۔

دیباچۂ کتاب کے مطابق «تاریخ نو» سے اسکا سال تالیف ظاہر

ہوتا ہے، جو ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ع) ہے۔ لیکن کتاب کے آخر میں اصل کتاب کے اختتام کے بعد چند منظوم تاریخیں چھاپی گئی ہیں، جن میں سے ایک راجہ بھرتپور کے سال انتقال ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ع) کو ظاہر کرتی ہے۔ نیز سید حسین عرف میرن صاحب ابنِ مولانا سید دلدارعلی صاحب مجتہد کو لکھا ہے کہ «در قرب تالیف این اوراق ازین جہان فانی بعالم جاودانی انتقال فرمودند۔»

میرن صاحب نے ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ع) میں وفات پائی ہے۔ اس سے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کے اندر بعد میں بھی اضافے کیے ہیں۔

طباعت کتاب، مطبع دبدبۂحیدری، آگرہ، میں عمل میں آئی ہے۔ اور «تمت بالخیر» کے بعد مالک مطبع کے والد، مرزا محمدکریم بن حاجی محمد مہدی ملتانی صدیقی. کی تاریخ وفات سنہ ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ع) درج ہے۔

۳۲۔ تاریخ جدولیہ (جدولیہ)، مطبوعہ۔

یہ کتاب منشی خادم علی بن مولوی شیخ کرم علی فاروقی سندیلوی کی تصنیف ہے، جس میں بالفاظ مولف:

> «ابتدای آفرینش سے تھوڑا تھوڑا حال عالم کا بطور نقشہ و جدول کے، جس میں ہر شخص اور اوس کے باپ کا نام اور تاریخ وفات اور جو وقائع اہم و عجیبہ وغیرہ روی زمین پر واقع ہوے، مفہوم ہوویں، بترتیب سنوات جداگانہ نقشہ میں . ..سنہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۳ع مدون کر کے نام تاریخی اس کا تاریخ جدولیہ رکھا۔»

ان نقشوں میں سے اٹھارویں کے اندر شعرای اردو کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ کتاب کی طباعت مطبع مدرسۂ آگرہ میں ۱۲۷۰ھ میں شروع ہوکر ۱۲۷۲ھ میں تمام ہوئی تھی۔ سائز کتابی اور صفحات ۵۹۱ ہیں۔

۳۳- گلستان سخن (گلستان)، مطبوعہ۔

یہ تذکرۂ شعرای اردو، صاحب عالم میرزا قادر بخش صابر دہلوی کی تالیف ہے۔ دیباچے میں لکھا ہے کہ یکم شعبان ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۴ع) کو اس کا آغاز ہوا، اور چونکہ اس کا اختتام برس دن سے پہلے کسی طرح یقینی نہیں تھا، اس لیے نظام‌الدین جوش کا مجوزہ تاریخی نام «گلستان سخن» رکھ لیا، جس سے ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ع) برآمد ہوتے ہیں۔ خاتمے میں فرماتے ہیں کہ آخر ماہ شوال ۱۲۷۱ھ میں اتمام پایا۔ اس حساب سے تالیف میں ایک برس دو مہینے صرف ہوئے۔

کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ دراصل اس تذکرے کے مصنف امام بخش صہبائی ہیں۔ اس قسم کی رائیں حسن ظن اور صاف دلی سے بعید اور پچھلے بزرگوں پر بغیر کسی دستاویزی شہادت کے سخت نکتہ چینی کا موجب ہیں، اس لیے میں اس کے ماننے پر آمادہ نہیں ہوں۔

سر ورق کے مطابق اس کی طباعت ۱۲۷۱ھ ہی میں دہلی کے مطبع مرتضوی میں حافظ محمد غیاث‌الدین کے اہتمام سے ہوئی تھی۔

کتابخانۂ عالیۂ رامپور کے نسخے کے شروع میں، مولوی مہدی علی خان مرحوم، تحویلدار کتابخانہ، نے شعرا کی فہرست اپنے قلم سے لکھ کر شامل کر دی ہے۔ اس میں متعدد جگہ امیر مینائی مرحوم کے قلم سے اضافے بھی ہیں، اور فہرست کے سر ورق کے بالائی گوشے میں بخط امیر مینائی مرحوم یہ بھی لکھا ہے کہ «اسمای متحد میان این تذکرہ و تذکرۂ گلشن بیخار ۶۶۔»

۳۴- سخن شعرا (سخن)، مطبوعہ۔

یہ تذکرۂ شعرای اردو، مولوی عبدالغفور خان بہادر نساخ، متوفی

سنه ۱۳۰۶ھ کا مرتب کردہ ھے، جسے موصوف نے بارہ برس کی مسلسل کوشش کے بعد ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ع) میں انجام کو پہنچا کر، «سخن شعرا» تاریخی نام رکھا ھے۔

لیکن کتاب کے بغور مطالعے سے پتا چلتا ھے کہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) تک مصنف نے جابجا نئے معلومات کا اضافہ کیا ھے۔ چنانچہ نسیم کا سال وفات ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ع) آزردہ و غالب کا سنۂ وفات ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ع) اور شیفتہ و ضیغم کا سال وفات ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) خود مصنف نے کتاب کے اندر لکھا ھے۔ تمکین کے متعلق حاشیے پر لکھہ دیا ھے کہ اسنے ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا ھے۔ داغ کا تذکرہ حالیہ صیغوں میں کر کے تحریر کرتے ھیں کہ ۱۲۸۸ھ میں انکا انتقال ھو گیا۔

خاتمة الطبع میں مندرج ھے کہ نولکشور کے لکھنوی پریس میں رمضان ۱۲۹۱ھ (اکتوبر ۱۸۷۴ع) میں اس کا چھاپا تمام ھوا ھے۔ کتاب کا ناپ معمولی کتابی اور صفحات کی تعداد ۵۸۲ ھے۔

۳۵- شمیم سخن (شمیم). مطبوعہ۔

یہ تذکرہ مولوی عبدالحی صفا بدایونی نے اردو زبان میں اون ریختہ گو شاعروں کے متعلق لکھا ھے، «جو سنہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ع) یا اوس کے بعد رونق افزای عالم ھستی تھے۔ اور جن حضرات نے کہ سنہ ۱۲۸۸ھ سے پہلے اس دار فانی کو خیرباد کہا، اون کا کلام وحال درج تذکرہ نہوا۔ البتہ دیباچے کو شعرای ماسبق کے کلام سے زینت دی گئی ھے (ص ۱۰)۔»

دیباچے کی تصریح کے مطابق، ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ع) میں یہ کتاب تمام ھوئی، اور دلاور علی کے اھتمام سے مرادآباد کے مطبع امدادالھند

و عین الاخبار میں چھپی تھی۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں موجود ہے۔

۳۶۔ انتخاب یادگار، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ منشی امیر احمد امیر مینائی، متوفی ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ع) نے مرتب کیا ہے، جس میں رامپور کے متوطن اور دربار رامپور کے متوسل شاعروں کے حالات اور منتخب کلام درج ہے شروع میں والیان ریاست رامپور کے حالات اور منتخب کلام جدا ہندسوں کے ساتھ لکھا ہے، جس کے باعث کتاب دو حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۸۹ھ میں شروع کر کے ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ع) میں ختم کی گئی تھی۔ آغا علی نقی صاحب کی تقریظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ "ہنگام تالیف ۴۱۰ شعرا کے نام تھے.... مگر چھپنے میں تاخیر ہوئی۔ آفتاب الدولہ قلق، گوبند لال صبا، شیخ امیراللہ تسلیم وغیرہ ملازمین میں شامل ہوئے؛ لہذا چھپنے کے وقت تک ۴۱۵ شعرائے نازک خیال کے نام اس تذکرے میں داخل ہوئے"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۹۰ھ کے بعد بھی اضافے کیے گئے ہیں۔ چنانچہ منیر شکوہ آبادی کے ایک تاریخی قطعے سے ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) برآمد ہوتے ہیں، جو مدعای ماسبق کی دلیل ہے۔

کتاب کا چھاپا تاج المطابع، رامپور، میں ۴ ذیحجہ سنہ ۱۲۹۷ھ کو تمام ہوا تھا۔ اس کا سائز اوسط اور صفحات کی تعداد ۱۶۸ اور ۴۰۶ ہے۔

۳۷۔ خزینۃ العلوم (خزینہ، مطبوعہ۔

یہ منشی درگا پرشاد نادر سرہندی کا مرتبہ تذکرۂ شعرای اردو

ہے، جو ۱۸۷۰ع میں شروع، ۱۸۷۱ع میں ختم اور پھر کچھ وقفے کے بعد ۱۸۷۵ع میں صاف کیا گیا تھا۔

خاتمے میں مصنف نے اپنا حال لکھتے ہوے آخر سنہ ۱۸۷۷ع لکھا ہے، اور دوران طباعت میں، جو ۱۸۷۹ع کا واقعہ ہے، جابجا حواشی تحریر کیے ہیں۔

یہ کتاب، قاضی نورالدین فائق گجراتی کے تذکرے کا خلاصہ ہے، جس میں اور تذکروں سے بھی چند گجراتی شاعروں کے حالات اضافہ کیے گئے ہیں۔ مصنف معانی و بیان و بلاغت وغیرہ علوم کے مباحث جگہ جگہ درمیان میں ذکر کرتا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کا حجم ۲۷۰ صفحوں کا ہو گیا ہے۔

اس کا پورا نام «خزینۃالعلوم فی متعلقات‌المنظوم» خطاب «گلدستۂ نادرالافکار»، اور عرف «تذکرۂ شعرای دکن» ہے۔ سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ نومبر ۱۸۷۹ع میں لاھور کے مطبع مفید عام میں اس کی طباعت ہوئی ہے۔

اس تذکرے کے دیباچے سے، مخزن شعرا کے متعلق پتا چلتا ہے کہ «فائق کے چھوٹے بھائی، میر حفیظ اللہ خان تسکین نے اس پر حاشیہ لکھا تھا، جس سے ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ع) کا احوال معلوم ہوتا ہے۔ ابومحمد نے بھی ایک دو جگہ حاشیہ لکھا»۔ یہ حواشی بالعموم سنین وفات ظاہر کرتے ہیں، اور اکثر انجمن ترقیء اردو کے مطبوعہ نسخۂ مخزن شعرا میں مفقود ہیں۔

۳۸۔ تقصار جیودالاحرار (تقصار). مطبوعہ

یہ تذکرہ، جو متقدمین و متاخرین صوفیا کے حالات پر مشتمل ہے،

نواب سید صدیق حسن خان بہادر، متوفی سنہ ۱۳۰۷ھ (۱۸۹۰ع)، نے «ریاض المرتاض» اور «حظیرة القدس» کے بعد مرتب کیا ھے۔ دیباچے میں لکھا ھے کہ مذکورۂ بالا دونوں کتابوں کے خاتموں میں صوفیا کے جو حالات درج کیے تھے، انھیں کو یکجا کر کے ایک نئی کتاب کی شکل دیدی گئی ھے۔ خاتمۂ کتاب سے یہ بھی معلوم ھوتا ھے کہ کتاب میں کسی خاص ترتیب کا لحاظ بالکل نہیں کیا گیا ھے، بلکہ جو نام جسوقت جس جگہ لکھہ گیا تھا، اسے وھیں رھنے دیا ھے (۱۳۷)۔

سنۂ تالیف کے تذکرے سے دیباچہ و خاتمہ خالی ھیں، مگر اپنے حالات میں لکھا ھے کہ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ع) سے ابتک کہ اٹھائیس برس گزر چکے ھیں، تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ھوں۔ اس سے اندازہ ھوتا ھے کہ ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ع) میں کتاب ختم ھوئی تھی (۲۳۰)۔ چنانچہ آیندہ صفحے پر یہی سال صراحتاً ذکر کیا گیا ھے۔

کتاب کی طباعت ۱۲۹۸ھ میں بھوپال کے مطبع شاھجہانی میں ھوئی ھے۔ کتاب کا سائز فلس کیپ اور صفحات بشمول غلط نامہ ۲۵۹ ھیں۔

۳۹- شمع انجمن (شمع) مطبوعہ۔

یہ فارسی گو شعرا کا تذکرہ بھی نواب سید صدیق حسن خان بہادر کا مرتبہ ھے۔ اس کے دیباچے یا خاتمے میں سنۂ تالیف مذکور نہیں ھے۔ لیکن مولف نے اپنے ذکر میں لکھا ھے کہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں کلکتے گیا تھا، اور ۲ ماہ ۹ یوم وھاں رہ کر واپس بھوپال پہنچا۔ اس سے معلوم ھوتا ھے کہ محرم ۱۲۹۳ھ میں ان کی بھوپال کو واپسی ھوئی تھی۔ اور چونکہ مطبع شاھجہانی بھوپال میں اسی سال

اس کی طباعت بھی ہوئی ھے، اس سے یقین ھے کہ آغاز سال میں یہ تذکرہ ختم ہو چکا تھا۔ بلکہ اغلب یہ ھے کہ سفر کلکتہ سے قبل اس کی تالیف کا کام انجام پا چکا ہوگا۔ واپسی پر کتابت کے وقت نئی باتیں بڑھا دی ھیں۔

کتاب مختلف رنگ کے رنگین کاغذوں پر چھپی ھے۔ اس کے آغاز میں فہرست شعرا اور آخر میں متوسلین ریاست کی تقریظیں اور تاریخی قطعات مندرج ھیں۔

۴۰۔ صبح گلشن (صبح)، مطبوعہ۔

یہ سید علی حسن خان بہادر (سابق ناظم ندوۃ العلما، لکھنئو)، متوفی ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ع)، کا مولفہ تذکرۂ شعرای فارسی ھے، جو حسب تصریح دیباچہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) میں لکھا گیا تھا۔ مگر خاتمے سے پتا چلتا ھے کہ غرۂ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) کو اس کا آغاز اور آخر جمادی الاولی ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) کو اختتام ھوا ھے۔ اندرونی شہادتیں بھی اسی کی موید ھیں۔

یہ تذکرہ بھی مطبع شاھجہانی بھوپال میں آخر شوال ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں چھپ کر شائع ھوا ھے۔

۴۱۔ روز روشن (روز)، مطبوعہ۔

یہ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ھے، جسے مظفر حسین صبا گوپاموی نے تصنیف کیا ھے۔ دیباچے سے معلوم ھوتا ھے کہ غرۂ شعبان ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں مصنف نے اس کی ترتیب کا کام شروع کیا، اور حسب تصریح خاتمہ، ۲۹ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ع) کو ختم کر دیا۔

اس کی طباعت بھی مطبع سابق الذکر میں ہوئی ہے، اور سال طباعت ۱۲۹۷ھ ہے۔

۴۲- آبحیات، مطبوعہ۔

یہ شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد دهلوی، متوفی ۱۳۳۸ھ (۱۹۱۰ع)، کی تصنیف اور تاریخ ادب اردو پر پہلی کتاب ہے۔ گو اس میں تاریخی مسامحات پائے جاتے ہیں، مگر اس کی عبارت کی لطافت اور شوخی ان سب پر پردہ ڈالے ہوے ہیں۔ اس کا پڑھنے والا یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ خود اون شعرا کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہے، جن کے حالات پڑھتے وقت اوس کے پیش نظر ہیں۔

اس کے پہلے ایڈیشن کا ایک نسخہ کتابخانۂ عالیۂ رامپور میں محفوظ ہے۔ یہ ۱۸۸۰ع (۱۲۹۷ھ) میں لاہور کے وکٹوریہ پریس میں سید رجب علی شاہ کے اہتمام سے چھپا تھا۔ کتاب کے صفحات کی تعداد ۵۰۷ ہے۔ ذوق کے تذکرے میں ۲ ورق بلا ہندسوں کے چسپاں کیے گئے ہیں ان کو سابق مجموعے میں جوڑنے سے ۵۱۱ صفحات ہوتے ہیں۔ سر ورق سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کی ۱۰۵۰ جلدیں چھپوا کر ایک روپیہ فی نسخہ قیمت مقرر کی تھی۔ امتداد زمانہ سے کاغذ کا رنگ گہرا بادامی ہو گیا ہے، اور اکثر اوراق بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ زیر بحث حواشی میں آبحیات کے بارھویں ایڈیشن کے حوالے دیے گئے ہیں۔

۴۳- طور کلیم (طور)، مطبوعہ۔

یہ سید نورالحسن خان بن نواب سید صدیق حسن خان بہادر کی تصنیف ہے، جسے مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ

اردو گو شاعروں سے، اور دوسرا ہندی کہنے والوں سے متعلق ہے۔

خاتمے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۹۷ھ میں تصنیف اور ۱۲۹۸ھ میں احمد خان صوفی کے مطبع مفید عام آگرہ میں طبع ہوئی ہے۔

۴۴۔ بوستان اودھ، مطبوعہ۔

یہ کنور درگا پرشاد مہر سندیلوی کی مصنفہ تاریخ شاہان اودھ ہے۔ اس میں ہر بادشاہ کے تذکرے کے آخر میں اوس کے عہد کے مشہور شعرا کا حال بھی لکھا گیا ہے۔

دیباچے یا خاتمے میں تاریخ تصنیف کا حوالہ نہیں ہے؛ لیکن صفحۂ ۲۰۴ پر ۷ مئی سنہ ۱۸۸۸ع (۱۳۰۵ھ) کو «امروز» سے تعبیر کیا ہے۔

یہ کتاب سنہ ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ع) میں مطبع دبدبۂ احمدی (لکھنئو) سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

۴۵۔ خمخانۂ جاوید (خمخانہ)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ لالہ سریرام دہلوی، متوفی ۱۹۳۰ع، کا مرتبہ ہے، اور اپنی جامعیت کے لحاظ سے انسائیکلوپیڈیا کہلانے کا مستحق ہے۔

دیباچے سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے اسے ۵ جلدوں میں تقسیم کرنے کا قصد کیا تھا۔ ان میں سے ۴ جلدیں اون کی زندگی میں چھپ کر شائع ہو چکی تھیں۔ بقیہ کا مسالا اکھٹا کر لیا گیا تھا کہ اون کا انتقال ہو گیا۔ مکرمی پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی نے اس کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایا، اور سنہ ۱۹۴۰ع میں اس کی پانچویں جلد چھاپ دی۔ لیکن یہ حرف ش کے تتمے سے حرف ع کے آخر تک پہنچی ہے۔ اس لحاظ سے ابھی کم از کم ایک جلد اور چھپے گی، تب یہ تذکرہ تمام ہوگا۔

تاریخ تصنیف کے سلسلے میں اتنا کہدینا کافی ہوگا کہ مولف نے ۱۸۹۱ع میں اس کام کو شروع کیا تھا، اور ۱۹۰۷ع میں اس کی پہلی جلد کو چھاپا۔ چوتھی جلد، جو مولف کی زندگی میں آخری مطبوعہ جلد تھی، ۱۹۲۶ع میں طبع ہوئی تھی۔ اب خدا بہتر جانتا ہے کہ چھٹی جلد کب شائع ہوگی۔

۴۶- محبوب الزمن (محبوب)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ شعرای دکن کے حالات پر مشتمل ہے۔ مولف کا نام مولوی عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری براری ہے۔ کتاب کا آغاز ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ع) میں ہوا تھا، اور ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ع) میں انجام کو پہنچی ہے۔ اس میں اردو کہنے والے اور فارسی کہنے والے دونوں قسم کے شاعروں کے حالات یکجا جمع کر دیے گئے ہیں، گویا یہ حیدرآباد کی شاعری کا مجمع البحرین ہے۔

کتاب کی طباعت ۱۳۲۹ھ میں مطبع رحمانی میں ہوئی ہے، اور دو جلدوں میں اس کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔

۴۷- انتخاب زریں (انتخاب)، مطبوعہ۔

یہ سید راس مسعود مرحوم کا انتخاب کیا ہوا مجموعۂ اشعار شعرای اردو ہے۔ چونکہ ہر شاعر کے کلام کے قبل اونھوں نے مختصر حالات بھی لکھے ہیں، اس لیے اس کو تذکرہ قرار دیا گیا ہے۔

دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶ اگست ۱۹۲۱ع (۱۳۳۹ھ) کو یہ ختم ہوا، اور سنہ ۱۹۲۲ع میں نظامی پریس بدایوں میں چھپ کر شائع ہوا۔

۴۸- گل رعنا (گل)، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ مولوی عبدالحی، ناظم ندوۃ العلما، متوفی ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ع)

کا مولفہ ھے، اور بلندیٔ تحقیق اور حسن انتخاب کی بنا پر تمام جدید تذکروں سے بہتر مانا گیا ھے۔

دیباچے سے معلوم ھوتا ھے کہ ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ع) کو ایک سال کی محنت و کوشش سے اسے مرتب کیا گیا ھے۔ آب حیات کی طرح یہ بھی طبقات پر منقسم ھے، اور اس کے بہت سے مسامحات سے پاک ھے۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ نے اس تذکرے کو چھاپا ھے۔ حواشی میں اس کے دوسرے ایڈیشن (۱۳۵۳ھ) کے حوالے دیے گئے ھیں۔

۴۹۔ قاموس المشاھیر (قاموس)، مطبوعہ۔

یہ مشاھیر کا تذکرہ ھے، جسے مولانا نظامی بدایونی نے ۱۹۱۵ع میں شروع کر کے سات برس میں تمام کیا ھے۔

در اصل یہ مسٹر بیل کی انگریزی کتاب موسومہ بہ "AN ORIENTAL BIOGRAPHICAL DICTIONARY" پر مبنی ھے، اسی لیے اس کی ترتیب وغیرہ میں وہ تمام کوتاھیاں موجود ھیں، جو بیل سے سرزد ھوئی تھیں۔ کچھہ اسما اور معلومات دوسری کتابوں سے بھی بڑھائے گئے ھیں۔

اس کی پہلی جلد کا مسودہ ۱۹۲۲ع میں پریس گیا، اور ۱۹۲۴ع میں چھپ کر شائع ھوا۔ اس کے دو سال کے بعد دوسری جلد بھی چھپ گئی۔ اب دوسرے ترمیم شدہ ایڈیشن کی تیاری تھی کہ جنگ شروع ھو گئی۔

۵۰۔ سیر المصنفین (سیر)، مطبوعہ۔

یہ اردو کے نثرنگاروں کا تذکرہ ھے، جسے مولوی محمد یحیی تنہا نے

۱۹۲۴ع میں مرتب کر کے شائع کیا۔ اس کتاب کے دو حصے ھیں۔ حصۂ اول کے ۲۲۴ صفحے ھیں۔ اور یہ محبوب المطابع دھلی میں ۱۹۲۴ع میں چھپا تھا۔ دوسرا حصہ ۶۵۲ صفحات پر مشتمل ھے، اور سنہ ۱۹۲۸ع میں جامعہ پریس سے چھپ کر شائع ھوا ھے۔

۵۱- آثار الصنادید (آثار)، مطبوعہ (۱)۔

یہ کتاب دھلی کے آثار قدیمہ کی تاریخ ھے، اور ھندوستان کے مشہور مصلح قوم، سر سید احمد خان، متوفی ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۸ع) کی تالیف ھے۔

کتاب کے مختلف بیانات کی روشنی میں یہ اندازہ ھوتا ھے کہ ۱۲۶۱ھ میں اس کی تکمیل ھوئی ھے۔ مگر جستہ جستہ ۱۲۶۲ھ اور ۱۲۶۳ھ میں بھی مصنف نے اس میں اضافے کیے ھیں۔

مصنف نے اسے چار بابوں میں تقسیم کر کے، ھر باب کو ایک حصے یا جلد کی طرح جداگانہ ھندسوں کے ساتھ مطبع سید الاخبار دھلی میں ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ع) میں طبع کرایا تھا۔ یہ ایڈیشن مصور تھا، اور اس کی تصویریں میرزا شاھرخ بیگ اور فیض علی کے ھاتھ کی بنی ھوئی تھیں، اور علیحدہ کاغذ پر چھاپ کر اپنی اپنی جگہ چسپاں کی گئی تھیں۔

کتابخانے میں اس ایڈیشن کے تین باب موجود ھیں۔ چوتھا جس میں دلی والوں کے حالات درج تھے، ضائع ھو گیا ھے۔ میں نے حاشیے میں نولکشوری ایڈیشن کا حوالہ دیا ھے، جس کا نسخہ پبلک لائبریری، رامپور، میں محفوظ ھے۔

---

(۱) اس کتاب کا تذکرہ سہواً اپنے مقام پر رہ گیا تھا۔ یہاں مجبوراً تلافی مافات کی جارھی ھے۔

۵۲- ارباب نثر اردو (ارباب)، مطبوعه۔

یه فورٹ ولیم کالج (کلکته) کے ۱۹ نثر نویسوں کا تذکره هے، جسے سید محمد قادری (بی، اے) نے آخر سنه ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ع) میں مرتب کیا اور مکتبۂ ابراهیمیۂ حیدرآباد نے اوسی سال چھاپ کر شائع کیا هے۔ اس کے صفحات مع دیباچه وغیره ۳۰۹ هیں۔

۵۳- تاریخ ادب اردو (عسکری)، مطبوعه۔

یه تاریخ، رام بابو صاحب سکسینه کی انگریزی کتاب "HISTORY OF URDU LITERATURE" کا ترجمه هے، جسے میرزا محمد عسکری صاحب لکھنوی نے ۱۹۲۹ع میں کہیں کہیں مناسب ردوبدل کے ساتھه مرتب کیا هے۔

یه کتاب دو حصوں اور ایك ضمیمے پر مشتمل هے، اور مطبع نولکشور لکھنئو نے مصور شائع کی هے۔

۵۴- تذکرۂ کاملان رامپور، مطبوعه۔

یه تذکره مشاهیر رامپور کے حالات پر مشتمل اور جناب حافظ احمد علی خان شوق رامپوری، (سابق ناظم کتابخانۂ رامپور) کی تصنیف هے۔

دیباچے سے معلوم هوتا هے که مولف نے ۱۹۲۵ع سے ۱۹۲۹ع تك اس کتاب کی ترتیب کا کام انجام دیا هے۔

چونکه اس کے بیانات کا ماخذ اکثر و بیشتر زبانی روایات هیں، اس وجه سے تاریخی تسامح پایا جاتا هے، تاهم یه بیحد قابل قدر هے که اس کے توسط سے سیکڑوں اون علما، صلحا اور شعرا کے حالات منضبط هو گئے، جو پردۂ گمنامی میں مستور تھے، اور کچھه عرصے کے بعد ان کے متعلق اتنا علم بھی محال تھا۔

کتاب کے صفحات ۵۶۰ ھیں شروع میں ۱۰ صفحے کی فہرست منضم ھے، جس سے کل صفحات کی تعداد ۵۷۰ ھو جاتی ھے۔

محمد جعفری نے سنہ ۱۹۲۹ع میں، ھمدرد پریس دھلی میں، چھاپ کر اس کتاب کو شائع کیا ھے۔

۵۵- تذکرۂ ریختی، مطبوعہ۔

یہ تذکرہ، جو ۳۴ ریختی گو شعرا کے حالات پر مشتمل ھے، مولوی سید محمد تمکین کاظمی نے ۱۹۳۰ع (۱۳۴۸ھ) میں مرتب کیا ھے۔ اس کے شروع میں ۲۹ صفحات کا دیباچہ ھے، جس میں ریختی کی ایجاد اور اوسکے افسادی پہلو سے بحث کی گئی ھے۔ اس کے بعد تذکرہ ئے ھندسوں سے شروع ھو کر صفحۂ ۸۵ پر ختم ھوتا ھے۔ صفحۂ ۸۶ سے فرھنگ محاورات نسواں شروع ھوتی ھے۔

کتاب شمس الاسلام پریس، حیدرآباد، مین طبع ھوئی ھے۔

۵۶- جواھر سخن (جواھر)، مطبوعہ۔

یہ تذکرۂ شعرای اردو، دراصل منتخب کلام اردو کی ایک طویل بیاض ھے، جسے مولانا محمد مبین کیفی چڑیاکوٹی نے مرتب کیا ھے۔ چونکہ ھر شاعر کے منتخب کلام کے آغاز میں اوس کی زندگی پر بھی اجمالی نظر ڈالی گئی ھے، اس وجہ سے اس میں تذکرے کی شان پیدا ھو گئی ھے۔

اس مجموعے کی تالیف ھندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، کی فرمایش پر ھوئی ھے، اور اوسی نے ۱۹۳۳ع میں اس کی پہلی جلد اور بعدازاں ۳ اور جلدیں شائع کی ھیں۔

۵۷- بیاض سخن (بیاض)، مطبوعہ۔

یہ ۳۳۰ اردو شاعروں کا تذکرہ ہے، جسے عبدالشکور صاحب شیدا نے سنہ ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ع) میں حیدرآباد (دکن) سے شائع کیا ہے۔ چونکہ یہ بھی منتخب اشعار کی بیاض ہے، اسوجہ سے شعرا کے حالات پر بہت اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاہم سنین وفات کی تلاش میں سعی و کوشش نظر آتی ہے۔

اس کتاب کے شروع میں دیباچے اور فہرست کے ۱۶ اور بعدازاں اصل کتاب کے ۲۴۲، کل ۲۵۸ صفحے ہیں۔

۵۸- فہرست کتبخانہای شاہ اودھ (اشپرنگر)، مطبوعہ۔

شاہان اودھ کے کتابخانوں کی یہ فہرست ڈاکٹر اشپرنگر نے مولوی علی اکبر پانی پتی، متوفی ۱۸۵۲ع، کی مدد سے ۱۸۵۰ع میں مرتب کی تھی۔ ڈاکٹر اشپرنگر کا ارادہ یہ تھا کہ اپنی فہرست کو آٹھ بابوں میں تقسیم کریں۔ مگر وہ صرف ۳ باب مرتب کر سکے، جو پہلی جلد کے نام سے کلکتے میں طبع ہو چکے ہیں۔

اس کے پہلے باب میں فارسی و اردو شعرا کے تذکروں اور دوسرے اور تیسرے باب میں فارسی و اردو شاعروں کی تصنیفات کا بیان ہے۔ آخر میں باب اول کا ضمیمہ ہے، جو تین فارسی تذکروں کی کیفیت پر مشتمل ہے۔ کتاب کے صفحات کی تعداد ۶۵۵ ہے، جس میں ۸ صفحے دیباچے وغیرہ کے اور دو غلط نامے کے شامل ہیں۔

اس فہرست کے اوس حصے کا ترجمہ، جو شعرای ریختہ کے حالات پر مشتمل ہے، سنہ ۱۹۳۲ع میں طفیل احمد صاحب نے اردو میں کیا تھا، اور اسی سنہ ۱۹۴۳ع میں ہندوستانی اکیڈمی نے «یادگار شعرا» کے نام سے چھاپ کر شائع کر دیا ہے۔

۵۹- فہرست مخطوطات برٹش میوزیم (بلوم ہارٹ)، مطبوعہ۔

یہ فہرست ہندی، پنجابی اور ہندوستانی زبانوں کے قلمی نسخوں کی ہے، جسے مسٹر بلوم ہارٹ نے ۱۸۹۹ع میں مرتب کیا، اور اسی سال میوزیم کے ٹرسٹیوں کے حکم سے چھپ کر شائع ہوئی۔

اس میں پہلے ہندی اور پنجابی اور آخر میں ہندوستانی مخطوطے ذکر کیے گئے ہیں۔ ان دونوں حصوں پر ہندسے جدا جدا ڈالنے سے فہرست دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ دیباچے کے ۱۲، حصۂ اول کے ۸۴، اور حصۂ دوم کے ۹۱ اور پوری کتاب کے ۱۸۷ صفحے ہوتے ہیں۔

معذرت۔

ان کتابوں کے علاوہ، بعض دواوین وغیرہ کے دیباچوں کے حوالے بھی دیے گئے ہیں، مگر اون پر کسی طرح کا نوٹ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

بعض کتابیں بر وقت مطالعے میں نہیں آئیں، اس بنا پر اون کا حوالہ یا تو کتاب ھی میں کسی دوسری جگہ دیدیا گیا ہے، جیسے «سودا» مصنفۂ شیخ چاند، اور یا استدراك کے ماتحت ذکر کردیا گیا ہے، مثلاً «تاریخ نثر اردو» مصنفۂ مولانا احسن مارہروی، «داستان تاریخ اردو»، مصنفۂ مولانا حامد حسن قادری، یا «تاریخ مثنویات اردو» مصنفۂ مولوی جلال الدین احمد جعفری۔ اشاعت ثانی کی نوبت آئی، تو انشاءالله اس کی تلافی کردی جائیگی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

(۳ الف) بهترین صیغهٔ عبودیت، ونیکو ترین جملهٔ سعادت حمد خالقی و ثنای صانعی است، که هنگام ابداع بسایط، بصورت حروف مفرده زیور هستی و خلعت وجود اوّلاً عطا فرمود؛ و وقت اختراع مرکبات از مخلوقات، بنابر استحکام و نظام تراکیب، کلمات را باشکال مختلفه ثانیا بنا نمود، که سالکان راه قویم و طالبان صراط مستقیم، باعانت کلام و مددگاریء فهم سخن ملك علام، باندك صرف نمودن اوقات بسر منزل مقصود بآسانی پی برند؛ وبدریافت معانی، که مراد از حصول قرب او، تعالی عز اسمه، است، بهرنحو که خواسته باشند، بسهولت فایز گردند. سبحانه، ما اعظم شانه و جل صنعه. و پستر ازان فعلی که وسیلهٔ (۳ ب) حصول این عطیهٔ کبری و واسطهٔ وصول بچنین موهبت عظمی از درگاه آن واهب العطایا تواند بود، خواندن درود نامعدود است برحبیب او، محمد رسول‌الله، صلی‌الله علیه و آله واصحابه وسلم، که ذات کاملش بهمه جهت مبرا از نقصان، وصفات جمیلهٔ او افزون از حیز شمار و بیان است؛ وبر آل امجاد و اطهار او که بالاطلاق برگزیدهٔ هر دو جهان اند؛ وبر اصحاب اخیار و پیروان ابرار او که از شروع اقتدا تادم اخیر، خلاف مقتدا حرفی از زبان برنیاورده، قدمی بیراه نگزاشته‌اند، حتی که گردید محبت و ولایت شان از شرایط ایمان.

امابعد ذرهٔ بیمقدار، ناچیز خاکسار، سر بزانوی نکو هیده عملی، احد علی ابن سید احمد علی خان، عفی الله عن جرایمهما، بخدمت عالیء متعالیء کاملان صاحب همت و قدرت، و دوستان صافی طینت و اهل مروت چنین عرض می‌نماید که چون بعضی عزیزان و شفیقان بنوشتن قواعد صرف و نحو وغیره، بطرزیکه اجرای آنها بزبان هندی موافق محاورهٔ اردو بوده باشد، اکثر تکلیف میکردند، و راقم چون قدرت تحریرآن بمرتبهٔ که پایهٔ این اعتبار را شاید، در خود نمیدید، متامل بود، که درین اثنا جناب رفعت مآب، (۲ الف) والا مناقب، عالی مناصب، کهف‌الاحبا، مربیء غربا، دانای رسوم آشنائی، سرکردهٔ دقت منشان تیزرائی، معین موالیان، ممد مومنان، عقده کشای گره کاربستگان، اعنی، جناب مستطاب، معلی القاب، نواب افتخارالدوله، معین الملك، مرزا قمر الدین احمدخان بهادر، صولت جنگ، دام اقباله، المدعو بمرزا حاجی صاحب که اکبر اولاد، وارشد ابنای خان رفیع الشان، علامهٔ زمان، یگانهٔ دوران جناب فخرالدین احمد خان بهادر، المشتهر بمرزا جعفر صاحب مغفوراند، لازال دولته واقباله، نیز باصرار فرمودند. ناچار امتثالاً للامر بتسوید رسالهٔ پرداختم، و هر قدر که توانستم قواعد مسطوره از فارسی نقل نموده بهندی مطابق ساختم. پس مسمی گردانیدم مجموعهٔ مذکوره را به «دستور الفصاحت»، و مرتب نمودم ترتیبش رابمقدمه و پنج باب و خاتمه. اکنون رجای واثق از آگاهان باهمت و قدرت و نکته رسان صاحب مروت و صفوت آنست که اگر بمطالعه و ملاحظه این رسالهٔ بیقدر را گاهی بنوازند، درحق این بی بضاعت کمیت اعتراض بمیدان تفضیح نتازند؛ چراکه هیچ کتابی از کتب این فن و رسایل این هنر، که مفید مطلب (۲ ب) و معین مقصد درین باب می‌شد، درنظر نداشتم

که موافق آن می نوشتم و از خطا مصئون ماندم ، بلکه مترصدم که بزرگانه، (لمولفه)

بذیل عفو بپوشند عیبهای مرا گران کنند بخوبیء خود بهای مرا

تا بر مایدهٔ اجر عاملان آیهٔ کریمه «اذامروا باللغو مروا کراما» شریك و شامل بوده‌باشند، و جزای این صفت حمیده از ستار العیوب غافر الذنوب بیابند.

مقدمه - باید دانست که زبان هندی منسوب باهل هند است - و وسعت ملك هند از کلکته و ڈهاکه تا قراباغ نزدیك به قندهار شرقا و غربا، و از کنارهٔ دریای شور تا جبال شمال و آنچه درمیان اینست جنوبا و شمالاً، نزد مساحان به ثبوت پیوسته ؛ چنانچه کشمیر هم باین قید در همین ملك شمرده می شود - و زبان سکنهٔ این ولایت باعتبار وضع صوبجات و قرب و بعد مکانات و اختلاف اناس و اقوام بانحای کثیره واقع شده ؛ لهذا لهجهٔ هر صوبه و بلاد و محاورهٔ هر قوم و فریق متفاوت و متغایر است ، و زبان هریك ازینها نسبت بصاحبش در ملك دیگر «بهاکا» گفته می شود - پس زبان مردمان بنگاله را «بنگالی» و اهل پنجاب را «پنجابی» و سکنهٔ دکهن را «دکهنی» میگویند، و علی هذ القیاس - و درین رساله، (ه الف) که صرف و نحو زبان هندی دران بیان نموده می شود، نه مراد مولف تحقیق زبانهای کثیرهٔ مذکوره است ، بلکه مقصود و مطلوب ازان دریافتن صحت الفاظ خاص و معلومات تراکیب معینهٔ کلامیست که مختص و موضوع بمحاورهٔ اردوی معلی باشد و بس ؛ زیراکه بنای تقریر و تحریر تمام اعزهٔ عالیمقدار، و مدار کلمه و کلام جمیع شرفا و نجبای نامدار و شعرای ذوی الاقتدار، که فی زماننا بر مسند اعتبار جادارند ، بر همین محاوره موقوف است.

و اردو عبارت است از زبانی که بعد اختلاط و ارتباط الفاظ پنجابی و میواتی و برج ، که زبان اضلاع قرب و جوار دار الخلافۀ شاهجهان آباد است ، با کلمات فارسی و عربی و دیگر زبانها، از کسر و انکسار ثقالت و سخافت اصلیء هر لغت باصلاح صحبت همدیگر، مثل کیفیت متوسطه، که با عتقاد اطبا در مرکبات از معاجین وغیره حادث میگردد ، پیدا شده ساتر عیوب جمیع زبانهای ممزوجه گردیده است؛ و بمرتبۀ حسن و لطافت دران یافته می شود که از روی متانت و وسعت و لطافت و فصاحت پهلو بعربی میزند ، و بکمال(٥ ب) صفاو عذو بت بر فارسی تفوق می جوید۔

وسبب حدوث این زبان نفیس اینست که چون سواد اعظم هندوستان و منافع این زمین منفعت بنیان نسبت باقالیم دیگر اوفر، و زر ریزیء این ملك باکناف جهان هویدا واشهر ، و نیز پایۀ سلاطین و امرای این کشور از شوکت و ثروت و همت و سخاوت رفیع و منیع تر از عماید دولت و ارکان سلطنت اقالیم دیگر است ، بالضروره دانایان دهر و عاقلان عصر و کاملان هرفن و هنر از فضلا و علما و شعرا و نجبا، هرجا که بودند ، از اطراف عالم واکناف جهان رو باین سواد اعظم مراد توام آورده ، بمقاصد و مرادات دلخواه رسیدند ، و اکثری از آنها بهمین زمین ارم تزئین توطن ورزیدند پس از سبب آمد وشد دربار و درپیش شدن معاملات بامردم این دیار، از حرف زدن باین لغت چاره ندیدند۔ ناگزیر درین صحبت، اینها از آنها و آنها از اینها ، در حین مکالمه ، بقدر کفایت از الفاظ همدیگر می آموختند و کار بر می آوردند۔ چون مدتی برین نحو گزشت و عمری صرف شد ، از امتزاج الفاظ و ارتباط کلمات در یکدیگر

حالی بهمرسید ، که آنرا زبان تازه (٦ الف) توان گفت ؛ چه نه عربی عربی ماند و نه فارسی فارسی، و بهمین قیاس هر «بهاکا» از زبانهای ممزوجهٔ هندی نیز بر اصل خود نماند لیکن این حالت هم بر نحو واحد، چنانچه باید، هنوز قرار نگرفته بود ، و بمرتبهٔ اعتدال فصاحت که حالا دارد نرسیده؛ بلکه از افراط و تفریط ، یعنی ، از انتقال زبان قومی دفعة بزبان فرقهٔ دیگر ، فرقی بین و تغیری آشکارا یافته می شد؛ تا اینکه هیچ فقرهٔ و مصرعی از عیب تنافر و ثقالت بری نبود ، و باندك توجه بوی خامی و فجاجت و رنگ بیر بطی و سخافت از ترکیب آن کلام دریافت میگردید.- ومع هذا هر قومی و هر فرقهٔ محاورهٔ خویش را بر دیگری ترجیح میداد ، و بزعم خود برو تفوق می جست - ناچار عقلا ودانایان چنین قرار دادند که کلمات سنجیده و الفاظ پسندیده، از هر زبان و هر محاوره که باشد، بصحت و درستی ازان برچیده ، بوضعی که مفید مطلب بآسانی و دور از تنافر و ثقالت زبانی بود، در کلام می آمده باشد ؛ ولغات ثقیله که محدث تنافر و مخل فصاحت اند، آوردن آنها بهیچ وجهی نشاید، تا کلام از رتبهٔ فصاحت و پایهٔ بلاغت فرونیفتد ، بلکه خیلی صاف و مانوس طبع و قریب الفهم هر وضیع و شریف بوده باشد؛ (٦ ب) و موافق همین قاعده که ضبط گردیده ، بدربار سلاطین و امرا و بارگاه خواقین و وزرا، همه نجباو شرفا بیکدیگر حرف میزده باشند.- چون صورت شاهد این مطلوب بر غرفهٔ استحسان جلوه گری نمود ، نام همین محاورهٔ خاص باردوی معلی شهرت گرفت - لیکن این زبان باشروط مذکوره یافته نمی شود مگردر بعضی باشندهای شاهجهان‌آباد که درشهر پناه سکونت دارند ، یازبان اولاد این بزرگواران ، گو از چندی این صاحبان یا اولاد اینها بشهرهای دیگر هم رفته ، سکونت ورزیده

باشند ۔ چنانچه از همین جهت زبان مردمان لکهنؤ ، که از قدیم الایام باشندۂ آن بلده نیستند و نبودند ،درزمان حال بفصاحت نزدیکتر از دیگرانست۔ سبب غالب آنکه وزیر الممالك نواب آصف‌الدوله مرحوم در بلدۂ مذکوره سکونت گزیده بود، و رؤسای شاهجهان‌آباد، بتوقع ترقیء وجه معاش و ضیق کوچۂ تلاش جای دیگر ، بیشتر درین جایکی بعد دیگری وارد شده ، راحت خود مشروط باقامت درین شهر یا فتند۔ علی الخصوص شعرای شیرین کلام و دیگر خوش بیانان ،که مدار محاوره برین بزرگان است ، همه به بارگاه وزیر ممدوح حاضربودند (۲ الف) و مدتها بسر بردند۔

فایده۔ بدانکه تنقیۂ کلام و تصفیۂ این زبان فصاحت انجام بمرتبۂ اعلی که تسمیۂ اردو را لایق باشد و مختار فصحا و بلغای عصر گردد ، ابتداء از دورۂ فردوس آرامگاه صورت گرفته است ۔ چه شاعران و ظریفان نسبت بازمنۂ دیگر درانوقت بسیار بهمرسیدند ، و شعررا بطرز خودها می گفتند ۔ رفته رفته لطافت این صناعت بتحقیق و تدقیق افصح الفصحاو ابلغ البلغا ، خاقانیء عصر ، فردوسیء زمان ، انوریء دهر ، عرفیء دوران ، وحید زمانه ، محقق یگانه ، ملك الشعرای هند ، سلطان هر ظریف و رند ، مغفور و مرحوم ، مرزا محمد رفیع المتخلص به سودا ، غفر الله ذنوبه ، بمرتبۂ کمال رسید ؛ تا آنکه شان لطافت و صفای آن بمذاق متاملان منصف برشوکت فارسی چربیده ۔ چراکه صورت قصاید را بطرز اوستادان فارسی ، اوّل کسی که بزبان هندی بلوح هستی حسن جلوه داده ، همین نقاش معانی بوده است ۔ و بعضی تصفیۂ محاورۂ اردو را بصفائی که مروج است بمرزا جان جان المتخلص بمظهر ، که یکی از مشاهیر صوفیۂ این عصر گزشته ، نسبت

دهند - والله عالم -

بالجمله آنچه از محققان بتحقیق پیوسته اینست که مبصریء جواهر کلمات و نقادیء نقود الفاظ ، (۷ ب) ازمردود و مقبول و متین و سخیف و مروج و متروك ، بقید کثرت محاوره و صحت لغت که بر زبان شرفا و نجبا و اعزه جاری باشد ، و تالیف شعر بمتانت تمام بطور قصاید اساتذه از فارسی گویان ، تعلق بمرزا محمد رفیع دارد؛ و ساده گفتن شعر از تکلف ایهام و دیگر صنعت نامطبوع ، که رسم شعرای دورهٔ فردوس آرامگاه بود ، و معنی را قریب الفهم بوضعی با صفا و متانت بستن ، که سامع محتاج شرح و لغت دم استماع نشود ، و درگفتن هر قسم شعر از قصیده ورباعی و غزل و مرثیه و مثنوی وغیره در هر باب متتبع و مقلد فارسیان بودن ، بناگزاشتهٔ مرزا جان جان مظهر است - و یافته شدن چند الفاظ متروکه در کلام سلطان الشعرا ، مثل لفظ «ستی» بمعنیء از و «نین» که چشم راگویند، خواه بروزن عین ، خواه بروزن حفن بهر صورت که بنظر در آید و «آنجهو و آنجهواں» که بمعنیء اشك و جمع آن ست و «خنجر» بر وزن حجر ، و «قلق» ساکن الاوسط بمعنیء بیقراری و «بان» بمعنیء تیر و «هم» بجای همنے و «تو» بجای تو نے یا «تیں» بجای تمنے و امثال اینها که در کلام آن مغفور یافته می شوند ، هرگز هرگز موجب نقص کلام (۸ الف) آن بیعدیل نتوانند شد - چه آن مرحوم چون ابتداء خود واضع این طرز عالم پسند شده بود ، ودران آوان درالفاظ متروکه و مستعمل بآن مرتبه فرق و امتیاز حاصل نشده که کلمات تمام زبان مالایحصی ازهم متمیز و متفرق گردیده باشند ، ناچار الفاظ شمرده بصورت اصلی ازان دیوان بلاغت بنیان بر می آیند - حالانکه درآخر وقت خود ، آن خلاق معانی از ایراد

چنین الفاظ کراهت میداشت و اتباع خویش را بتاکید نہی می نمود ۔ اما چون کلام دلاویز سابق او ، بسبب کمال شهرت ، برالسنهٔ صغیر و کبیر بکثرت جاری‌شده بود ، و اخراج این الفاظ ازان خارج الامکان می نمود ، لهذا بهمان صورت باقی ماند بنـاء علیه از شعرای حال کسی آن الفاظ را در تقریر و تحریر نمی آرد و اگر بیارد ، دال بر نسا آگاهیء اوست ۔ و جماعت مرثیه گویان و منقبت گویان هندی که کلام ایشان سرتاپا از قبایح لفظی و عیوب معنوی مملو و مشحون است ، و هرگز ایشان را نظر برآن نیست ، بلکه نخریه نسبت خود بمسکین عاجز و هوشدار بیهوش و میرن بی علم نموده ، سند غلطیهای خویش از کلام اینها می آرند ، و هریك را (۸ ب) امام خود دراین باب میدانند ، مع ایمهٔ خودها از طبقهٔ شعرا خارج اند ۔ چه این بی بصران نمیدانند که مرثیه هم یکی از اقسام شعراست ، بلکه میگویند که چیزی که در شعر روا نیست در مرثیه جایز است ۔ الحاصل اگر بنابر حصول سعادت و ثواب یا برای تکمیل کلیات خود از اقسام شعر ، کسی از شعرا مرثیه بگوید ، لازم است که درین میدان هم برکیت ارادت راه تلاش بتقلید ملك الشعرا جوید ، تا راه فصاحت بیانی و صحت لفظی و معنوی غلط نکرده باشد ۔

و نیز باید دانست که چون وضع این رساله بنابر دانستن صرف و نحو محاورهٔ اردو است ، و اختلاط الفاظ عربی و فارسی درین زبان زیاده از حد حصر ، بضرورت لازم آمد که این رساله جامع ببعض از قواعد فارسیه هم بوده باشد ، چرا که اکثر احتیاج می افتد بآن ؛ لهذا باب اول این عجاله بالتمام در همان قواعد نوشته شد ۔ هر چند که اکثری ازان در الفاظ هندی من حیث الهندیة بکارنمی آیند ؛

اما چون بتوسط ارتباط الفاظ فارسیه و عربیه در بعض تراکیب گنجایش پزیراند ، ناگزیر به تحریر در آمدند. و هر قاعده که در هندی و فارسی مشترك یافته شده ، بدان هم ایما نموده (۹ الف) آمد.

و چون معلوم شد که مراد از محاوره زبانیست که بدربار امرا و سلاطین هند ، جمیع شرفا و نجبا و فضلا و شعرا بدان حرف میزنند ، و هر لفظی که دران بتقریر می آید ، آن لفظ لفظ صحیح و مستعمل می باشد ، مثلا اگر عربی یا فارسی یا ترکی است ، ضرور است که آن لفظ ازروی وضع اصل لغت خود صحیح و بامحاوره بوده باشد ؛ و اگر هندیست ، باید که از روی آن بها کا که ماخذ آنست صحت مذکوره داشته باشد ویا صحیح باستعمال اهل اردو بود ، مانند لفظ «مکرنا» که مرادف منکر هونا بهمعنیء منکر شدنست و «دوانا» که اصلش دیوانه با یای تحتیه است و «رینگنا» بکسر را و سکون تحتیه وغنه و کاف عجمی ونون مفتوح بالف که عبارت از صدای حمار است و اصلش «رینکنا» بکاف تازی ست در زبان برج و دوآبه، و «دلی» بکسر دال وتشدید، زبان زنانست ، و «صفیل» بتقدیم صاد مهمله بر فا که اصلش فصیل است ، و امثال این الفاظ که بسماعت از زباندانان به ثبوت پیوسته. تمام کلمات این محاوره که صرف و مستعمل در تحریر و تقریر می شوند ، باید که بنحوی باشند که بی تکلف و بی تصنع قایل، بر زبان هر صغیر و کبیر و جمیع برنا و پیر از اصناف (۹ ب) مذکوره ، بمقام و محل خودها ، بی گرفته شدن زبان ، زبان زدو مستعمل می شده باشند؛ تا سامع را بحصول ملکهٔ ، که بکثرت سماعت کلمات موصوفه از سابق حاصل دارد ، وقت استماع درفهم و ادراك کلام تامل و تردد رو ندهد بخلاف اجتهاد بعض بزرگان که فی زماننا فقط نظر براشتهار خویش

لغات عربیهٔ خارج از محاوره و الفاظ ثقیل را بتکلف در کلام می آرند و سخن را از پایه اش می اندازند و باین صفت از اقران ترفع می جویند.

فایده۔ بدانکه بنای الفاظ این زبان و کلمات این محاوره، برسی و شش حرف است، اگر همزه براسه دراعداد حروف شمار کرده شود، والا برسی و پنج۔ و آن اینست،

ا، ب، پ، ت، ٹ، ث، ج، چ، ح، خ، د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، ژ، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ك، گ، ل، م، ن، و، ه، ء، ی۔

و این حروف دو قسم اند، منفرد و مشترك۔ منفرد قسمی راگویند که سوای لغت واحد بزبان دیگر نیامده باشد، چون حروف ثمانیه، یعنی، ثا و حا و صاد و ضاد و طا و ظا و عین و قاف که فقط بکلمات عربیه اختصاص دارند؛ لهذا در الفاظ فارسی هیچ حرف ازین حروف نمی باشد و هر جا که بنظر (۱۰ الف) در آید، باید دانست که آن لفظ در اصل وضع باین حرف نبوده است، بلکه برای رفع التباس یا ضرورتی دیگر متاخرین باین وضع آنرا در رسم خط مروج گردانیده اند، مانند لفظ «صد» «وشصت» و «طپیدن و «طلا» که بمعنیء مایهٔ وستین و بیقرار شدن و زر است، و امثال ذلك۔ و ژای عجمی که فقط بالفاظ فارسی خصوصیت دارد وٹای و ڈال و ڑای هندی که هرسه ثقیله اند، فقط بزبان هندی، یعنی کلمات هندی الاصل، تعلق دارند۔ باقی همه مشترك اند۔

مخفی نماند که غرض راقم از عدم اشتراك در دو زبان باعتبار السنهٔ مشهورهٔ مروجهٔ ما مردم است۔ لغت دیگر، مثل الفاظ فرنگی

وغیر آن درینجا داخل بحث نیست - بالجمله مخصص و ممیز حروف ثلثهٔ
هندی در رسم خط صورت طای حطی است که برسر هریك در
کتابت مفردة می نگارند، تاثقیله بفوقانی و مهملتین بڈال و ڑای هندی مشابه
نشوند، و قاری را بغلط نیفگنند - اگرچه حروف دیگر از هندی نیز
هستند که در اصل وضع بآن لغت مخصوصند، و حالا بکلمات محاوره
بسیار آمیزش دارند، لیکن چون بنای ریخته، که عبارت ازین زبانست،
درشعر و کتـابت (۱۰ ب) هم مطلقـا بر تقلید فارسی و فارسی گویان
است، لهذا آن حروف اعتبار کرده نمی شوند؛ بلکه در کتابت و
قرأت تابع فارسی میگردند؛ چنانچه لفظ «گهر» بالفتح که بمعنیء خانه
و لفظ «کهر» که بمعنیء سم است، این هر دو کلمه دراصل زبان
مرکب از دو حرف اند، که «کها و گها» ورای مهمله است - و
«کها و گها» دربهاکای هندی یك حرف است، و در رسم خط آن
بهاکا تحریر این حروف نیز بحرف واحد؛ لیکن در کتابت ریخته، که
بطرز فارسی است، بکاف تازی و عجمی و های هوز ورای مهمله
می نگارند - از ینجاست که در تحریر این نوع کلمات، سه حرف
نوشته می شوند، حالانکه دراصل ترکیب این کلمات دو حرف اند -

و در حروف مشترکهٔ عامه (۱) همزه هم داخل است و باعتبار
عربی وجودش موجود؛ چه هرچه متحرك است ابتداء و ساکن است بضغطهٔ
زبان، عرب آنرا همزه خوانند، والا الف - و در فارسی همزه نیز
الف گفته شود - لیکن ژای عجمی را از حروف اربعهٔ فارسیه، که
مختص بکلمات اصل خود است، بخلاف اخوات آن که گاف و پا و
جیم فارسی اند، اکثر فصحا بجیم تازی بدل کرده بنابر رفع ثقالت

(۱) دراصل «که همزه» -

می‌خوانند وبعضی مردمان بر اصل آن. و بعضی (۱۱ الف) حمقای بی اصل که خود را قابل و خبیری دانند، حای حطی و عین سعفص را در کلام موزون و غیر موزون، برای نمود خود درمجالس، با علان حلقی بودنش بموجب قاعدهٔ قرأت تلفظی می نمایند. و این همه تکلف بیجا است و گمان آنها سرا سر خطا؛ چه اگر اصل این حرکت چیزی می بود، همه دانایان و فصیحان تمام حروف تهجی را در همه کلمه و کلام خود برعایت قوانین قرأت و قواعد تجوید تلفظ میکردند. تخصیص همین دو حرف چه معنی دارد؟

فایده. باید دانست که در کتابت چون صورت الفاظ با یکدیگر مشابهت دارد، برای تفرقه از همدیگر اوستادان قیدها مقرر نموده اند، تا رفع التباس گردد. چنانچه بای عربی را باعتبار نقطهٔ او که واحد است گاهی بموحده و گاهی بلفظ عربی یا(۱) تازی می نویسند؛ و بائی که منقوط بنقوط ثلثه است، آنرا بفارسی یا عجمی، و آنکه دو نقطه بالا دارد، آنرا بقید مثنات فوقانی یا فقط بفوقانی، و آنکه سه نقطه بالای اوست، آنرا بمثلثه، و جیم منقوط به نقطهٔ واحده را جیم تازی یا عربی، و آنکه سه نقطه دارد، آنرا بجیم فارسی یا عجمی، و حای حطی و دیگر حروف را که نقطه نداشته باشند و با حروف (۱۱ ب) منقوطه بتجنیس خطی مشابه اند، مهمله و مقابل را معجمه می نگارند؛ و ٹای هندی و ڈال هندی و ڑای هندی، این هر سه را گاهی به ثقیله و گاهی به هندی تعبیر کنند. و بعضی این حروف را بکلمات ابجد تفرقه می‌نمایند، چون، حای حطی و های هوز و تای قرشت و صاد سعفص و ضاد ضظغ و امثال ذلك. و کاف را نیز اگر

---

(۱) دراصل، «و بلفظ عربی بای تازی»

فارسی است بفارسی و عجمی ، والا بتازی و عربی ، و یا را بیای تحتانی و تحتیه فقط می‌نمایند -

و اعداد حروف هندی و فارسی با مشابه خودها در کتابت متحد اند، یعنی، عدد ٹای هندی بفوقانی و ڈال هندی بمهمله و ژای ایضا هکذا . و حروف تازی و فارسی واحد اند در اخراج اعداد خودها، خواه بطریق زبر باشد، خواه بطریق بینه - زبر طریقی را میگویند که معروف است ، یعنی ، از الف ابجد تاطای حطی احاد، و از یای حطی تاصاد سعفص عشرات ، و از قاف قرشت تاظای ضظغ مآت ، و برای غین هزاراند - و طریق بینه آنست که نام هر حرف را ملاحظه نمایند که از چند حروف ترکیب یافته ؛ مثلا ، الف که از الف و لام و فا مرکب است ، حرف اول آنرا گزاشته ، عدد حروف باقی را (۱۲ الف) حساب نمایند ؛ چنانچه باین حساب برای الف یکصدوده عدد مقرر است - و برین قیاس اند (۱) باقی حروف -

(۱) اصل «این» بجای «اند»-

خاتمه

در تذکر (ة) الشعرا

یعنی ، دربیان اسامی و قدری احوال بعضی از شعرا که بتقریب مثال ، کلام فصاحت نظام این بزرگواران درین رساله مندمج گردیده ، تا مطالعه کننده را از حالت و قوت و مرتبهٔ هریك فی الجمله وقوف و آگاهی بوده باشد -

و ایشان ، باعتبار معلومات فن و قوت طبع و چستیء تالیف و شیرینیء کلام و شهرت خلق ، سه طبقه می شوند - واکنون شروع می رود بذکر صاحبان طبقهٔ اولی ، یعنی ،

اول از طبقهٔ اولی ، چمن آرای حدیقهٔ فصاحت ، نخل پیرای گلشن بلاغت، آب و رنگ بوستان سخندانی ، بلبل خوش لهجهٔ گلزار معانی ، امیر فصحا ، سرحلقهٔ ظرفا و بلغا ، ملك الشعرا ، مرزا محمدرفیع المتخلص (۱) بسودا ست، (۱۸۷ ب) غفر الله له، که آوازهٔ سخنوریء او عالم را

---

(۱) گلشن گفتار، ۷۳؛ نکات ، ٦ب؛ گردیزی، ۱۴ب؛ فص، ۲۰۴ الف؛ مخزن، ۳٥؛ چمنستان، ۳۲۷؛ حسن، ۲٦ب؛ گلز، ٦۲ الف؛ لطف، ۱۰۳؛ عقد، ۹۴ ب؛ تذکره، ۴۴ الف؛ نغز، ۱ ، ۳۰۴؛ شیفته ، ۳۸ب؛ نتایج ، ۲۲۲؛ گلدسته، ٦٥؛ طبقات، ۱۰۹؛ سرا ا، ۳۷۹؛ مختصر ، ۸۸؛ جدولیه، ۱۳۹؛ شمیم، ۲٥؛ سخن، ۲۲۲؛ آبحیات ۱۴۸؛ طور، ٥۱؛ خمخانه ، ۴ ، ۲٦۳؛ گل، ۱۳۲؛ انتخاب ، ۸؛ قاموس، ۱، ۳۱۱؛ عسکری ، ۱۲۷؛ جواهر، ۲، ۲۴۲؛ اشپرنگر، ۲۸٥؛ بلوم هارٹ، ۲۸ -

مولوی قدرت الله شوق رامپوری در تکملة الشعرا (۱۴۷ب) نوشته، «مرزا رفیع سودا تخلص ، متوطن دهلی، از اکمل و اشهر شعرای ریخته گوی هندوستانست- در ریخته گوئی عدیل و نظیر خود درخطهٔ هندوستان نداشت، و دم استادی و ملك الشعرائی میزد- درغزل و مثنوی ورباعی یکتای وقت خود بود؛ خصوصا درقصیده گوئی بیمثل(باقی)

فراگرفته ، و شهرهٔ اوستادیء او از قاف تابقاف در رفته - شاعری بود

(بقیه) و بی بدل بود - احوالش مفصل در «تذکرهء هندی» بتحریر آمده - دیوان کلیات او در ریخته قریب چهل جز دارد - گاهی فکر شعر فارسی هم می کرد - اشعارش قریب دو سه جز بنظر رسیده»-

مردان علی‌خان مبتلا، درگلشن سخن (٥٦ب) گفته، «سودا، اسمش مرزا محمد رفیع مولد و موطنش دارالخلافهٔ دهلی - اعجوبهٔ زمان و سرخیل ریخته گویان هندوستان بوده - درجمیع فنون نظم، خاصه درقصاید دقت بسیار بکار برده - بزبان نکته سنجان بمسلم الثبوتی مشهور، و اشعار لطافت شعارش در چارسوق معانی مستندالیه جمهور - الحق مرتبهٔ ریخته گوئی بجائی رسانیده که شاهباز بلند پرواز فکرت به پیرامون او نمی تواند پرید؛ واشهب جهان گرد وهم و خیال بگرد او نمی تواند رسید - بالجمله آن مخترع فن تازه ازبدو شباب تاشصت سال در دهلی برفاه و عزت و حرمت و روشناسیء وزیر و امیر بسر برد - بعد ویرانی و خرابیء آن دیار نقل و حرکت نموده، چندی در فرخ آباد نزد نواب احمد خان گزرانید، و بعد وفات او بلکهنؤ آمد و ساکن گشت - نواب شجاع الدوله بهادر مرحوم کلمات شفقت و مروت بمرزای مزبور مرعی میداشت - تاحال که سنه یکهزار و یکصد و نود و چهار (است) در لکهنؤ استقامت دارد - کلیاتش از اقسام سخن شش هفت هزار بیت خواهد بود» -

عاشقی، درنشترعشق (۳۳۲الف) می گوید، «سودا، میرزا محمد رفیع ابن میرزا محمد شفیع مولدش شاهجهاناباد است - بسبب موزونیت طبع بآغاز حال تلاش نظم فارسی می کرد، و از سراج‌الدین علی‌خان، آرزو تخلص، اصلاح میگرفت - خان آرزو فرمود که — پایهٔ کلام فارسی بسیار عالیست، وزبان ماوشما هندی - و هر چند مردم هندی فارسی دانی را بمدارج ارتفاع رساند ، الا بااستادان سلف و ایران زمین ، که زبان ایشانست ، بجز چراغ پیش آفتاب رتبه ندارد - و در ریخته گوئی تاحال کسی شهرت نیافته - لهذا اگر باین زبان مشق سخن نمایند، شاید از فیضان طبیعت سرآمد این دیار گردند -

چون صلاح مستحسن بود، پسند خاطرش افتاد، وازان روز بگفتن شعر ریخته طبع در داد ؛ و بعد از مشق درانداك فرصت استاد شعرای ریخته گو گردید؛ وبانیء مبانیء زبان دانیء ریخته گشت ، که جمیع ریخته گویان هند وی را امام این فن و پیغمبر سخن می دانستند - اگرچه جمله طرز کلام را استادی بود حاوی ، الا در مدح و قدح ، که مراد از هجو و قصیده باشد ، اعجاز بکار برده، و قصاید ریخته بر قصاید ملاعرفیء شیرازی پهلو به پهلو گفته وبهم رسانیده - غرض که مخترع و موجد این زبان و طرز خاص است که مثل او کسی ریخته گررا این مرتبه دست نداده؛ وکسانی که دم ریخته گوئی می زنند وزبان باین دعوی می کشایند، خوشه چین و راه نموده اویند که بر آن قدم می نهند -

بعد تخریب دهلی از آمدن مکرراحمدشاه درانی ، وطن خود را خیرباد گفته به تماشا برآمد، و در فرخ آباد و لکهنؤ مدتی گز رانید - هرکجا می رفت ، مردم آن‌بلده (باقی)

مسلم الثبوت - بهرقسمی از کلام که دست انداز شده ، چنانچه باید و

(بقیه) و والیء آن قصبه ذات مغتنم الوجود او را بساعزیز می دانستند، و باوی بسلوك پیش می آمدند ، و قدروی می نمودند ، و خاطروی می کردند - آخر حال در شهر لکهنؤ فی سنهٔ یکهزار و یکصد و نود و پنج ودیعت حیات بجان آفرین سپرده رهگرای منزل اصلی گردید، و بامام باڑہء آقاباقر، که جای قبولیت است ، مدفن یافت - میرغلام همدانی متخلص به مصحفی در تاریخ او این مصرعه بهم رسانیده، «سودا کجاوآن سخن دلفریب او» و رامی گفته ،

در سخن لطف کجا ماند که از حکم قضا	بادل پر هوس ، ای‌وای ! مرده سودا
رامیء غمزده تاریخ و فاتش بنوشت	«زجهان لطف سخن، وای!بمرده سودا»

و راقم از هر دو مصرعهٔ این بیت، سال وی بر آورده ،

مپرس از من که اردو حال چونست	نه سودا ماند نه لطف سخن ماند

گاه گاهی بتلاش فارسی هم متوجه می‌شد» .

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روز نامچهٔ خود (۴۷ الف) می نویسد، «مرزا رفیع‌السودا بقصیده گوئی و مضامین تازه در مدح و قدح سر آمد روزگار خود بود؛ مگر پابند صحت الفاظ زبان دیگر نبود - «افتاوا» بجای آفتابه، و «محل» بسکون دوم بجای متحرك، و «مبرهن» بسکون باوفتح را، بجای فتح باوسکون را آورده است».

میرولی الله ، در تاریخ فرخ‌آباد (۱۵۱ الف، نسخهٔ کتابخانهٔ حافظ احمد علی خان مرحوم) می‌فرماید، «میرزا رفیع السودا، متخلص بسودا، از میرزایان شاهجهان آباد است. در عهد نواب احمد خان غالب جنگ ، وارد فرخ‌آباد شده ، در سرکار مهربان خان ، دیوان نواب، چند سال مقیم بود ، و شعرای آن زمان او را استاد خود می شمردند - و آخر عمر به لکهنؤ واردگردیده، با شعرای آنجا مشاعرات و مشاجرات کرده و فات یافت»

باتفاق اهل تذکره، وفات سودا درهمان سال واقع شده که در متن از و ذکر رفته است. شاه‌محمد حمزه مارهروی، در ذیل تاریخ محمدی، سودا را در و فیات ۱۱۹۵ھ(۸۱-۱۷۸۰ع) مندرج ساخته ، و باز در فصل‌الکلمات گفته ، که «یکی از تلامذه اش محمد قایم نام ، که بالفعل رفیق نصرالله‌خان ، نبیرهء علی‌محمدخان است، تاریخ و فاتش چنین بقلم آورده ،

آہ ! مرزا رفیع دنیا سے	جاکے جنت میں جب مقیم ہوا
درد فرقت سے اوس کے مثل قلم	اہل معنی کا دل دو نیم ہوا
سال تاریخ کی تھی مجھہ کو تلاش	کیوں کہ بس حادثہ عظیم ہوا
اس میں پیرخردنے از سر یاس	یہ کہا «اب سخن یتیم ہوا»

اما در حصن المتین (ص ۱۴۳ ، شماره ۶۹۳ ، تاریخ عربی ، کتابخانهٔ آصفیه ، حیدر آباد) نوشته که سودا در اوایل ۱۱۹۶ھ (۸۲-۱۷۸۱ع) فوت شد - نزد بنده ، اطلاعی درست نسبت برحلت سودا بدست مو افش نیامده است -

کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور ، ۷ نسخهای خطیهٔ دیوان و کلیات سودا را دارا است -

شاید، از عهدهٔ آن بیرون آمده ؛ بلکه آن کلام را بمرتبهٔ رسانیده
که قوت هیچ موزونی بادای آن نمی رسد - غزل را بآن پاکیزگی و
ملاحت ادا نموده که اگر می بود، صایب خود داد آن می داد ؛ و رتبهٔ
قصیده بآن متانت و علو رسانیده که عرفی اگر میخواند ، تلمیذانه
سر ادب بپایش می نهاد - درادای حق مدح و منقبت ، اگر گویم ، گوی
مسابقت از سلمان و ظهوری ربوده؛ و در ذکر هجوو مذمت، اگر
برشمارم ، صدها دریچهٔ استهزا و سخریه برروی هزلیات انوری و شفائی
کشوده- کلامش بالتمام تبصره و سند است جهت جمیع شعرا ؛ و تالیفش
سراسر آئین و دستور است پیش همه بلغا - غرض هر چه گفته‌است ،
چنان گفته که کسی نمی تواند گفت- قید ریخته که فقط برمحاورهٔ اردوی معلی
منضبط ساخته، و بنظم قصیده درین زبان بطرز فارسیان که نخست پرداخته،
همین صاحب کمال بود - احسان این صفت وحق این صنعت بر گردن
جمیع شاعران و فصحای هند مدام ازو باقی است - معهذا دیگر اوصاف
و کمالات آن بیعدیل، که با نفس شریف خود جمع داشت ، چه‌گویم ؟ از
آداب صحبت ملوك وسلاطین و آگاهی بعلم موسیقی و طرح نهادن
بر سلام و مرثیه های گفتهٔ خود و تهذیب اخلاق و تالیف قلوب و علم
مجلس وغیره (۱۸۸ الف) چه هنرها که درذات کامل الصفات اونبودند؟
مدام بصحبت امرا و وزرا گزرانیده ؛ همیشه بخلاع ثمین و حائزهای
سنگین از خدمت اینها سرافراز بوده - مدتست که در لکهنؤ شربت
ناگزیراجل چشیده ، زندگانیء بی اعتبار را جواب داد؛ وکلیات ضخیم (۱)
که مملوبهمه قسمها (ی) سخن است، مثل داغ مهاجرت خویش ، بر صفحهٔ
روزگار یادگار گزاشت - مرقدش در امام‌باڑهٔ آغا باقر مرحوم ، و

(۱) اصل، «ذخیم»

تاریخ و فاتش این است - مصحفی می گوید - تاریخ ،

مرزا رفیع ، آنکه زاشعار هندیش

هرگوشه بود در همه هندوستان غلو

ناگه چو در نوشت بساط حیات را

گردید مدفنش زقضا خاك لکهنؤ

تاریخ رحلتش بدر آورد مصحفی

,, سودا کجا و آن سخن دلفریب او ،،

چند شعر از کلام آن مغفور تبرکا درین مقام هم ایراد می یابد-(۱) فقط

سودا ، گرفته دل کو نه لاوو سخن کے بیچ

جوں غنچه، سو زبان هے اوسکے دهن کے بیچ

جس نے ندیکھی هو شفق صبح کی بہار

آکر ترے شهید کو دیکھے کفن کے بیچ

میں دشمن جاں ڈهونڈ کے اپنا جو نکالا

سو حضرت دل ، سلمه الله تعالی !

کہتا هے نگه سے یه ترا گوشۂ ابرو

دیکھے جو کوئی خون گرفته ، تو لگالا

اتنا هے تو یوسف سے مشابه، که عدم کے

پردے میں چھپا اوس کی تئیں ، تجھکو نکالا

حال دل سے مرے جب تك وه خبردار نه تھا

جز دم سرد، کوئی محرم اسرار نه تھا

پیار و اشفاق و وفا، مہر و محبت، الطاف

دل کو جس روز لیا، کونسا اقرار نه تھا ؟

(۱۸۸ب) صحبتوں کا، نه کرو، غیر کی مجھه سے اخفا

(۱) نیز ملاحظه شود بوستان اوده، ۹۵، و سودا مصنفۂ شیخ چاند مرحوم، و بیاض، ۱۳ -

کون سی شب تھی کہ میں وھاں پس دیوار نہ تھا؟

جو عمل چاھیے کیجے، مرے دوکھ دینے کا
وہ نہ کیجے کہ کہے کوئی، «سزاوار نہ تھا»

شبنم کرے ھے دامن گل شست و شو، ھنوز
بلبل کے خون کا، نہ گیا، رنگ و بو ھنوز

قد کو تیرے جس جگہ مشق خرام ناز ھے
اوس جگہ شور قیامت ، فرش پاانداز ھے
خط کے آتے ھی، چلے اکثر غلامی سے نکل
بندہ پرور، دیکھیے آگے ، ھنوز آغاز ھے
شاعران ھند کا تو ، گرچہ ، پیغمبر نہیں
پر سخن کہنے میں، اے سودا، تجھے اعجاز ھے

کیا جانیے ، کس کس سے نگہ اوسکی لڑی ھے ؟
جس کوچے(۱) میں جا دیکھو، تو ایک لوتھ پڑی ھے
ٹھہرا ھے تری چال میں اور زلف میں جھگڑا
ھر ایک یہ کہتی ھے، «لٹك مجھہ میں بڑی ھے»
گو پیر ھوئی شاعری سودا کی ، جوانو
تم سے نہ کھچے گی، یہ کماں سخت کڑی ھے

سود ، جوں شمع ، نہیں گرمیء بازار مجھے
ھوں میں وہ جنس کہ آتش دے خریدار مجھے
ھے قسم تجکو، فلك، دے تو جہاں تك چاھے
جلوۂ حسن اوسے ، حسرت دیدار مجھے
نہ پھرا ملك عدم سے کوئی یار ، اے سودا

---

(۱) اصل ، «کوچہ».

جانا اب ا(و)ن کی خبر لینے کو نا چار مجھے

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رھے، ھمکو بہت یاد کرو گے

نہ بھول، اے آرسی، گریار سے تجھکو محبت ھے
بھروسا کچھ نہیں اوس کا، یہ منہ دیکھے کی الفت ھے

اوس دل کی تف آہ سے کب شعلہ بر آوے؟
بجلی کو، دم سرد سے جس کے، حذر آوے
(۱۸۹ الف)ٹك داغ سے چھاتی کے سرك جاے جو پھاھا
آتش کے تئیں، قدرت خالق نظر آوے

افعی کی یہ طاقت ھے کہ اوس سے بسر آوے؟
وہ زلف سیہ، اپنی اگر لہر پر آوے
نامے کا جواب آنا تو معلوم ھے، ایکاش!
قاصد کے بدونیك کی مجھ تك خبر آوے
اب کے تو گیا ھے، پر اوسے دیکھیو، ناداں
پل میں نہ اوڑاتا وہ، اگر، بال و پر آوے

صورت میں تو کہتا نہیں، «ایسا کوئی کب ھے»؟
ایك دھج ھے کہ وہ قہر ھے، آفت ھے، غضب ھے
دشنام تو دینے کی قسم کھائی ھے، لیکن
(۱) جب دیکھے ھے وہ مجھکو، تو ایك جنبش لب ھے
یعقوب، ترے عہد میں یوسف کو جو روتا
کہتا میں کہ «یہ فہم (۲) پیمبر سے عجب ھے»

---

(۱) اصل، «جب دیکھے مجھکو وہ». - تصیح از کلیات سردا، ۲۳۶ الف شمارہ ۶۹۹، نظم اردو.

(۲) اصل، «پیغمبر». - و تصیح از کلیات مذکورہ.

کہتے ہیں جسے عشق، تو وہ چیز ہے، سودا
جوں ذات خدا، جس کے حسب ہے، نہ نسب ہے

عارض پہ حسن خط سے، دمک کیا ہے نور کی
یہ دود لڑ رہا ہے تجلی سے طور کی
طوفاں طرازیء مژۂ عاشقاں نہ پوچھہ
کچھہ آبرو رہی ہے نہ چشم تنور کی
سودا کو عاشقی سے رکھا چاہتا ہے باز
ناصح نصیحت اپنی سے، خوبی شعور کی!

باتیں کدھر گئیں وے تیری بھولی بھولیاں؟
دل لیکے بولتے ہو جو تم اب یہ بولیاں
اندام گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے چاک
جوں خوش قدوں کے تن پہ مسکتی ہیں چولیاں
کیا چاہیے حنا سر انگشت پر ترے؟
جس بیگنہ کے خون میں چاہیں ڈبولیاں
سودا کے ساتھہ صاف نہ رہتی تھی زلف یار
شانے نے بیچ پڑکے، گرہ اوسکی کھولیاں

(۱۸۹ب) «تونے سودا کے تئیں قتل کیا» کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے، تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں؟

سودا، قمار عشق میں شیریں کے، کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھوسکا
کس منہ پہ، پھر، تو آپ کہتا ہے عشق باز؟
ای رو سیاہ! تجھہ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

سودا جو کہے، گوش سے ہمت کے سنے تو
مضمون یہی ہے جرس دل کی فغاں کا
ہستی سے عدم تک، نفس چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا، سفر ایسا ہے کہاں کا!

نگری آباد ہے، (۱) بسے ہیں گانوں
تجھ بن، اوجڑ پڑے ہیں اپنے تھانوں

منڈا کر خط کو، کیوں کانٹے تم اپنے حق میں بوتے ہو؟
یہ عارض گل نہ ہووینگے، عبث سبزہ بھی کھوتے ہو

بسان دانۂ روئیدہ، ایکبار گرہ
کھلی جو کام سے میرے، پڑی ہزار گرہ

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ، فکر روزی کا
تو آب و دانہ کو لیکر، کہو نہ ہو پیدا

سودا، پیء دنیا تو بہر سو، کب تک؟
آوارہ ازیں کوچہ بآں کو، کب تک؟
حاصل تو ہے یہ اس سے کہ تا دنیا ہو (۲)
بالفرض اگر یہ بھی ہوا، تو کب تک؟

دوم از طبقۂ اولی، متکلم سحرکار، شاعر جادو کردار، سلطان اقلیم فصاحت، فرمان فرمای کشور بلاغت، مونس و غمخوار جماعۂ عشاق نام برآوردہ باوستادی در تمام آفاق، سلطان الظرفا. سیدالشعرا، مملکت سخن را امیر، سید محمد تقی المتخلص بہ میر، (۳) نور اللہ مضجعہ، شاعری

(۱) اصل، «بسیں» - (۲) درین مصرع الفاظ دیگر هم مرویست -
(۳) نکات، ۲۶ الف؛ گردیزی، ۲۴ الف؛ فص، ۲۲۴ب؛ مخزن، ۴۰؛ چمنستان، ۲۶۱؛ حسن، ۱۱۳ الف؛ طبقا، ۲۳؛ گلز، ۱۷۰ب؛ لطف، ۱۵۲؛ عقد، ۸۷ب؛ تذکرہ، ۲۸ب؛ (باقی)

بود پر قوت؛ بر جمیع اقسام سخن (۱۹۰ الف) قادر؛ بهمه دقایق سخن وری

(بقیه) نغز، ۲، ۲۲۹؛ شیفته، ۱۷۷ب؛ نتایج، ۴۱۳؛ گلدسته ۳۶؛ طبقات، ۱۱۵؛ جد و لیه، ۱۳۹؛ مختصر، ۹۲؛ شمیم، ۲۶؛ سخن، ۴۷۹؛ بوستان اوده، ۹۶؛ آبحیات، ۲۰۳، ۲۴۱؛ گل، ۱۵۰؛ انتخاب، ۲۰؛ قاموس، ۲، ۴۴۲؛ عسکری، ۱۶۹؛ مقدمهٔ مثنویات میراز سید محمد؛ بیاض، ۲۵؛ جواهر ،۲، ل؛ مقدمه کلیات میر ،مرتبه آسی؛ اشپرنگر، ۱۷۵؛ بلوم هارٹ، ۳۲ —

خان آرزو، در مجمع النفایس (۴۰۴ الف) می فرماید، «میر محمد تقی المتخلص بمیر ، مولدش مستقر الخلافهٔ اکبرآباد است . در اول بمشق اشعار ریخته ، که بزبان اردو شعریست بطرز شعر فارسی ، توغل بسیار نموده؛ چنانچه شهرهء آفاقست ۔ بعد آن بگفتن اشعار فارسی بطرز خاص گرویده، قبول خاطر ارباب سخن و دانایان این فن گشت ۔ طبعش بمضامین تازه و غیرمبتذل معنی پرداز است ، و اشعار او بلطافت ادا و انداز ۔ از بسکه ذهن مناسب و طبع ثاقب یافته، در ابتدای مشق شعر رتبهٔ سخن را بپایهٔ انتها رسانید ۔ از چند سال بجناب معالی القاب ..عمدة الملك مهاراجه بهادر ...کامیاب فراوان فیوضات و بهره اندوز انواع احسان و پرداخت و احوال بفراغبال می گزراند... هر چند میر دیوان مختصر دارد ، اما غزلهای دردمندانه و عاشقانه می گوید» ۔

و قیام الدین حیرت، در مقالات الشعرا (۷۲ب) می گوید، «میر محمدتقی میر تخلص، همشیره زادهء خان آرزو مغفور است ۔ اکثر اشعار ریخته می گوید ۔ و تذکره متضمن احوال شعرای ریخته گو نیز تالیف نموده ۔ و هر هفته روزی بخانه اش اجتماع ریخته گویان و مشاعرات در ایشان می شود ۔ در شعر فارسی هم مهارتی پیدا کرده ۔ چند شعر خود را بخط خود نگاشته برایصاحب خداوند داده بود که داخل تذکره نمایند» ۔

و میر علاء الدوله اشرف علیخان ، در تذکرة الشعرا (۳۶۶ب) می نویسد، « میر تقی میر از ریخته گویان مشهور و همشیر زادهء سراج الدین علیخان آرزو است» ۔

و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۸۸ب) فرموده، «میر محمدتقی نام، میر تخلص، همشیرهزادهء سراج الدین علیخان آرزو است ۔ در فنون شاعری و قواعد دانیء فارسی یگانهٔ آفاق، خوصا در ریخته گوئی وحید زمانه و نهایت طاقست ۔ از اشهر شعرای هندوستانست از چند سال در بلدهء لکهنؤ بطلب وزیر الممالك آصف الدوله رفته است، و نواب موصوف با او برعایت پیش آمد ۔ تاحال کوس سخنوری در لکهنؤ می نوازد ۔ پنج دیوان ریخته و مثنویهای متعدده دارد در زبان هندی ۔ گاهی در فارسی هم تلاش معنیء تازه میکند» ۔

و مبتلا در گلشن سخن (۸۷ب) نوشته، «میر محمد تقی متخلص بمیر، شاگرد سراج الدین علیخان آرزو است»

و مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روز نامچهٔ خود (۷۳ب و ۷۴ الف) می نویسد، «تقی میر ، الفاظ زبان دیگر ، چه فارسی وچه عربی ، غلط نمی آرد ۔ حرکت هر جا که بنظم اوست، بحرکت دوم (؟) است ۔ و تعقید هم در کلامش کم است ۔ و در نشست کلمات بموقع و چستیء ترکیب بزمرهء معاصران ممتاز بود؛ لیکن مضمون تازه بدیوانش (باقی)

عالم و ماهر ـ غزل را بطرزی گفته که هیچکس نمی‌تواند؛ بلکه درین باب بملك الشعرا هم حرف است ـ چون کلامش، بسبب وسعت، جامع

(بقیه) کم توان یافت، وبعینه ترجمهٔ اشعار فارسی در ابیاتش بسیار. غالبا عمدا برای تعلیم ترجمهٔ نظم بنظم بدیگران گفته باشد ـ میفرماید،

تیرے قدم کا ہوگا جس جانشاں زمیں پر رکھیں گے سر کو اوس جا صاحبدلاں زمیں پر

حافظ گوید،

بر زمینی که نشان کف پای تو بود سالها سجدهء صاحب نظران خواهد بود

ونیز میرحروف صله بموقع آرد، مانند، سے و پر و کو و میدانم که در ریخته برای شهرت استاد همچنان باید؛ که در استعمال مفردات هندی هردو برابر اند، مگر الفاظ زبان دیگر ـ و ترکیب چست و سست و مواقع حروف روابط چه در گفتار عامه و خاصهٔ یك شهر، که مفردات کلام همه یکی باشند، بدین چیزها تفاوت در مراتب حسن و قبح کلام بسیار باشد ـ و الفاظ منردهء جناب میرمطبوع نی؛ چه‌گاهی یکسر هندیء دیهه می آرد وگاهی لغت قاموس»

و عنایت حسین خان مهجور، در مدایح الشعرا (۳٦ الف) می گوید، «اسم سامی و نام نامیء آن شاعر یگانه، وحید زمانه، کشاف اسرار مالا ینحلی، میرمحمد تقی، علیه الرحمه مولد و موطن آن صاحب سخن اولا شهر اکبرآباد، و بعده در شاهجهان‌آباد دهلی است» ـ

و از خط محمدمحسن المخاطب بزین‌الدین احمد، که برنسخهٔ دیوان چهارم میر، (محفوظ بکتابخانهٔ ریاست محمودآباد) ثبت افتاده، بدریافت میرسد که میر «بروز جمعه بستم شعبان المکرم وقت شام سنه یکهزار و دوصدوبست و پنج هجری (۱۸۱۰ع)، در شهر لکهنؤ در محلهٔ سٹهٹی، بعد طی نه عشرهء عمر، بجوار رحمت ایزدی پیوستند، وبروز شنبه بست و یکم ماه مذکور وقت دوپهر، در اکهاڑهء بهیم، که قبرستان مشهور است، نزدقبور اقربای خویش مدفون شدند» ـ (مقدمهٔ کلیات میر، آسی، ۸) ـ

و بر همین تاریخ اتفاق ارباب تذکره است، باستثنای انتخاب که درو غالبا از راه سهو ۱۲۲۲ه (۱۸۱۰م) نوشته شده ـ

در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور، ۵ نسخهای خطیهٔ دیوان و کلیات میر یافته می شود ـ یکی از ینها، که مشتمل بر هفت دیوان و فیض میر و ذکر میر می باشد، شیخ لطف‌علی حیدری بین ۲۷ رمضان ۱۲۴۵ه (۱۸۳۰م) و سلخ رمضان ۱۲۴٦ه (۱۸۳۱م) برای مرزا قنبرعلی صاحب، نوشته بود ـ از الواح زرین وجد اول رنگینش بوضوح می پیوندد که کاتب درنقل این نسخه اهتمامی بکار برده است ـ و از اول کتاب تا آخر ردیف الالام از دیوان سوم، دربین السطور و برحواشی مطالب اشعار را در زبان فارسی شرح کرده شده است ـ کاتب این حواشی، که بالجزم غیر کاتب نسخه است، هیچ جا اسم خود را نشان نمی دهد ـ اما بعید نیست که همان مرزا قنبرعلی صاحب باشد که برای او این نسخه نوشته شده ـ

اکثر کلمات محاوره افتاده، افادهٔ سند از ان نسبت بکلام مرزا زیاده تر است؛ اما تقلید و پیرویء او نهایت دشوار - اگر چه کلام فصاحت نظامش، مثل سعدی، بظاهر آسان نظر می آید، ولی ممتنع است - بیشتر شعرا مقلد او هستند و مطلق طرزش نمی‌یابند، بخلاف مرزا محمد رفیع که باوجود کمال پختگی، که دارد، تقلیدش هر صاحب فهمی را ممکن - و برشتگیء کلام و نزاکت معانیء میر راچه گویم؟ یا استادی و معلومات این مسلم الثبوت را چه نویسم؟ سلمای اعتبار میر درین فن با لیلای شهرت مرزا دریك محمل سوار، و آفتاب شهرهٔ این هر دو بی‌عدیل، بچرخ علو در یك درجه گرم اشتهار - لهذا نواب آصف‌الدولهٔ مغفور و مرحوم، هم بعد رحلت مرزا، میر را از شاهجهان‌آباد فخریه طلب داشته، بمنصب عالی ملازم ساخت (۱)، و از خاطرداری و پاس مشارالیه، هیچ دقیقه فرونمی گزاشت؛ حالانکه جناب میر، بغرور کمال و استغنای تصوف که مضمر بخاطرش بوده، اکثر کم التفاتی وبی اعتنائی بحال مردم می‌نمود؛ بلکه گاه گاه با امرا هم، چناچه باید، راه التفات و مبالغت نمی پیمود - چنانچه نقل است که روزی میر صاحب قصیدهٔ تازه گفته، بدربار آوردند - نواب وزیر، که از چاشت فراغت کرده، متوجه شنیدن شد - میر صاحب (۱۹۰ب) شروع بخواندن کردند و طول دادند - اتفاقا آن روز ملامحمد مغلی راکه تازه از ولایت آمده و شاعر هم بوده، برای ملازمت(۲) آورده، می خواست که آنهم چیزی در مدح (۳) حضور بخواند، وتطویل قصیدهٔ میروقت نگزاشت - ملامحمد تنگ آمده گفت که "میر صاحب، قصیده خوب است، اما طولانی - اگر دماغ نواب صاحب وفا نمی کرد، که می شنید؟"، میر بمجرد استماع بیاض از دست انداخته

(۱) برحاشیه نوشته "نسخه، سر فراز نمود"، (۲) اصل، «ملاذمت» (۳) اصل: «مدح در».

و منغض شده گفت که «اگر دماغ نواب وفا نمی کرد، دماغ من بکجا وفامی نماید؟»
مطاق پاس حضور نه نمود- نواب، که خود خلق مجسم بوده، استمالۀ مزاج
میر بکمال مہربانی و منتها نموده، بقیۀ قصیده هم تمام شنید ، و خاطر
ملا هیچ نکرد، باوصف اینکه او با نواب صیغۀ اخوت داشت - غرضکه
شرح صفات و بیان کمالات آن سیدالشعرا از قدرت قلم و زبان زاید
است - بعد نواب هم زندگانیء بسیار کرد- سه چهار سال شده که در
لکهنؤ وفات یافت - شش «دیوان» ویك «دیوانچه» و چند مثنوی،
« شکار نامۀ » و «طیاریٔ هولی » وغیره، که باشارۀ وزیر مرحوم نوشته
بود ، همه در زبان ریختہ، و چند جزونثر ونظم فارسی، در دهر یاد گار
گزاشته است- چنانچه تاریخ آن یگانۀ زمانه، مرزا مغل فرزانه، که هضما
لنفسه، غافل تخلص درکلام میگزارد، درین قطعه نظم فرموده، تاریخ ،

جب دل احباب پر ، موجب رنج و الم
(۱۹۱ الف) واقعۀ جاں‌گداز میر تقی کا ھوا
ماده تاریخ کا ، پیر خرد نے وھیں
درد کے رو سے کہا، «آج نظیری موا»
(۱۲۲۵ھ)

این چند شعر از کلام آن جادو کردار درین جا نو شته می شوند،

پڑتی ھے آنکھہ جاکر، ہر دم، صفای تن پر
سو جی کیسے تھے قرباں، اوس شوخ کے بدن پر
نام خدا ، نکالے کیا پاؤں رفتہ رفتہ !
تلواریں چلتیاں ھیں اوسکے تو اب چلن پر
ھمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ھم نے تھام تھام لیا

کبھی میر اس طرف آکر، جو چھاتی کوٹ جاتا ھے
خدا شاھد ھے، اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ھے

جو یہہ دل ھے، تو کیا سر انجام ھوگا؟
تہ خاک بھی خاک آرام ھوگا!

جفا و جور سہے، کج ادائیاں دیکھیں
بھلا ھوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

تری گلی سے سدا، اے کشندۂ عالم!
ھزاروں آتی ھوئیں چار پائیاں دیکھیں

گرم مجھہ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا؟
آگ لینے مگر آئے تھے، یہ آنا کیا تھا؟

دیکھنے آئے دم نزع، لیے منہ پہ نقاب
آخر وقت مرے، منہ کا چھپانا کیا تھا؟

آزار دیکھے کیا کیا، اون پلکوں سے اٹک کر
جی لیگئے یہ کانٹے، دل میں کھٹک کھٹک کر

ھم خستہ دل ھیں تجھہ سے بھی (۱) نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یہاں جی نکل گیا

چھیڑا ھے کس نے، سو تم غصے ھوے کھڑے ھو؟
یہہ بات ایسی کیا تھی، جس پر اولجھہ پڑے ھو (۲)

ھوتے ھیں خاک رہ بھی، لیکن نہ میر ایسے
رستے میں آدھے دھڑ تک مٹی میں تم گڑے ھو

---

(۲) مابین القوسین از اصل ساقط شدہ است (۲) اصل، «الجھہ رہے ھو» و در نسخۂ نولکشور (۱۹۴۰ء) مصرع اول باین طور واقع شدہ، «زلفوں کو میں چھوا، سو غصے ھوے کھڑے ھو»۔

دن نہیں، رات نہیں، صبح نہیں، شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں ؟

(۱۹۱ب) کہتا ہے کون، میر، کہ بی اختیار رو؟
ایسا تو رو کہ رونے پہ تیرے ہنسی نہو

اعجاز منه تکے ہے ترے لب کے کام کا
کیا ذکر یہاں مسیح علیه السلام کا ؟

ناز چمن وہی ہے بلبل سے، گو خزاں ہے
ٹہنی جو زرد بہی ہے، سوشاخ زعفراں ہے

عشق کو بیچ میں، یارب، تو نه لایا ہوتا
یا تن آدمی میں دل نه بنایا ہوتا

کم اٹھانا (تھا)(۱) نقاب، آہ! که طاقت رہتی
کاش یکبار ہمیں منه نه دکھایا ہوتا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اوسکی، میر
سمند ناز پہ ایک اور تازیانه ہوا

جم گیا خوں کف قاتل پہ، زبس، تیرا میر
اون نے رو رو دیا کل، ہاتھ کو دھوتے دھوتے

دل ہے مجروح، ماجرا ہے یہ
وہ نمك چھڑکے ہے، مزا ہے یہ
آگ تھے ابتدای عشق میں ہم
اب جو ہیں خاك، انتہا ہے یہ
بس ہوا ناز، ہوچکا اغماض

---

(۱) اصل، «اونے»، بنون مشدد۔

هر گھڑی هم سے کیا ادا هے یه ؟
هے رے ! بیگانگی ، کبھو اوس نے
نه کہا یه که «آشنا هے یه »
ذبح کر مجکو ، یار هنستا هے
بسملو ! (۱) لوٹنے کی جا هے یه
میر کو کیوں نه مغتنم جانیں
اگلے لوگوں میں اك رها هے یه

یہاں اپنی آنکھیں پھر گئیں پر وه نه آپھرا
دیکھا نه ، بد گمان همارا بھلا پھرا ؟
طالع پھرے، سپہر (۲) پھرا، قلب پھر گئے
چندے وه رشك ماه جو هم سے جدا پھرا
خانه خراب میر بھی کتنا غیور تھا ؟
مرتے موا پر اوسکے کبھو گھر نه جا پھرا

(۱۹۲ الف) پھرتے کب تك شهر میں اب سوی صحرا روکیا
کام اپنا اس جنوں میں همنے بھی یکسو کیا

کیا چال نکالی هے که جو دیکھے سو مرجائے
بہچك کوئی ره جائے ، کوئی جی سے گزر جائے

لے رنگ بے ثباتی ، یه گلستاں بنایا
بلبل نے کیا سمجھ کر ، یہاں آشیاں بنایا ؟
اوڑتی هے خاك، یارب، شام و سحر جهاں میں
کسکے غبار دل سے یه خاکداں بنایا ؟

(۱) اصل‘ «بسملو ،، ۔ (۲) اصل‘ «سپہری،، ۔

سر گشته ایسی کس کی هاتهه آ گئی تهی مٹی؟
جو چرخ‌زن قضا نے یه آسمان بنایا

اس صحن پر یه وسعت، الله رے، تیری قدرت!
معمار نے قضا کے، دل کیا مکان بنایا!

بہار آئی هے، غنچے گل کے نکلے هیں گلابی سے
نہال(۱) سبز جهو میں(۲) هیں گلستان مین شرابی سے

هر بات پر خشونت، طرز جفا تو دیکهو
هر لمحه بے ادائی، اوس کی ادا تو دیکهو

گل برگ سے هے نازك، خوبیء پا تو دیکهو
کیا هے چمك کفك کی، رنگ حنا (۳) تو دیکهو

سایه میں هر پلك کے خوابیده هے (۴) قیامت
اوس فتنۂ زمان کو کوئی جگا تو دیکهو

باغ گو سبز هوا، پر سر گلزار کہاں ؟
دل کہاں، وقت کہاں، عمر کہاں، یار کہاں؟

یك جہان مہر و وفا کی جنس تهی میرے کنے
لیکن اوسکو پهیر هی لایا، جہان میں لے گیا

ریخته کا هے کو تها اس رتبۂ عالی میں، میر
جو زمین نکلی، اوسے تا آسمان میں لے گیا

بولا، جو مو پریشان آنکلے میر صاحب
«آنا هوا کدهر سے، کہیے فقیر صاحب!»

شیون میں شب کے، ٹوٹی زنجیر، میر صاحب

---

(۱) اصل، «نہالی» (۲) اصل، «جهو نمین» (۳) اصل، «خفا» - و در نسخۂ نولکشور (۱۹۴۰ء) «جهمك کفك کی» (۴) اصل، «خوابیده قیامت» -

اب کیا مرے جنوں کی تدبیر، میر صاحب؟
(۱۹۲ب) کھچتی نہیں کماں اب ہم سے ھوای گل کی
باد سحر لگے ھے جوں تیر، میر صاحب!

سیر دلی سے کی میں تا صورت
نہ ملا کوئی آشنا صورت
حلقے آنکھوں میں پڑگئے، منہ زرد
ھوگئی، میر، تیری کیا صورت؟

کل لیگئے تھے یار ھمیں بھی چمن کے بیچ
اوسکی سی بو نہ پائی گل و یاسمن کے بیچ
کشتہ ھوں میں تو شیریں زبانیء یار کا
ھوتی زباں وہ، کاش! ھمارے دھن کے بیچ
گر، دل جلا بھنا یہی، ھم ساتھ لے گئے
تو آگ لگ اوٹھے گی ھمارے کفن کے بیچ
ھے قہر، وہ جو دیکھے نظر بھر کے، جس نے، میر
برھم کیا جہاں مژہ برھم زدن کے بیچ

فرھاد و قیس جس سے مجھے چاھو پوچھ‌لو
مشہور ھے فقیر بھی اھل وفا کے بیچ

ھجر میں خون ھوگیا غم سے
دل نے پہلو تہی کیا ھم سے

دھوتے ھو اشک خونی سے دست و دھن کو، میر
طور نماز کیا ھے، جو ھے یہ وضو کی طرح؟

سحر گوش گل میں کہا میں نے جا کر

« کھلے بند ، مرغ چمن سے ملاکر ،،
لگا کہنے، « فرصت ہے یہاں ایك تبسم
تو وہ بھی گریباں میں منہ کو چھپاکر»

تناسب پہ اعضا کے اتنا تبختر !
بگاڑا تجھے ، خوبصورت بناکر

امیروں تك رسائی ہوچکی بس
مری بخت آزمائی ہوچکی بس

شرر کی سی چمك ہے ، فرصت عمر
جہاں دی ٹك دکھائی ، ہوچکی بس

(۱۹۳ الف) دنی کے پاس کچھہ رہتی ہے دولت،
ہمارے پاس آئی ، ہوچکی بس

فکر میں مرگ کے ہوں سر در پیش
ہے عجب طرح کا سفر درپیش !

کیا پتنگے کو شمع روئے، میر ؟
اوسکی بھی شب کو ہے سحر در پیش

دل جلا، آنکھیں جلیں ، جی جل گیا
عشق نے کیا کیا ہمیں دکھلائے داغ !

صحبت کسی سے رکھنے کا اوسکو نہ تھا دماغ
تھا میر بیدماغ کو بھی کیا بلا دماغ !

میر ، آج وہ بدمست ہے، ہشیار رہو تم
ہے بیخبری اوس کو ، خبردار رہو تم

اوسکے کاکل کی پہیلی کو بھی تم بوجھے، میر؟

کیا ھے ؟ زنجیر نہیں ، دام نہیں، مار نہیں

چمکنا برق کا کرتا ھے کار تیغ ہجراں میں

برسنا مینہ کا داخل ھے اوس بن تیر باراں میں

سو بار مست کعبے میں ، پکڑے گئے ھیں ھم

رسوائی کے طریق کے کچھہ نا بلد نہیں

(۱) نہ دماغ ھے ، کہ کسو سے جا کریں گفتگو، غم یار میں

نہ فراغ ھے ، کہ فقیروں سے ملیں جاکے دلی دیار میں

کوئی شعلہ ھے، کہ شرارا ھے ، کہ ھوائی ھے ، کہ ستارا ھے ؟

یہی دل جو لیکے گڑیں گے ھم ، تو لگےگی آگ مزار میں

جھکیں ٹک کہ جی میں چبھی سہی ، ھلیں ٹک کہ دل میں کھبی سہی

یہ جو لاگ پلکوں میں اوسکی ھے، نہ چھری میں ھے نہ کٹار میں

بہار آئی، کھلے گل پھول شاید باغ رضواں میں

جھلك سی مارتی ھے کچھہ سیاھی، داغ سوزاں میں

بہت تھا شور وحشت سر میں میرے، سو مصور نے

لکھی تصویر، تو زنجیر پہلے کھینچ لی پا میں

سر کاٹ کے ڈلوادیے، انداز تو دیکھو

پامال ھے سب خلق خدا، ناز تو دیکھو

(۱۹۳ب) ضعف بہت ھے، میر ، تمھیں اب اوسکی گلی (میں) مت جاوو

صبر کرو ٹك اور بھی، صاحب، طاقت جی میں آنے دو

بہار آئی نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے

مرا دامن پھٹے، تو ٹانك دو گل کے گریباں سے

---

(۱) این غزل در نسخۂ نو لکشور یافت نمی شود .

خدا جانے، کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے؟
کھڑے تھے میر صاحب گھر کے دروازے پہ(۱) حیراں سے

کم ہے کیا لذت ہم آغوشی ؟
سب مزے، میر، در کنار رہے

غربت پہ مہرباں ہوے، تو میر (۲) یہ کہا
«ان کو غریب کوئی نہ سمجھو، غضب ہیں یہ»
فرہاد و قیس کے گئے، کہتے ہیں مجھکو لوگ
«رکھے خدا سلامت انہوں کو، کہ اب ہیں یہ!»

خوش طرح مکاں دل کے ڈھانے میں شتابی کی
اس عشق و محبت نے کیا خانہ خرابی کی
سکتا ہے ادھر کو دل، بہتا ہے جگر اودھر
چھاتی ہوئی ہے میری، دکان کبابی کی

بتوں کے جرم الفت پر، ہمیں زجر و ملامت ہے
مسلماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے، قیامت ہے!

زنہار! نہ جا پرورش دور زماں پر
مرنے کیلیے لوگوں کو طیار کرے ہے
کیونکر نہ ہو تم میر کے آزار کے درپے؟
یہ جرم ہے اوسکا کہ تمہیں پیار کرے ہے

رکھتا تھا ہاتھہ میں سر رشتہ بہت سینے کا
رہگیا، دیکھہ رفوچاک، مرے سینے کا

کئی زخم کھاکر، تڑپتا رہا دل

(۱) اصل: «پر» (۲) اصل: «میر تو».

تسلی ہے موقوف زخم دگر پر

دل جلتے کچھہ بن نہیں آتی، حال بگڑتے جاتے ہیں
جیسے چراغ آخر شب، ہم لوگ نبڑتے جاتے ہیں
راہ عجب در پیش ہے آئی ہمکو یہانسے جانیکی
یار و ہمدم ، ہمراہی، ہر گام بچھڑتے جاتے ہیں
(۱۹۴ الف)ضعف دماغ سے، افتاں خیزاں، چلتے ہیں ہم راہ عشق
دیکھیے کیا پیش آئے، ابتو گرتے پڑتے جاتے ہیں
میر، بلا ناساز طبیعت لڑکے، ہیں خوش ظاہر بھی(۱)
ساتھہ ہمارے جاتے ہیں، پر ہم سے لڑتے جاتے ہیں

نالہ جب گرم کار ہوتا ہے
دل ، کلیجے کے پار ہوتا ہے

آنکھوں کی طرف گوش کی درپردہ نظر ہے
کچھہ یار کے آنے کی، مگر، گرم خبر ہے
وہ ناوک دل دوز ہے لاگو مرے جی کا
تو سامنے ہو، ہمدم، اگر تجھہ میں جگر ہے
کر کام کسو دل میں، گئی عرش پہ، تو کیا؟
ای آہ سحر گاہ! اگر تجھہ میں اثر ہے
اس عاشق دل خستہ کی مت پوچھہ معیشت
دنداں بجگر، دست بدل، داغ بسر ہے

طرفہ، خوش رو دم خوں ریز ادا کرتے ہیں
وار جب کرتے ہیں، منہ پھیر لیا کرتے ہیں

(۱) این مصرع در اصل مصحف شده است .

سیوم از طبقهٔ اولی، امیر قشون سخنوران، سردار لشکر شاعران، عارف انواع معانی، واقف رموز سخن سنجی و نکته دانی، خواجه میر المتخلص بدرد (۱) عفی الله عنه، که کمیت فصاحت در میدان

---

(۱) نکات: ۷ ب؛ گردیزی: ۱۲ الف؛ فص: ۴۱۹ الف؛ مخزن: ۳۸؛ چمنستان: ۷۵؛ حسن: ۵۰ ب، طبقا: ۳۰؛ گلز: ۵۶ الف؛ لطف: ۹۸؛ عقد: ۴۰ الف؛ تذکره: ۳۲ الف؛ نغز: ۱، ۲۴۰؛ شیفته: ۶۳ الف: نتایج: ۱۶۸؛ گلدسته: ۱۵؛ طبقات: ۹۷؛ سراپای: ۱۰۲، ۲۴۷، ۲۶۹؛ جدولیه: ۱۳۹؛ شمیم: ۲۸؛ سخن: ۱۵۸؛ شمع: ۱۵۰؛ تقصار: ۱۹۲؛ آب حیات: ۱۸۴؛ طور: ۳۵؛ خمخانه: ۳، ۱۶۸؛ گل: ۱۷۰؛ انتخاب: ۱۱، قاموس: ۱، ۲۳۷؛ عسکری: ۱۱۷؛ جواهر: ۲، ۳۵۵؛ اشپرنگر: ۲۱۸ -

خان آرزو، در مجمع النفایس (۱۵۰ الف) می فرماید: «خواجه میر، درد تخلص، پسر جناب عرفان مآب حضرت خواجه محمد ناصر، سلمه ربه - سلسلهٔ آبای او بلا شبهه بحضرت خواجه بهاءالدین محمد نقشبند میرسد - از بزرگی و کمال خانوادهء او چه توان نوشت؟ علی‌الخصوص والد بزرگوار او، خواجه محمد ناصر که امروز فلک شمس هدایت است. الغرض خواجه میر جوانیست خیلی صاحب فهم و ذکا، و باشعر بسیار ربط دارد، سیما ریخته که الحال درهندوستان رواج دارد - فارسی هم خوب می گوید، چه بسیار بمذاق آشنا است - بالقوه اش آنچه دریافت می شود، اگر بفعل می آید، انشاء الله تعالی، ازجملهٔ آنها می شود که درفن تصوف صاحب نامند - بزبان فارسی رباعی اکثر می گوید، وبااین عاجز ربط خاصی دارد، وخیلی شفقت براحوال این می نماید - »

و حیرت، در مقالات الشعرا (۳۷ الف) می نویسد: «خواجه میردرد، ولد خواجه ناصر عندلیب، از متوطنین شاهجهان آباد، برسائیء فهم وعلوی استعداد موصوف است. اکثر شعر ریخته می گوید، وگاهی بطرف فارسی هم مایل - »

و شوق رامپوری، درجام جهان نما (۳۵۶ الف) می گوید: «خواجه میردرد نقشبندی، جامع علوم و تصوف بود - نسبت ارادت و خرقهٔ باطنی از پدر بزرگوار خود، خواجه ناصر داشت - واو نسبت مریدی از قدوة السالکین شاه گلشن، که درعهد اورنگ زیب عالمگیراز مقتدای زمانه بود، داشت - و خواجه میر درویش صاحب نسبت واهل دل بوده، و بجمیع اوصاف واخلاق حمیده اتصاف داشت؛ و در ترک و تجرید واستغنا مستثنیء وقت خود بود؛ و در نظم و نثر مهارت تمام داشت - شعر هندی و فارسی متصوفانه خوب می گفت - اکثر رباعیات درتصوف موزون کرده، که ازان چاشنیء درویشی واضح و لایح می گردد - و رسالهٔ «نالهٔ درد» «و آه سرد» در سلوک خوب گفته - از مشاهیر مشایخ وقت بوده - دردویم هر ماه مجلس سماع بخانهٔ او شدی، واکثر مشایخ کرام دهلی مجتمع می شدند، وحالات برایشان طاری می گشت - مردی وجیه، اهل درد، صاحب نسبت بود - درسنهٔ تسع وتسعین ومایة والف هجری ازین جهان بدار القرار رحلت کرد -» (باقی)

شاعری دوش بدوش مرزا رانده، و آیت بلاغت از مصحف شهرت

(بقیه) و درتکملة الشعرا (۱۱۳ الف) می نویسد: «خواجه میردرد متخلص بدرد، خلف الصدق خواجه محمد ناصر عندلیب تخلص است - سلسلهٔ ارادت ایشان بحضرت بهاءالدین نقشبند، قدس سره، میرسد - واوبزرگ منش و درد مند پیشتر شعر ریخته می گفت - چنانچه دیوانش درزبان ریخته، که عبارت از زبان اردوی شاهجهان‌آباد است، مشهور - و از چند سال طبیعت آن اهل کمال متوجه بفارسی گوئی است - اکثر رباعیات متصوفانهٔ او بسمع رسیده؛ بلکه یك مرتبه جزوی از اشعار غزلیات ورباعیات خود از دستخط خاص بقید قلم در آورده عنایت فرموده بودند - الغرض اواز مشایخ کرام ذوی الاحترام دهلی بوده، و بسیار بکروفر وتمکنت ظاهری بسر می برد - و اکثر سلاطین وقت وامرای عصر شاه‌عالم بادشاه درخدمت او آمده مستفید می شدند - و درابتدای هر ماه مجلس نو بطریق عرس درخانهٔ آن بزرگوار ترتیب می یافت، و ازدحام خلایق از فقراو مشائخ وعلما و عوام الناس می شد - واکثر مجالس سماع می کرد، و بفقرا حالات طاری شدی، وقوالان کامل فن دران مجالس جمع می شدند - و خود هم آن صاحب حالات منیعه درفن موسیقی درك کمال داشت، که اکثر موسیقی دانان ازو اخذ می‌کردند - اگرچه شاعری دون مرتبهٔ او بود، فاما سخنور صاحبِ کمال و خوش مقال و صاحب فضل و کمال و اهل مقال و حال بود - چند سال شد که ازین دار ملال انتقال کرد -»

و مبتلا، درگلشن سخن (۴۳ب) گفته: «خواجه میردرد، خلف الصدق خواجه ناصر دهلوی‌ست - مرکزدایرهٔ اهل کمال، سخن سنج، نکته رس، شیرین مقال - قطع نظر از مهارت فنون سخن، که دون مرتبهٔ آن والا مقام ست، در خدا پرستی و تحمل مصایب و تسلم نوایب نظیر خود ندارد - سید عالی مرتبت، مقیم گوشهٔ عزلت، رهرو شهرستان تفرید، وسایر کوچهٔ تجرید - دیوان ریخته اش اگرچه از هزاربیت متجاوز نیست، لیکن همه یك دست، واحتیاج به انتخاب ندارد - در شاهجهان‌آباد تا این زمان که سنهٔ یکهزار و یکصد و نودو چهار هجری ست، گوشهٔ انزوا اختیار نموده، بهره‌یاب فیوضات نامتناهی الهی است -»

و مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روزنامچهٔ خود (۶۲ الف) نوشته: «ومزار خواجه میر درد است که رباعیاتش و غزلهای ریخته هم درد آمیز - رسالهٔ آه‌سرد ونالهٔ درد، و واردات، از مصنفات وی گواه بتبحروی بعلم تصوف و دلیل موشگافی او در مسایل دقیق این فن اند -»

و حسین قلی‌خان عاشقی، در نشتر عشق (۲۵۴ب) مذکور ساخته: «درد تخلص المشتهر بخواجه میر درد شاهجهان‌آبادی، خلف الصدق و ولد ارشد خواجه محمد ناصر عندلیب تخلص است که از احفاد امجاد شیخ بهاءالدین نقشبند، رحمة‌الله علیه، بود در تصوف و زهد و اتقا و آزاد وضعی یگانهٔ زمانه - کلامش همه پر درد(باقی)

و نام آوری رو برروی میر برخوانده. والحق که چنین بوده است، چه کلام صفانظـام او ، اگرچه کم است، لیکن در متانت و چستیء تالیف زیاده از مرزا است؛ و دیوان اشعارش ، اگرچه بضخامت (۱) کمتر، اما در روانی و مزه با همه دواوین(۲) میر همپاست. در تعریف آن و حید عصر ، قلم هرچه نگارد ، رواست؛ و در وصف (۱۹۴ ب) و محامد

(بقیه) وگداز است، ومضامینش پر ناز و نیاز - بعد میرزا محمدرفیع السودا در عصر خویش سرآمد ریخته گویان هند است - و در فارسی هم دیوانی ترتیب داده - کلامش همه تصوف است. در بست و سویم هر ماه مجلس سرود و مشاعره درکاشانهٔ فیض نشانه اش مرتب می‌گشت و تمامی شعرای دار الخلافه و نغمه سنجان حاضر می‌آمدند ' و خود هم در علم موسیقی مهارتی کلی داشت - چنانچه تاهنوز بمعمول قدیم مجلس سرود بخانهٔ او آراسته می شود. نحویکه میرزا محمد رفیع متخلص بسودا در مدح و قدح استاد وقت بود' ذات میر در رباعی گوئی بی بدل و یکتا - بتاریخ بست و چهارم صفر روز جمعه سنهٔ یکهزار و یکصد و نود و نه بروضهٔ رضوان خرامید - چنانچه میر محمد مرحوم متخلص باثر' برادر ایشان، می فرماید:

وصل باشد چون وصال اولیا «وصل خواجه میردرد» آمد ندا

و در شاهجهان آباد بیرون ترکان دروازه بمقبرهٔ آبای خویش، که الحال بباغچهٔ خواجه میردرد اشتهار دارد، مدفون گشت - اکثر رسایل در تصوف، مثل « نالهٔ درد ، و آه سرد' » وغیرهما تصنیف ساخته، و دیوان غزل فارسی مختصری ترتیب داده که درحین تحریر مجموعهٔ هذا مؤلف از شاهجهان آباد عاریت طلبیده بود - »

و مهجور، در مدایح الشعرا (۲۲ب) براسم و تخلص و ذکر والدش اکتفا کرده.

لطف ، وفات میردرد را در ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ء) و فص الکلمات' در ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ء) و شمیم، در ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) و جدولیه در ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) معرفی کرده - اما اصح و نیز متفق علیه اکثر ارباب تذکره اینست که در ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ء) رحلت کرده است - چنانچه «وصل خواجه میردرد» مادهء تاریخ وفات اوست - و بیدار (خاتمهٔ دیوان درد، محمدی' لکهنؤ ، ۱۲۷۱ھ) می فرماید:

بندهء بیدار ' کان هست از غلامانش یکی جست از وقت وصال و روز و ماهش چون خبر یك پهر شب مانده، هاتف کرده واویلا و گفت « های ء برد آدینه و بست و چهارم از صفر»

در خصوص شمیم می توان گفت که از سهو کاتب بجای عدد ۹ عدد ۵ مندرج شده است -

کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور' یك نسخهٔ مطبوعه را، که در لکهنؤ در سنه ۱۲۷۱ھ چاپ شده، و پنج نسخهای خطیه از دیوان درد را داراست

(۱) اصل: «بزخامت» (۲) اصل: «دوانین» -

آن یگانهٔ دوران، زبان محمدت بنیان هرچه پیش آرد، بجاست۔ گویند که دیوان او هم مثل دیگران ضخیم (۱) بوده؛ روزی خود متوجه شده، قریب یکهزار و پانصد شعر مع رباعیات انتخاب کرده، باقی راپاره نموده، بآب شست۔ حالا هرچه رواج دارد، همان منتخب دیوان اوست۔ واقعی که کلام آن عارف معانی عجب مزه و کیفیتی دارد۔ و اشعار فارسیء این وحید عصر هم به نسبت میرو مرزا ممتاز است، علی الخصوص رباعیات۔ و بیان دیگر کمالات او از تصنیفات کتب تصوف و ارشاد خلق و تهذیب اخلاق وتالیف قلوب و استغنا، که آن شهرهٔ آفاق داشت، از تحریر مستغنی است؛ چرا که در عصر خود، یکی از مشاهیر صوفیهٔ شاهجهان آباد بوده۔ ذره ذرهٔ هندوستان، مثل آفتاب، اورامی شناسد۔ چند شعر از دیوان هم درینجا ثبت شدند۔ و آن اینست:

کهیں هوا هے سوال و جواب آنکهوں میں؟
یه بے سبب نهیں، هم سے حجاب آنکهوں میں

مژگان تر هوں، یا رگ تاك بریده هوں
جو کچهه که هوں، سو هوں، غرض آفت رسیده هوں
هرشام، مثل شام، رهوں هوں سیاه پوش
هر صبح، مثل صبح، گریباں دریده هوں
ای درد، جاچکا هے مرا کام ضبط سے
میں غمزده تو، قطرهٔ اشك چکیده هوں

جاؤں میں کدهر؟ جوں گل بازی، مجهے گردوں
جانے نهیں دیتا هے، ادهر سے نه اودهر سے

(۱) اصل: «زخیم»۔

نزع میں تو ہوں، ولے تیرا گلا کرتا نہیں
دل میں ہے وہی وفا، پر جی وفا کرتا نہیں
(۱۹۵ الف) عشوۂ و ناز و کرشمہ، ہیں سبھی جاں بخش، لیک
درد مرتا ہے، کوئی اوسکی دوا کرتا نہیں

نزع میں ہوں، یہ وہی نالہ کیسے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی، ترے غم کو لیسے جاتا ہوں

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ، خاطر ہوں تو رنجیدہ
ای شور قیامت! رہ اودھر ہی، میں کہتا ہوں
چونکے ہے ابھی یہاں سے کوئی دل شوریدہ
بدخواہ سبھی عالم گوہووے تو ہو، لیکن
یارب! نہ کسی کے ہوں دشمن یہ(۱) دل و دیدہ
کرتا ہے جگہ دل میں جوں ابروی پیوستہ
ای درد! ترا یہ تو ہر مصرع(۲) چسپیدہ

روندے ہے نقش پا کی طرح، خلق یہاں مجھے
ای عمر رفتہ! چھوڑ گئی تو کہاں مجھے ؟
ای گل، تو رخت باندھ، اوٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں، تجھے نہ دیکھ سکے، باغباں مجھے
ای ہموطناں، اب کے یہ وحشت زدہ ہرگز
پھرنے کا نہیں، عمر کی مانند، سفر سے

گر باغ میں خنداں، وہ مرالب شکر آوے

---

(۱) اصل: «مہو» - (۲) اصل: "مصرعۂ"

گل سامنے داماں سے منہ ڈھانپ کر آوے
قاصد سے کہو: «پھر خبر اودھر ھی کو لے جاے
یہاں بیخبری آگئی، جب تک خبر آوے»

کہتے ھیں کہ یکدست تری تیغ چلے ھے
تب جانیے، جب یک دو قدم چل ادھر آوے

تجھی کو جو یہاں جلوہ‌فرما ندیکھا
برابر ھے، دنیا کو دیکھا، ندیکھا

تغافل نے تیرے یہ کچھہ دن دکھائے
ادھر تونے، لیکن، ندیکھا، ندیکھا

گر ھیں یہی (۱) ڈھنگ تیرے ظالم
دیکھیں گے، کوئی وفا کریگا

ھے بعد مرگ بھی وھی آہ‌ و فغاں هنوز
لگتی نہیں ھے تالو سے میری زباں هنوز

(۱۹۵ب) موت، کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ھے؟
مرنے سے آگے ھی، یہ لوگ تو مرجاتے ھیں

آہ! معلوم نہیں ساتھہ سے اپنے، شب و روز
لوگ جاتے ھیں چلے، سو یہ کدھر جاتے ھیں

تا قیامت نہیں مٹنے کے دل عالم سے
درد، ھم اپنے عوض چھوڑ «اثر» جاتے ھیں

ھردم بتوں کی صورت، رکھتا ھے دل نظر میں
ھوتی ھے بت پرستی، اب تو خدا کے گھر میں

اگر میں نکتہ‌رسی سے ترا دھاں پاؤں (۲)

(۱) اصل: «کہتے ھیں یہ» - (۲) اصل: «پاٹوں» -

کر کو چاهوں، تو اوس کے تئیں کہاں پاؤں؟

یہ رات شمع سے کہتا تھا، درد، پروانہ
کہ حال دل کہوں گر جان کی امان پاؤں

دنیا میں کون کون نہ یکبار ہوگیا؟
پر منہ پھر اس طرف نکیا اون نے جوگیا

ایك تو ہوں شکستہ دل، تسپہ یہ جور، یہ جفا
سختیء عشق، واہ وا! جی نہوا، ستم ہوا

اوسکو سکھلائی یہ جفا تونے
کیا کیا، اے مری وفا، تونے؟

بیکسی کو کیا عبث بیکس
قتل (۱) کر مجکو، کیا لیا تونے؟

درد کوئی بلا ہے شوخ مزاج
اوس کو چھیڑا، برا کیا تونے

فرصت زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید، جو دم ہے

درد کا حال کچھ نپوچھو تم
ووہی رونا ہے اور وہی غم ہے

نہیں کچھ محتسب سے جان کا مجکو تو اندیشہ
کہیں ایسا نہووے، ہاتھ سے وہ چھین لے شیشہ

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاك میں
ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

(۱) اصل، «مو ل» و تصحیح از دیوان مطبوعہ ۱۲۷۱ھ۔

انداز ووهی سمجھے مرے دل کی آه کا
زخمی جو کوئی هوا هو، کسی کی نگاه کا
زاهد کو همنے دیکھه لیا، جوں نگیں، بعکس
روشن هوا هے نام تو اوس روسیاه کا(۱)

هم نے کس رات ناله سر نکیا؟
پر تجھے، آه! کچھه اثر نکیا
درد کے حال پر ذرا، ظالم
نکیا تونے رحم، پر نکیا

چهارم از طبقهٔ اولی، رستم میدان شاعری، سهراب معرکهٔ سخنوری، افراسیاب مملکت سخن طرازی، دارای سلطنت نکته پردازی، مقدم گروه شعرا، ثانیء میر و مرزا، شیخ قیام‌الدین علی، المتخلص بقایم، که عرفش نیز «محمد قایم» بوده(۲) شاعری گزشته باقوت و تمکین، کلامش

(۱) اصل «دیکهه کیا» در مصرع اول و «تب» در مصرع ثانی - و تصحیح از دیوان مطبوعه و مخطوطهٔ ۱۲۱۵ه و ۱۲۴۱ه.

(۲) نکات: ۲۰ب؛ گردیزی: ۲۱ب؛ مخزن: ۷۷؛ چمنستان: ۵۰۱؛ حسن: ۹۶ب؛ طبقا: ۳۰؛ گلشن سخن: ۸۶ الف (و درو برذکر اسم و تخلص اکتفا کرده)؛ گلز: ۱۶۲ الف؛ لطف: ۱۳۳؛ عقد: ۶۶ب؛ تذکره: ۶۱ب؛ نغز: ۲،۸۲؛ شیفته: ۱۲۷ب؛ نتایج: ۳۵۱؛ طبقات: ۱۶۰؛ سراپا: ۱۰۴ و ۱۷۲؛ شمیم: ۲۸؛ سخن: ۳۸۱؛ انتخاب یادگار: ۳۰۱؛ خزینه: ۲۰۶؛ شمع، ۳۸۶؛ آب حیات: ۱۵۶ حاشیه؛ طور: ۹۷؛ گل: ۱۸۲؛ انتخاب: ۱۷؛ تذکرهء کاملان رامپور: ۳۲۶؛ قاموس: ۲،۱۳۸؛ عسکری، ۲۴۵؛ جواهر: ۲،۳۰۷؛ رسالهٔ زمانه، کانپور، بابت جولائی ۱۹۲۹ء، ۳۷ - بیاض: ۲۴.

شاه محمدحمزه، در فص الکلمات (۴۲۰ الف و ۴۲۳ الف) نوشته که «الحال رفیق نصرالله‌خان نبیرهء محمدعلی‌خان است، و همراهش در رامپور بسر می‌برد».

و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۴۴ الف) گفته: محمد قایم، قایم تخلص، متوطن قصبهٔ چاندپور، آدم خلیق و دردمند، بجمیع خوبیها موصوف و در ریخته گوئی در تمام هندوستان مشهور و معروف بود - دیوان هندیء او شهرت دارد - از سخنوران کامل در زبان ریخته بود - گاهی فکر شعر فارسی هم می کرد - چند غزلیات بزبانیء او بسمع (باقی)

پرمزه ونهایت متین؛ دیوانش سراسر انتخاب ، و اشعار دلپزیرش ،

(بقیه) رسیده - »
مولوی عنبر شاه‌خان آشفته رامپوری ، در دیباچهٔ دیوان ریختهٔ خود (ورق ۳ الف) که در سنه ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ع) نوشته، می گوید: «عرض کرتا ہے ... عنبر شاه‌خان آشفته که عنفوان شباب میں ... خصوصا مصاحبت سردفتر شعرای هندوستان، بهتر خبرای زمان، دقیقه گزین ممهد دایم ، قیام‌الدین محمد قایم کی خاطر خواه تهی، اور منادمت اوس برگزیدهٔ اساتذهٔ بے نظیر قراو امصار اور پسندیدهٔ تلامذهٔ دلپزیر دیار ودیار کی مختار شام و پگاه تهی - جو بزم لطافت انگیز اوس رئیس شاعران بیمثل میں شب و روز سوای شعر و شاعری کے اور مذکور نه تها، اور اوس طوطیٔ گلزار فصاحت کو غیر اس تذکرهٔ رغبت خیز کے کچهه منظور نه تها، اور هر دم بوساطت تقریر سلاست تصویر اوس شگرف بیان کے در ریزیٔ غزلخوانی .... میرزا جان جان‌مظهر...اور خواجه میردرد، اور ... سراج الدین علیخان آرزو ، اور ... میر محمدتقی، اور ... مرزا رفیع السودا، اور دیگر احیاواموات رونق مجالس تسدید مقالات دلچسپ مواضع و بلاد، لاسیما حضره و غیبهٔ جلسای محافل تزئین خالات دلکش شاهجهان‌آباد کی سے تحریك سلاسل ازدیاد اشواق ریخته گوئی هو‌تی ... چنانچه بحسب اتفاق ایك دن اوقات خلوت میں زبان ژولیده تبیان اس یاوه‌گو کی نے بمراجهه اوس مخدوم ممدوح و معلوم کے گزارش کیا که اگر اجازت شریف صاحب کی بحوز سخنگوئی هوئے ، بنده بهی گاه گاه دو چار بیت مبتذل مضمون قلمبند کرکے سامعه خراش ملازمون کا هو- فرمایا که هم نے مشق چهل سالهٔ بلند پروازیٔ طایر تفکر مین کیا آسمان کے تارے توڑے که آپ توڑیں گے، اور صلهٔ مالا مال گله اس شغل لایعنی میں کون سے ذخیرے زروسیم کے جوڑے که آپ جوڑیں گے - اولی وانسب یه هے که تحصیل ضوابط انشا و تکمیل روابط طب کا اراده صبح و مسا پیش نظر رهے، که منشیٔ واثق و طبیب حاذق جهان رهے، مشیر و ندیم تونگر رهے» -

اسم پدر قایم، محمدهاشم و اسم جدش محمد اکرم بوده‌است - بنابرین می توان گفت که اسم قایم، محمد قایم بوده، و قیام‌الدین لقب اوست . وکسانی که اور اقیام‌الدین‌علی نوشته اند، غالبا از وضع اسمای خاندان او بیخبر بوده اند -

اکثر ارباب تذکره، رحلت قایم رادر ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ء) معرفی کرده‌اند - وهمین تاریخ درخاندانش مشهور است - اما در انتخاب و قاموس ، غالبا بنا برقول د تاسی و بیل، گفته که قایم در ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ء) فوت شد - آرزو جلیلی ، در مقالهٔ که در مجلهٔ ادبی دنیا (لاهور ، ماه دسمبر ۱۹۴۰ء) نشر کرده، می فرماید که «بعض مرگش رادر ۱۲۰۲ھ (۸۸-۱۷۸۷ء) و بعض در ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ء)، هم نشان داده اند - لاکن بنابر مادهٔ تاریخ مستخرجهٔ میان جرات، اغلب و ارجح این است که در ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ء) ازین جهان رفت -» و همین سال را در مقدمهٔ نکات الشعرا (مطبوعهٔ انجمن ترقی اردو) (باقی)

مثل لآلیٔ آبدار، همه با آب وتاب - تالیف کلمات و بندش الفاظ او، اگر نکاه کنند، قدم بقدم مرزا است؛ و از برشتگی و شکستگیٔ آن، اگر گفته آید، بی شبه بامیر هم اداست - حق اینست که پایهٔ کلام لطافت انجام این سخن طراز بهیچ وجه از کسی فروتر نیست - عجب طرز لطیف و وضع نظیف اختیار کرده، که لطف و کیفیت هردو اوستاد را شامل، بلکه به بعض مقام ترجیح طلب است - و فرق همین قدر است که آن بزرگ شاگرد مرزا ست وبس؛ لهذا مانند اوستاد خود جمیع اقسام سخن را گفته، و داد شاعری، در هر قسم، نوعی که حق آن بوده، داده - (۱۹۶ ب) کلام این محقق نیز، مثل اوستادان مسطور الصدر، در موزونان بی تامل سند است، و خود هم نزد همه سخن سنجان مسلم الثبوت و مستند - فرق بندش قصیده از غزل، و غزل از رباعی، و رباعی از دیگر اقسام، در کلیات همین صاحب انداز از هم متمیز؛ چه هر قسمی که گفته، آنرا از حدش هرگز متجاوزشدن نداده؛ بر همان انداز که وی را می بایست، نگاهداشته است؛ بخلاف کلام دیگر اوستادان، که غزل بعضی ازان ترقی نموده، بمنزلت قصیده رسیده، وقصیدهٔ بعضی فروتر شده مساویٔ غزل گردیده؛ و برین قیاس است حال دیگر اقسام در دواوین(۱) آنها - بالجمله شخصی کامل بود - ظاهر حال خود را بلباس درویشی آراسته میداشت؛ و بهر مجمع و محفل که پامیگزاشت بکمال عزت واحترام استقبالش می نمودند - بیشتر اوقات شریف خود را رفاقت نواب محمدیارخان وپسرش نواب احمدیارخان افغان گزرانیده، چند سال شده که بربیوفائیٔ دنیا نظر نموده، ترك این جهان فانی کرد،

(بقیه) اختیار کرده -
يك نسخهٔ خطیه از دیوان قایم در کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظست -

(۱) اصل: "دوانین" -

و در رام‌پور فیض‌الله‌خان واله که از مدت مسکن او همان بلده بود، مدفون گشت - این چند شعر از کلام فصاحت نظام او ست:

جو، کوهکن، تجھے قوت هی آزمانا تھا
عوض پہاڑ کے، شیریں سے دل اوٹھانا تھا

معامله هے یه دل کا، اسے کہیگا وه کیا
پیام‌بر کے، همیں، ساتھه آپ جانا تھا

کہو که گورغریباں میں رکھیں قایم کو
که اوس کا جیتے بھی اکثر وهی ٹھکانا تھا

(۱۹۷ الف) عیش و طرب کہاں هے؟ غم دل کدھر گیا؟
صدقے میں اس گزشت کے! سب کچھه گزر گیا

کیا کہیے ناتوانیء غم کی خرابیاں؟
گرشب میں دل کو جمع کیا، جی بکھر گیا

اك ڈھب په کبھو وه بت گلفام نپایا
دیکھا میں جو کچھه صبح، اوسے شام نپایا

فہرست، میں، خوبان وفادار کی، پیارے
دیکھی، تو کہیں اوس میں ترا نام نپایا

پڑھ کے، قاصد، خط مرا، اوس بدزباں نے کیا کہا؟
کیا کہا، پھر که، بت نامهرباں نے کیا کہا؟

غیر سے ملنا تمھارا سنکے، هم توچپ رهے
پر سنا هوگا که تمکو اك جهاں نے کیا کہا

جلوه، چاهے هے اسے،(۱) اوس بت هرجائی کا
نه پریشان نظری جرم هے بینائی کا

(۱) اصل: «اوسے» تصحیح از خطبه و مطبوعه -

چھوڑ تنہا مجھے، یارب، اونہیں کیونکر گزری
غم، جنھیں آٹھہ پہر تھا، مری تنہائی کا
عار ہے ننگ کو مجھہ نام سے، سبحان اللہ!
کام پہنچا ہے کہاں تک مری رسوائی کا!
صحن صحرا کو سدا اشك سے رکھا چھڑ کاؤ
بس دیوانا ہوں میں قایم تری مرزائی کا

ہو گر ایسے ہی مری شکل سے بیزار بہت
تم سلامت رھو! بندے کے خریدار بہت
ھمدگر جب خفگی آئی، تو جھگڑا کیا ہے؟
تمکو خواهنده بہت، ہم کو طرحدار بہت
سچ (۱) کہو، قتل پہ کسکے یہ کمر باندھی ہے؟
ان دنوں ہاتھہ میں تم رکھتے ہو تلوار بہت
قایم، آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مرچکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

زلف دیکھی تھی کسکی خواب میں رات؟
ہم سحر تك تھے پیچ و تاب میں رات
(۱۹۷ ب) خوب نکلے ہم اوس کے کوچے سے!
ورنہ آئے تھے اك عذاب میں رات
بس کہ خالی سی کچھہ لگے ہے بغل
دل گرا شاید اضطراب میں رات

چاہے ہیں یہ ہم بھی کہ رہے پاك محبت
پر جس میں یہ دوری ہو، وہ کیا خاك محبت!

(۱) اصل، «سچھہ»۔

گو کرے همکو کسی طرح تو در سے باهر
جیتے جی جائیں کوئی هم ترے گهر سے باهر
تمکو کیا قدر هے، اے دیده، مرے رونے کی
ایك بوند آتی هے سو خون جگر سے باهر
تهی تو اك بات، یه کیا کهیے که یهاں تو، پیارے
نکلی هی پڑتی هے تلوار، کمر سے باهر
بهتے دیکها نهیں یاروں نے لهو کا سیلاب
رکهه ٹك، ای اشك، قدم دیدهٔ تر سے باهر
ایك سودا کی تو، قایم، نکهوں میں، ورنه
هے ترا طور سخن حد بشر سے باهر

پی کے مے، غیر کے رهو شب باش
واهوا! رحمت! آفریں! شاباش!
سینه کاوی هے کام هی کچهه اور
کوه کن بود مرد سنگ تراش

آج آپ مرے حال په کرتے هیں تاسف
اشفاق، عنایات، کرم، مهر، تلطف!
خاموشی بهی کچهه طرفه لطیفه هے که، قایم
کرنا پڑے جس میں (۱)نه تصنع، نه تکلف

شرمنده نهو، نکل جگر سے
اے نالۂ نارسای عاشق!

صحبت کے مزے هوں سب (۲) برافتاد
اك بات هے ناز، پر نه (۳) یهاں تك

---

(۱) اصل: «جسمی» - (۲) دیوان مخطوط: «یوں برافتاد» - (۳) اصل: «یه» -

قایم، ھے جو شمع بزم معنی
میں رات گیا تھا اوس جواں تک
پایا، تو ھے ڈھیر آنسوؤں کا
دیکھا، تو گداز استخواں تک

(۱۹۸ الف) ھم ھیں، جنھوں نے نام چمن بو نہیں کیا
آئی صبا جدھر سے، اودھر رو نہیں کیا
ھم ھیں، ھوای وصل میں اوس گل کی، دربدر
جس کا صبا نے طوف سر کو نہیں کیا
قایم کو اس طرح سے تو دیتا ھے گالیاں!
جس کو کسی نے آج تلک تو نہیں کیا
تھا بدونیک جہاں سے میں عدم میں آزاد
آہ! کس خواب سے ھستی نے جگایا مجکو!
کچھہ تو تھی بات خلل کی، کہ شب اوس نے. محرم
غیر کے آتے ھی، مجلس سے اوٹھایا مجکو
میں تو اس بات پہ مرتا ھوں کہ اوس نے، قایم
کس طرح پردے سے کل بول سنایا مجکو!

کیجیے گا صلح پھر، دل بیمدعا کے ساتھہ
ان بن ھے کچھہ قبول کو، اپنی دعا کے ساتھہ
خوناب دل سے ھاتھہ ملاوو، تو جانیے(۱)
پنجے کیے ھیں آپ نے اکثر حنا کے ساتھہ
اوس نیمرنگ یار کے صدقے! کہ جس کے بیچ
ھلکی سی ایك شوخی کی تہ ھو حیا کے ساتھہ

(۱) اصل: «ملادو، تو جان ھے»

موتی صدف سے نکلے ہے، قایم، کب اس طرح؟
ڈھلتی (۱) ہے بات منہ سے ترے جس صفا کے ساتھ

ہنوز شوق دل بیقرار ہے باقی
بجھی ہے آگ تو ، لیکن شرار ہے باقی
گیا (تھا) آج میں قایم کے دیکھنے کے لیے
کوئی دم اور نفس کی شمار ہے باقی

یارب، کوئی اوس چشم کا بیمار نہووے!
دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہووے!

کیا کیا عدم میں ہم پر ظلم و ستم نہونگے!
چرچے یہی رہینگے اور، ہاے! ہم نہونگے

وہ بھی کیا دن تھے کہ جی کو لاگ اوس کیساتھ تھی!
میں تھا اور کوچہ تھا اوسکا اور اندھیری رات تھی

(۱۹۸ ب) شاید وہ بھول کر، کبھی یہاں بھی(۲) قدم رکھے
یکساں کرو زمین ہمارے مزار کی

دل ڈھونڈنا سینے میں مرے بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یہاں راکھہ کا اور آگ دبی ہے

پنجم از طبقۂ اولی شیفتۂ انداز محبوبۂ سخن‌رانی ، محو آئینۂ جمال معانی، ادابند بی‌نظیر، شاعر دلپذیر، محرم درد عاشقان غم‌اندوز ، شاه میر محمد المتخلص به سوز (۳) بوده است. عالم شیرین کلام صاحب

(۱) اصل: «دیتی.» تصحیح از دیوان مخطوط - (۲) اصل: «بھی کبھی یہاں» - و تصحیح از دیوان مطبوعه -

(۳) گردیزی : ۱۳۸ (بتخلص 'میر' واز خطیه ساقط شده است)؛ فص: ۴۲۵ الف؛ مخزن: ۴۸؛ حسن: ٦٦ب ؛ گلز: ۱۳۳ الف؛ لطف: ۱۱۳؛ تذکره: ۳۸ب ؛ نغز: ۱، ۳۲۰؛ شیفته: ۸۸ الف؛ طبقات: ۱۴۵ ؛ سراپا: ۹۸؛ جدولیه: ۱۴۱؛ شمیم: ۲۹؛ سخن: ۲۲۷؛ (باقی)

شهرت و نام ، فرید زمانه، اوستاد یگانه، که طرزش از کلام همه شعرا جدا ، و دیوانش، با وصفِ متانت وصفا، بالتمام مشحون ومملو از انداز و اداست - فی‌الحقیقت طرزی نفیس ایجاد نموده که تتبع آن بسیار دشوار می‌نماید - چه اگر کسی پیروی‌ء او در پختگی و متانت میکند ، تقریرش بطرز میر و مرزا مشتبه میگردد؛ و اگر صرف در ادا بندی وصفائی‌ء آن راه اطاعت می پوید، گفتارش بتقریر نسوان و مخنثان و بازاریان می‌پیوندد - غرضکه این طور خاص مخصوص و ختم برهمان غواص بحرمعانی بوده، که خود اختراع نمود و خود خاتم آن شد، و

(بقیه) روز روشن: ۳۰۵ ؛ آبحیات : ۱۹۳ ؛ طور: ۵۴؛ خمخانه: ۴، ۲۷۶؛ گل: ۱۷۹؛ انتخاب : ۱۹؛ قاموس: ۱، ۳۱۲؛ عسکری: ۱۲۴؛ جواهر : ۲، ۴۵۴؛ اشپرنگر: ۲۶۷ و ۲۹۲؛ بلوم هارٹ: ۳۴ -

مبتلا، در گلشن سخن (۶۲ب) گفته: «میر سید محمد، سوز تخلص، دهلوی از سادات عظیم‌الشان و مشاهیرنکته رسانیست - درادابندی و پختگی و برشتگیء کلام وفن کمانداری و خوشنویسی یدبیضا دارد - در اوایل حال بسیار بکام دل زندگی بسر کرد، و دراواخر برهنمائیء خاطر وارسته، ترك علایق دنیوی نمود و لباس فقر پوشید - تا این زمان، که سنهٔ یکهزار و یکصد و نود وچار هجریست، در لکهنئو می‌گزراند - دیوانش از هزار بیت متجاوز دیده شد» -

و میر ولی‌الله، در تاریخ فرخ‌آباد (۱۵۱ ب) نوشته: «میرسوز سیدی بود از شاهجهان‌آباد، و از مریدان سیدمحمد زاهد دهلوی - در عهد نواب احمدخان ، در سرکار مهربان خان دیوان، بعزت تمام اوقات می گزرانید، و شعربلطافت وبداهت می گفت»

در انتخاب، رحلتش را در ۱۲۰۹ه (۱۷۹۷ع) معرفی کرده ، لکن در تطبیق سنین هجریه وعیسویه صحت را بکار نبرده ؛ زیرا که ۱۲۰۹ه با ۱۷۹۴ع تطابق دارد - و نزد لطف ، بعد ۱۲۱۲ه (۱۷۹۷ع)فوت شده - اما در قاموس و جواهر گفته که در ۱۲۱۳ه (۱۷۹۸ع) درگزشت - و همین قول اصح است؛ چه علاوه برمادهٔ که در متن مندرج شده است، از مادهٔ دیگر: «وای داغی مانده از سوز » که برآوردهٔ منو لال لکهنوی متخلص بزاری است ، همین سال برمی آید - رجوع شود بدیوان زاری، مخطوط، شعبهٔ نظم فارسی، کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور : ورق ۲۲۹ ب -

یك مخطوطهٔ از دیوان میرسوز ، که در ۱۲۲۷ه (۱۸۱۲ع) قلمی گردیده ، در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظ است -

چنان اعتدال و دوام در کلام خود گزاشت که کسی او را نیافت - لهذا شاگردانش بسیار شده‌اند و باندازش نرسیده اند ، الاشخصی چند که سلیقهٔ کامل وفهم رسا داشتند ، مثل حکیم‌انشاءالله‌خان‌انشا و حکیم رضاقلی آشفته و نوازش حسین‌خان نوازش که بمرزاخانی شهرت دارد - (۱۹۹ الف) غزلهای این صاحبان البته از نمونهٔ طرز (۱) اوستاد خود خالی نمی مانند ، و مقرر یك دو شعر بهمان انداز از ایشان سر می‌زنند - و بیان دیگر محامد و مکارم آن نیکواخلاق از حصر تحریر قلم و احاطهٔ تقریر زبان بیرون و افزونست - نوشتن خط نستعلیق وشفیعاو تیراندازی و سواریء اسپ وآداب دانیء صحبت ملوك و سلاطین و خوش تقریری و خوش طبعی و ظرافت وسعی و سفارش غربا بخدمت امرا، که درین امور نظیر خود نداشت ، مثل آفتاب بر همه‌ها روشن وظاهراست نواب آصف‌الدولهٔ مغفور از دل عاشق صحبت تمکین ایشان بود، و کمال عزت واحترام می‌نمود - و نواب سرفرازالدولهٔ مرحوم که نایب وزیر بوده ، او هم بسیار معتقد بلکه مرید وعلی هذا القیاس جمیع اعزه وعماید لکهنئوخدمت میر را شرف و برکت خود میدانستند، وصحبت اوغنیمت می شمردند - مدت شد که آن بزرگوار هم از دنیا، که دار رنج ومحن است، اعراض کرده، روبآن جهان آورد، وکلیات خویش را بجای‌خود یادگار گزاشت - وتاریخ آن اوستاد بینظیر ، میان جرات قلندر بخش چنین نوشته است- قطعه :

سوز ماتم نے میر سوز کے ، آہ !
شمع ساں ، بس جلا دیا دل کو .
میر صاحب سا شخص یوں مرجائے!

---

(۱) اصل: «صرز»

غم ہوا، ھاے ! یہ بڑا دل کو
مٹ گیا لطف ریختہ گوئی
خاك ، پھر، دے سخن مزا دل کو !
خاك میں مل گئی ادابندی
(۱۹۹ب)گفتگو اب خوش آوے کیا دل کو !
کہی جرات نے روکے یہ تاریخ:
« داغ اب سوز کا لگا دل کو »
(۱۲۱۳ھ)

تم کلامہ - این چند شعر از وست :

زندگانی میں کسے آرام حاصل ہوے گا!
ھاے ! آسودہ جہاں میں کونسا دل ہوے گا!

تو ہم سے جو ہم شراب ہوگا
عالم کا جگر کباب ہوگا
ڈھونڈے گا سحاب ، چھپنے کو ، مہر
جس روز وہ بے نقاب ہوگا

رات آنکھیں تھیں موندیں، پربخت ٹك بیدار تھا
تا سحر، دل محو دیدار جمال یار تھا
سوز،کیوں آیا، عدم کو چھوڑ کر، دنیا میں تو؟
وھاں تجھے کیا تھی کمی؟ یہاں تجکو کیا درکار تھا؟

اگر کچھہ سوز نے پایا، تو میخانے کی خدمت سے
حرم کے در پہ ، ورنہ، بارھا سرمارمار آیا

اھل ایماں سوز کو کہتے ھیں: « کافر ہوگیا»

آه ! یارب، راز دل اون پر بھی ظاهر هوگیا
سنے هے، سوز، تو؟ ملنے کا قصد مت کر، یار
اوٹھا سکے گا تو کب ناز بیدماغوں کا ؟

مروت دشمنا ، غفلت پناها !
ادهر ٹك دیکهه لیجو مڑ کے ، آها !
کٹے اوقات سب غفلت میں میرے
خداوندا ، کریما ، بادشاها !
صرفت العمر فی لهو و لعب
فآها، ثم آها، ثم آها !
هوے تهے آشنا تیرے بهت سے
و لیکن سوز نے اچها نباها

مجھے گر حق تعالی عشق میں کچھه دست رس دیتا
تو دل ان بیوفاؤں کو کوئی میں اپنے بس دیتا
(۲۰۰ الف) قسم هے، سوز، گروه قتل کرتا اپنے هاتھوں سے
تو جی دیتے هوے بھی، صورت اوسکی دیکهه، هنس دیتا

غم هے یا انتظار هے، کیا هے؟
دل جو اب بیقرار هے، کیا هے ؟
واے ! غفلت، نسمجھے دنیا کو
یه خزاں یا بهار هے، کیا هے ؟
کچهه تو پهلو(۱) میں هے خلش، دیکهو
دل هے یا نوك خار هے، کیا هے ؟

(۱) اصل: «پهلون»

کھینچ کر تیر مار بیٹھے ، بس
سوز ھے یا شکار ھے ، کیا ھے ؟

بستیاں بستی ھیں، اور اجڑے نگر آباد ھیں
وہ کہاں، جنکے جدا ھونے سے ھم ناشاد ھیں!

منه لگانے سے مرے کیوں تو خفا ھوتا ھے ؟
جانمن، بوسے کے لینے سے تو کیا ھوتا ھے؟

رونا بھی تھم گیا، ترے غصے کے خوف سے
تھی چشم ڈبڈبائی ، پر آنسو نڈھل سکے

منه دیکھو آینه کا، تری تاب لاسکے!
خورشید پہلے آنکھه تو تجھسے ملاسکے

امیدیں دلکی ساری (تو) بھر پائیں ھم نے. آه!
اے سوز، بعد مرگ تو اب مدعا ھے یه
دامن کشاں وہ لاش پر آکر، مجھے کھے
«ھے، ھے!کسی کے پیچھے تو ستا، موا ھے یه»

یوں تو نکلی نه مرے دل کی اما ھے گا ھے(١)
اے فلك، بهر خدا ! رخصت آھے گا ھے

ایك نے سوز سے پوچھا که «صنم سے اپنے
اب بھی ملتے ھو بدستور، که گا ھے گا ھے ؟»
دیکھکر مونهه (٢) ، گھڑی ایك میں بھر کر دم سرد

---

(١) دردیوان مطبوعه نیز همین طور واقع شده اما در آب حیات نوشته: «نہیں نکسے ھے مرے دل کی اپا ھے گا ھے» - «اماھو» در هندی بمعنیء امنگ' و «اپا ھے» بمعنیء تدبیر و فکر وغیره می آید -
(٢) اصل: «منه» ودر دیوان مخطوط: «دیکھه مونهه اوس کا .... یون اشارت سے بتایا»

یوں اشاروں سے جتایا: «سر راھے گاھے»

رات بزم شراب تھی ، اور یار
جام لیتا تھا ھاتھ سے سب کے
(۲۰۰ب) کہیں منہ سے نکل گیا اپنے:
« جام لے ھاتھ سے مرے اب کے »
ووھیں تیوری چڑھا ، لگا کہنے:
« کچھ نظر آے تم عجب ڈھب کے !
میں جو پیالہ تمھارا ھاتھ سے لوں
ایسے تم میرے آشنا کب کے ؟»

نتھ کے موتی پکارتے ھیں پڑے:
«میرے عاشق کا ناک میں دم ھے»

یہ چال (۱) یاقیامت، یہ حسن یا شرارا!
چلتا ھے کس ٹھسک(۲) سے،ٹک دیکھیو، خدا را!
جوڑا لپیٹے جب تک، روز حساب آخر
بلبے! تری بناوٹ، اے خود نما، خود آرا!
کسکا یہ نرگستاں ؟ تیرے شہید، پیارے
زیر زمیں سے اوٹھ کر، کرتے ھیں پھر نظارا
پوچھے(ھے)مجھ سے، سنیو:«عاشق ھے کیا تو میرا؟»
کچھ جانتا نہیں ھے ، بھولا بہت بچارا !
اتنی جراحتوں پر جیتا ھے سوز ابتک
سینہ ھے یا کہ ترکش، دل ھے کہ سنگ خارا؟

(۱) اصل: «خال» و تصحیح از دیوان مخطوط - (۲) اصل: «جھمك»

تو جو پوچھے ہے کہ «تیرا دل، بتا، کسنے لیا»؟
بس حیا آتی ہے، مجکو مت بکا، کسنے لیا

سرشك شمع، آخر، شمع محفل ایکدن ہوگا
یه آنسو رفته رفته جمع ہو، دل ایکدن ہوگا
تجھے اے دل، بغل میں محنتوں سے میں نے پالا تھا
نجانا تھا که تو ہی میرا قاتل ایکدن ہوگا

کہوں کس سے حکایت آشنا کی؟
سنو، صاحب، یه باتیں ہیں خدا کی
کہا میں نے که «کچھه خاطر میں ہوگا
تمہارے ساتھه جو میں نے وفا کی»
تو کہتا کیا ہے: «بس بس، چونچ کر بند
وفا لایا ہے، دت! تیری وفا کی»

(۲۰۱ الف) عدم سے زندگی لائی تھی پھسلا
که دنیا جاے ہے اچھی فضا کی
جنازه دیکھه (کر) سن ہوگا دل
که ہے! ظالم، دغا کی رے، دغا کی

او میاں، او جانیوالے! کہیو اوس میخوار سے
کوئی دیوانه کھڑا پٹکے ہے سر دیوار سے

ادھر، دیکھو تو، کس ناز و ادا سے یار آتا ہے!
مسیحا کی موئی امت کو، ٹھوکر سے جلاتا ہے

اشعار ادائیهٔ میرسوز بسیار اند ـ چون پیش فقیر نبودند، ناچار نوشته نشدند ـ

ششم از طبقهٔ اولی، برادر کوچك خواجه میر درد، که محمد میر نام دارد و اثر تخلص میگزارد (۱)، صاحب کمال آگاه فن وعالم شیرین سخن است که در عذوبت و صفائی کم از برادر خود نیست، بلکه در شوخی و مزه زیاده تر ازو - علی الخصوص مثنوی، که در تعریف و بیان صحت کدام معشوقه، از قلم نازرقم او بر صفحهٔ هستی نقش وجود گرفته، بکمال پاکیز گی و گرمیء محاوره واقع شده - بیان فضل و کمال او مستغنی از شرح است - چون مرید خاص برادر خود بود، بعد رحلت او برمسندش نشسته، بهدایت مریدان و معتقدان مدتی مشغول مانده، آخر شربت اجل چشید - دیوانش مشهورست و کلام اونهایت مقبول. چند شعر ازوست:

رقیبوں نے، حماقت سے تو یہاں تك پاسبانی کی

که اوس نامہرباں نےضد سے آخر مہربانی کی

---

(۱) حسن : ۸ الف ؛ طبقا: ۳۴؛ گلز : ۸ب ؛ لطف : ۳۰؛ تذکره: ۵ب؛ نغز : ۱، ۴۳؛ شیفته: ۱٦ ب ؛ طبقات : ۲۲۰ ؛ شمیم : ۲۷ ؛ سخن : ۱۰؛ آبحیات : ۱۸۵ ؛ طور : ۹؛ خمخانه : ۱، ۱۲٦ ؛ گل: ۲۰۸؛ جواهر : ۲، ۴٦۷ - بیاض: ۲۲ -

شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۳۰ب) می فرماید: «میر محمدی، اثر تخلص، برادر حقایق و معارف آگاه خواجه میردرد، جوانیست موصوف باوصاف حمیده و اخلاق پسندیده - از مشرب صوفیه حظیوافر دارد - طرز سخنش بطرز برادر است - دیوان مختصر فارسی و هندی هردو دارد - کلامش خالی از درد و اثر نیست» -

و مبتلا، در گلشن سخن (۹ب) می گوید: «اثر، نامش خواجه محمدمیر، برادر خورد میردرد، از نجبای دهلی است - میر در حلقهٔ اهل دلان نهاد اوقات بکسب ریاضت بسرمی برد، و بیشتر در یاد الهی مشغول می باشد - صاحب علم و عمل، و شورش وبرشتگی از سخنهایش هویدا» -

اثر تا سال اختتام تذکرهٔ هندی گویان مصحفی (که ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ع می باشد) بقید حیات بوده، و قبل از سال اتمام مجموعهٔ نغز (که ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰٦ع است) وفات یافته بود - بنابرین قول گل و جواهر، که اثر قبل سنه ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ع) رحلت کرده، زمانی را نشان میدهد که از سنهٔ وفاتش بعید تراست نسبت به سنه ۱۲۲۱ھ.

تیرے کوچے میں دوبارا خوب ہم ہو کر چلے
ڈھونڈنے آئے تھے دلکو، جان بھی کھو کر چلے

کب کب آوے ھے اثر، کیوں تجھے ننگ آتا ھے؟
آنکلتا ھے کبھی، جی سے جو تنگ آتا ھے

ہوا کیا وہ ترا، اے شرمگیں، چپ ہو کے رہ جانا
کبھی جو بات، کھابدنا، ہوئی جو بات، سمجھانا

کوئی کھاتا تھا دغا، جھوٹھی مدارات سے میں
آ پھنسا دام میں، کیا جانیے، کس بات سے میں!

سخت ناچار ھے تقدیر کے ہاتھوں بندہ
ورنہ یوں باز رہوں تیری ملاقات سے میں!

جی میں ھے، از سر نو جور ترے یاد کریں
تو سنے یا نہ سنے، نالہ و فریاد کریں

ان بتوں کی ھے بڑی دوڑ، یہی دل شکنی
یہ کہاں، جو یہ کسی دل کے تئیں شاد کریں؟

ہم اسیروں کی اوسے چاہیے خاطر داری
اور اولٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

جو سزا دیجے، ھے بجا مجھکو
تجھہ سے کرنی نہ تھی وفا مجھکو

آہ! لیجاؤں اب کہاں دل کو؟
چین اوس بن ہو اب جہاں دل کو (۱)
آہ! لیجائیے کہاں دل کو؟

(۱) این مطلع در دیوان مطبوعہ (انجمن ترقیء اردو) یافتہ نمی شود۔ و در مطلع دیگر تقدم و تاخر است۔

نه لگا، لے گئے جہاں دل کو
تو بھی جی میں اوسے جگہ دیجو

منزلت تھی اثر کے ھاں دل کو
بیگناھوں سے دل کو صاف کرو
نہیں تقصیر، پر معاف کرو

اثر، کیجیے کیا، کدھر جائیے؟
مگر آپ ھی سے گزر جائیے
کبھو دوستی ھے، کبھو دشمنی
تری کونسی بات پر جائیے؟

کیدھر کی خوشی، کہاں کی شادی؟
جب دل سے ھوس ھی سب اوڑادی
تا ھاتھ لگے نه کھوج دل کا
عیار نے زلف ھی اوٹھا دی

(۲۰۲ الف) یا رب! سوا لقاء وجهك
لا مقصودی و لا مرادی

احوال تباہ کو دکھاؤں میں کسے
افسانۂ درد و غم سناؤں میں کسے
تو دیکھه نه دیکھه، سن نسن، جان نجان
رکھتا ھوں تجھی کو، اور لاؤں میں کسے

هفتم از طبقۂ اولی تابان (۱) که میر عبدالحی نام داشت.

---

(۱) گلشن گفتار: ۴۱؛ نکات: ۷۱ب؛ گردیزی: ٦ب؛ فص: ۴۱۸ الف؛ مخزن: ۵؛ چمنستان: ۵۳۳؛ حسن: ۷۲ الف؛ طبقا: ۷۲؛ گلز: ۷۲ الف؛ لطف: ٦۷؛ تذکره: ۱٦ب؛ نغز: ۱‘۱۳۱؛ شیفته: ۳٦ الف؛ طبقات: ۱٦٦‘ شمیم: ۲۴‘ سخن: ۸۰‘ آبحیات: (باقی)

از دورۂ سابقین بوده ـ قامت دلفریب او بلباس حسن آراسته، وخمیر طبیعتش بآب عشق و محبت پیراسته. افصح شاعران عصر خود بوده ـ نسبت شاگردیش، باعتقاد بعض، بشاه حاتم میرسد، و بتحقیق بعضی به‌محمد علی حشمت منهتی می‌شود ـ کلام او بسیار بامزه وپرصفا است ـ از هرجا که بوده، غنیمت بوده است ـ در عین شباب وفات یافت ؛ و دیوانش در همه شهر هندوستان مشهور ـ این چند شعر ازوست:

رهتا هے خاك و خوں میں سدا لوٹتا هوا
میرے غریب دل کو، الهی! یه کیا هوا ؟

تو مجکو دیکهه نزع میں، مت کڑھ که میرے یار
مجهه سے بهت هیں، ایك نه هوگا تو کیا هوا

تاباں کے دیکهنے سے برا مانتے تهے تم
کهودی بهار حق نے تمهاری، بهلا هوا

جفاسے اپنی پشیماں نهو، هوا سو هوا
تری بلاسے، مرے دل پہ جو هوا، سو هوا

(بقیه) ۱۳۷؛ طور: ۲۰ ؛ خمخانه: ۲، ۱۴؛ گل: ۱۲۴؛ قاموس: ۱، ۱۵۴؛ عسکری: ۱۰۹؛ جواهر: ۱، ۳۰۰؛ بیاض: ۱۳؛ اشپرنگر: ۲۹۳؛ بلوم هارٹ: ۳۱ ـ

مبتلا، در گلشن سخن (۲۱ الف) می گوید: « میر عبدالحی تابان دهلوی درشرافت و نجابت طاق، و درحسن و دلبری شهرهء آفاق بوده میر مسطور را فقیر هم در عهد محمدشاه مغفور دیده بود ـ کلامش تازگی و اداها دارد ـ صاحب دیوانست» ـ

حسب تصریح اهل تذکره، تابان در عهد محمدشاه بادشاه دهلی، (که در ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ع رحلت کرده) وفات یافته است ـ اما بلوم هارٹ، بنابر غلط فهمیء عبارت لطف، گمان برده که تابان تا سال ۱۲۰۱ھ (۱۷۸٦ع) در لکهنؤ میزیست ـ و همین غلطی از د تاسی سرزده ـ کریم‌الدین قول د تاسی را تغلیط کرده است، و سبب تغلیط نزد بنده اینست که لطف در تذکرهء خود گفته که او در ۱۲۰۲ھ سلیمان را، که محبوب تابان بود، بحالت پیری در لکهنؤ دید ، نه که خود تابان را ـ واین هردو علمای یوروپ گمان برده اند که لطف تابان را دیده بود ـ

گلی میں اپنی روتا دیکھہ مجکو، وہ لگا کہنے
که «کچھہ حاصل نہیں ہونیکا، ساری عمر رو بیٹھا»

میں خواب میں دیکھا ہے لگاتے اوسے منہدی(۱)
کیا جانیے، کس کسکا لہو آج بہے گا؟

آئی بہار، شورش طفلاں کو کیا ہوا؟
اهل جنوں کدھر گئے؟ یاراں کو کیا ہوا؟
(۲۰۲ب) اوس جامه زیب غنچه دهن کو چمن میں دیکھه
حیران ہوں که گل کے گریباں کو کیا ہوا؟
آنے سے تیرے خط کے، یه کیوں ہے گرفته دل؟
بتلا که تیری زلف پریشاں کو کیا ہوا؟
روتے ہی تیرے غم میں گزرتی ہے اوسکی عمر
پوچھا کبھی نه تونے که «تاباں کو کیا ہوا؟»

هشتم از طبقهٔ اولی، صاحب حال و قال، مجمع فضل و کمال، شاه گھسٹیا المتخلص بعشق است(۲) که بکسوت درویشی در عظیم‌آباد با نهایت اعزاز و احترام بسربرده - آوازهٔ شیرینیء کلامش بازار قند و نبات شکسته، و طنطنهٔ ملاحت تقریرش شور ملیحان را چون ماهی بر تابهٔ حسد برشته - سوختگیء عشق و برشتگیء تصوف هردو باهم دارد- دیوان صفا بنیانش، از اول تا آخر، بریك حالت واقع شده است این چند شعر ازوست:

---

(۱) اصل: «مهدی»

(۲) حسن: ۸۳ب؛ طبقا: ۳۴؛ گلز: ۱۴۸ الف؛ لطف: ۱۲۶؛ تذکره: ۵۳ الف؛ نغز: ۱، ۳۸۴؛ شیفته: ۱۱۲ الف؛ طبقات: ۱۸۴؛ شمیم: ۱۷۲؛ سخن: ۳۳۰؛ طور: ۱۷؛ قاموس: ۲، ۸۵؛ جواهر: ۱، ۳۱۱؛ اشپرنگر: ۲۴۱-
(باقی)

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا ندیکھا !
ندیکھا ، سو دیکھا ، جو دیکھا ، ندیکھا
وہ آیا نظر بارھا، پر کسی نے
یہ حیرت ھے ، اوسکا سراپا ندیکھا
ترا چین ابرو ، مرا غنچۂ دل
وہ عقدے ھیں یہ ، جنکو کھلتا ندیکھا
خدا کی خدائی ھے قایم، پہ تجھہ سا
ندیکھا ، ندیکھا ، ندیکھا ، ندیکھا
سبھی دعوئ عشق رکھتے ھیں ، یارو !
پہ کوئی عشق سا ہم نے رسوا ندیکھا

کھنے کو ادھر اودھر گئے ہم
تھے تیری طرف، جدھر گئے ہم
تا، جان! نہو عدول حکمی
تو نے کہا: «مر»، تو مرگئے ہم

(۲۰۳ الف)ہم نے تو خاك بھی دیکھا نہ اثر رونے میں!
عمر کیوں کھوتے ہو، اے دیدۂ تر! رونے میں
رات کب آئے تم اور کب گئے معلوم نہیں

(بقیه) مبتلا' درگلشن سخن (٦٧ب) می گوید: «شاه‌رکن‌الدین متخلص به عشق' مشهور بشاه گھسیٹا' نواده‌ءشاه فرهاد نقشبندیست - از دهلی بمرشدآباد رسیده، در لباس دنیا چندی با خواجه محمد یخان روزگار بعزت و حرمت گزرانید - و بعدازان بطریق آبای خود لباس درویشی دربر نموده، رحل اقامت در عظیم‌آباد انداخت - تا این زمان' که سال یکهزار و یکصد و نود و چار هجریست، در بلده‌ء مذکور بشغل وجد و حال اکثر می باشد - دیوان ریخته اش هزار و پانصدبیت دیده» -

در نغز ، از شاه‌کن‌الدین عشق بالفاظی ذکر رفته است که برای اموات مستعمل می باشند - و اشپرنگر تصریح کرده که وفاتش در ۱۲۰۳ه (۱۷۸۸ع) واقع شد -

جان ، اپنی نرهی ھم کو خبر رونے میں
جب تلك اشك تھمے بیٹھه ، اگر آیا ھے

تیری صورت نہیں آتی ھے نظر رونے میں
تجکو ، ای دیدهٔ تر ، شغل ھے رونا ، لیکن

ڈوبا جاتا ھے یہاں دل کا نگر رونے میں
عالم عشق میں مجنوں بھی بڑا گاڑھا تھا

یار ، مجنوں سے بھی ھم گاڑھے ھیں پر رونے مں

لے آسماں اپنا اور یه زمین دونوں
عاشق تو چھوڑ بیٹھے دنیا و دین دونوں

کوئی بت کہتے ھیں اور کوئی خدا کہتے ھیں
ھم سے جو پوچھو ، تو دونوں سے جدا کہتے ھیں

نہم از طبقهٔ اولی ، مونس دل زدگان ، غمخوار عاشقان ، اشرف علی خان فغان (۱) بوده ، که مشهور «بکوکه خان» است ، یعنی : کوکهٔ

(۱) نکات : ۱۰ الف ؛ گردیزی : ۲۰ ب ؛ مخزن : ۴۲ ؛ چمنستان : ۲۸۴ ؛ حسن : ۸۷ ؛ الف ؛ گلز : ۱۵۱ ب ؛ لطف : ۱۳۰ ؛ عقد ۶۲ الف : نغز : ۲ '۲۷ ؛ شیفته : ۱۲۶ الف ؛ طبقات : ۹۱ ؛ سراپا : ۹۸ ؛ شمیم : ۲۳ ؛ سخن : ۳۶۹ ؛ صبح : ۳۱۸ ؛ آب حیات : ۱۲۳ ؛ طور : ۷۷ ؛ محبوب الزمن : ۲ '۸۰۹ ؛ گل : ۱۱۷ ؛ قاموس : ۲ '۱۲۸ ؛ جواهر : ۱ '۲۶۳ ؛ بیاض : ۱۰ ؛ اشپرنگر : ۲۲۶-

میرعلاءالدوله ' در تذکرة الشعرا (۱۳۸ب حاشیه) می فرماید : «اشرف علی خان ' فغان تخلص ' جوان خوش طبع و لطیفه گو است ، و در ریخته گوئی دستگاهی دارد ، وصاحب دیوان ست . در عهد احمدشاه بخطاب "کوکه خان" و بمنصب پنج هزاری معزز گشته ' و بامولف تذکره ، فقیر اشرف علی خان ، رشتهٔ قرابت دور درازی دارد» .

و شاه محمد حمزه ' در فص الکلمات (۴۲۳ الف) نوشته که «از عمدهء منصبداران عهد محمدشاه است . وضع ظریفا نه داشت» .

وحیرت ، در مقالات الشعرا (۵۴ الف) می گوید : « میرزا اشرف علی خان از کوکه های میرزا احمد است ، و بگرم جوشی و خوش اختلاطی و حاضر جوابی موصوف . اکثر ریخته و گاهی شعر فارسی می گوید . بعد محبوس شدن بادشاه مسطور ، پیش نواب شجاع الدوله پسر ابوالمنصور خان رفت » . (باقی)

(بقیه) و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۳٦ الف) باین الفاظ مختصر معرفی کرده:
"مرزا اشرف‌علی‌خان، فغان تخلص، کوکۀ احمدشاه بادشاه بود - شاعر فارسی و هندیست - سخن او خالی از دردنیست،،

و مبتلا، درگلشن سخن (۹۰ب) می فرماید: «اشرف علی‌خان متخلص به فغان، برادر رضاعیء احمدشاه ابن محمدشاه سلطان دهلی بوده، لهذا بخطاب کوکه‌خانی سرافرازی داشت - دراواخر عهد سلطنت احمدشاه از دهلی برآمده بصوبۀ اوده رسید، و چندی درآن دیار توقف ورزیده، در اوایل عشرهء سابعه بعد مائة و الف بعظیم‌آباد وارد شد- روسای آن شهر اورا گرامی داشتند؛ و خان مذکور جاگیر بآلتمغا حاصل نموده، بفراغت می گزرانید؛ و در مزاج راجه شتاب رای ناظم عظیم‌آباد دخل تمام داشت؛ و بوساطت راجۀ مسطور خطاب ظریف الملك بنام خود گرفت؛ و درسنۀ هزار و یکصد و هشتاد وشش رحلت نمود؛ و درعظیم‌آباد مدفون گردید - کلیات ریختهاش دو هزار بیت دیده شد - اکثر سخنهایش تازه مضمون ست و سراپالطافت، و نسبت شاگردیء مرزاندیم درست داشت» -

و عاشقی، در نشتر عشق (۵۲۱ ب) می گوید: «فغان، اشرف‌علی خان شاهجهان‌آبادی مشهور بکوکه - چون مادر آن مرحوم، احمد شاه بن فردوس آرامگاه حضرت محمدشاه را شیر داده بود، لهذا باین لقب شهرت داشت - در اوایل عهد احمدشاه بادشاه مرحوم، از دهلی متوجه دیار مشرق شد؛ و اول بصوبۀ اوده رسیده، بانواب شجاع الدوله بهادر پیوست، و چندی دران جابسر ساخت؛ و من بعد درسنۀ یکهزار و یکصد و هفتاد بشهر عظیم آباد رفته، براجه شتاب رای ناظم صوبۀ بهار توسل جست - وراجۀ قدردان بخوبترین وجه باوی پیش آمده، برفاقت خودکشید، و متکفل معاش او گردید - و بوساطت وی خطاب ظریف الملك از حضور شاه عالم بادشاه مغفور، که دران هنگام در بلدهء اله‌آباد رونق پزیر بودند، یافت، و دوسه دیه بطریق آلتمغا حصول ساخته، بفارغ البال و خوشحال اوقات بسر می‌نمود- سوای آن دیگرامراواعزای آن شهر، سلوك و مراعات باوی میکردند، وعزت و خاطرش می نمودند - چنانچه اولاد آن مرحوم تاتحریر مجموعۀ هذا در شهر عظیم‌آباد موجود اند، و از همان معاش مذکوره زندگانی می نمایند -

گویند: خان مذکور بکمال شگفته مزاج بود- و ازبس ظرافت و مزاح برخاطر داشت- نوبتی مکان پخته برای سکونت خود بنا نهاد، و بعد تیاریء آن احباب را ضیافت کرد- و دران مجلس عندالاذکار بر زبان آورد که می خواهم کدام نشانی برمکان درست سازم، تاازان دریافت شود که مکان فلانی است - خدمتگارخان مذکور ایستاده بود- دست بسته عرض کرد که نشان مکان بخاطر فدوی خوب رسیده است - چون خان استفسار کرد، گفت که بالای دروازه دو پستان بسازند، تامردمان دریافت کنند که این مکان اشرف‌علی‌خان کوکه است - خان و حاضرین بخنده در آمدند، ووی را انعام نمودند - اکثر تلاش نظم (باقی)

سبقت زمانه، صفای تمام دارد؛ ونسبت شاگردیش بمرزا علی قلی ندیم، که شاعر ایهام‌گو گزشته، میرسد - بسیار خوش تقریر و بذله‌سنج و لطیفه‌گو بود - باوجود مصاحبت پیشگی، بعزت تمام بسر برده - گویند که روزگار نواب شجاع‌الدوله مغفور را بهمین قدر حرکت، که در عالم اختلاط دستش بفلس سوخته بودند، به بیمزگی گزاشته رفت، و در عظیم‌آباد پیش راجه شتاب رای یکی از مقربان او شده، همانجا باجل طبعی در گزشت - این چند شعر ازوست :

(۲۰۳ب) رفته رفته، بت خوش قد مرا آفت هوگا
جو قدم آگے رکھیگا، سو قیامت هوگا

ایسی نگاه کی که مرا جی نکل گیا
قضیا مٹا، عذاب سے چھوٹے خلل گیا

آئی بہار پھیر، تو سن لیجیو، فغان
زنجیر کو توڑاکے دوانا نکل گیا

آنا همارے گھر میں تجھے عار هوگیا
ایسا فغان کے نام سے بیزار هوگیا !

آنکھوں نے، لے سفینۂ الفت، ڈبودیا
کچھه بس نه چل سکا، تو، مری جان، رودیا

کیا پوچھتے هو حال فغان؟ کیا سنا نہیں ؟
خانه خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

(بقیه) بزبان ریخته می کرد - وگاه گاهی فکر فارسی هم می نمود » -

درگلشن، وگلز، و شمیم، و سخن، وجواهر، رحلت فغان در ۱۱۸٦ھ (۱۷۷۲ء) ثبت افتاده است اما صاحب محبوب الزمن گوید که تاسنه ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) بقید حیات بود - و شیفته و طبقات، وفاتش رادر ۱۱۹٦ھ (۱۷۸۲ء) معرفی کرده - اما اصح همان ۱۱۸٦ھ است -

اوس کی وصال و هجر میں یونہی گزر گئی
دیکھا تو هنس دیا، جو ندیکھا تو رودیا

تجھکو روزی هو، مری جان، دعائیں لینا!
مجکو هرشب تری زلفوں کی بلائیں لینا!

ترے فراق میں کیونکر یہ درد ناك جیے؟
مرے تو مر نہیں سکتا، جیسے تو خاك جیے!

مرجائیے، کسی کو نہ دنیا میں چاهیے
کیا کیا ستم سہے! مری چھاتی سرا هیے(۱)

کہتے هیں: «فصل گل تو چمن سے گزر گئی»
اے عندلیب، تو نہ قفس بیچ مر گئی

شکوہ تو کیوں کرے هے مرے اشك سرخ کا؟
تیری کب آستیں مرے لوهو سے بھر گئی؟

تنہا اگر میں یار کو پاؤں، تو یوں کہوں
«انصاف تو نہ چھوڑ، محبت اگر گئی

آخر فغاں وهی هے، اوسے کیوں بھلادیا؟
وہ کیا هوا تپاك؟ وہ الفت کدهر گئی؟

مجھہ سے جو پوچھتے هو، بهر حال شکر هے
یوں بھی گزر گئی مری، ووں بھی گزر گئی»

(۲۰۴ الف) ڈرتا هوں، محبت میں مرا نام نهووے
دنیا میں، الهی، کوئی بدنام نهووے!
شمشیر کوئی تیز سی لانا، مرے قاتل
ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نهووے

(۱) اصل: ''سرهائیے''

دهم از طبقهٔ اولی، شاعر رنگین، که کلامش همه شیرین و متین است ، انعام‌الله‌خان یقین (۱) بوده - «از دورهٔ ایهام(۲) گویان اول کسیکه ریخته را بر وضع فارسی‌گویان شسته و رفته گفته، این بزرگ بود» - شاگرد مرزا جان جان (۳) مظهر است- و بعضی گویند که دیوان

---

(۱) ذیل تاریخ محمدی، تحت وفیات سنه ۱۱۵۹ه؛ گلشن گفتار: ۴۴؛ نکات: ۱۱ب؛ گردیزی: ۲۶ب؛ فص: ۷۴۲ الف؛ مخزن: ۴۹؛ چمنستان: ۱۶۱؛ حسن: ۱۵۴ ب؛ طبقا: ۲۶؛ گلز: ۳۰۸ب؛ لطف: ۱۸۴؛ تذکره: ۹۰ الف؛ نغز: ۲، ۳۵۵؛ شیفته: ۲۰۷ب؛ طبقات: ۱۹۳؛ سراپا، ۱۸۷؛ شمیم: ۲۵۹؛ سخن: ۵۶۸؛ طور: ۱۲۸؛ گل: ۱۸۷؛ جواهر: ۱، ۲۸۴؛ دیباچهٔ دیوان یقین ، مرزا فرحت الله بیگ صاحب ، طبع انجمن ترقیء اردو. اشپرنگر ، ۳۰۵؛

مبتلا، در گلشن سخن (۱۱۵ الف) نوشته: «یقین دهلوی، نامش انعام‌الله‌خان ، خلف اظهرالدین‌خان، منظور نظر و محبوب دل مرزا مظهر بود - راقم وی را در دهلی بارها دیده- استعداد سخن سنجی چندان نداشت - مرزا مظهر از فرط الفت اشعار خود را بنام او کرده، اشتهار داد- گویند: "او اخر عهد احمدشاه، پدر یقین وی را جهت امر ناشایسته که درین زمان او .... کشت» - و بعضی گویند: "او مانع پدر می‌شد که افعال شنیعه بعمل نیارد - لهذا از دست پدر بقتل رسید» - العهدة علی الراوی - بهر تقدیر، من اماء فعلیها (؟) - دیوانش که از پانصدبیت قدری زیاده باشد، همه مرغوب طبع است» -

و مهجور ، در مدایح الشعرا (۷۴ب) گفته: «نام آن شاعر بلند مقام، انعام الله‌خان خلف الصدق اظهرالدین‌خان، بخانوادهء شیخ مجدد الف ثانی مشهور - منظور نظر میرزا مظهرجان جانان شاعر مذکور سوادی نداشت - مرزا مظهر اشعار خود نامزد او می فرمود» -

مصنف گلشن گفتار گفته است که یقین برادرزادهء میرزا مظهر بود - لاکن بندهء عرشی رادرین تامل است؛ چه حسب تصریح گردیزی وغیره، یقین از خانوادهء مجدد الف ثانی فاروقی است، و میرزا مظهر علوی النسب بوده -

درخصوص و فاتش گفته‌اند که بعمر بست و پنج سال، و علی الاصح سی سال تقریبا، در سنه ۱۱۶۹ه (۱۷۵۵ع) بردست پدر شهادت یافت -

یك نسخهٔ خطیهٔ دیوانش، در کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظست -

(۲) اصل: ابهام - و تصحیح از تذکرهء هندی گویان مصحفی، که عبارت هذا ازو اقتباس شده -

(۳) دراصل «جان جان» بود - اما کسی حرف «نا» افزوده، جان جانان ساخته است -

او، من اوله الی آخره، همه گفتهٔ مرزاست - بهر کیف ، درین وضع همه‌ها متبع او هستند - در اول شباب مفقودالخبر گشت - حالش معلوم نشد که چه شد - مصحفی درتذکرهٔ خود آورده که پدرش او را کشته، دردیگ مدفون ساخت، و این سر راکسی نمیداند - خدایش بیامرزد ! شاعری لطیف بوده - این چند شعراز دیوان فصاحت بنیان اوست :

نہیں معلوم، ابکے سال میخانے پہ کیا گزرا؟
ہمارے توبہ کے کرنے سے، پیمانے پہ کیا گزرا؟
برہمن سر کو اپنے پیٹتا تھا دیر کے آگے
خدا جانے، تری صورت سے بت خانے پہ کیا گزرا؟
یقین، کب یار میرے سوز دل کی داد کو پہنچے؟
کہاں ہے شمع کو پرواکہ پروانے پہ کیا گزرا؟

سر بر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا
مجھے ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا
مجھے زنجیر کرنا کیا مناسب تھا بہاراں میں؟
کہ گل ہاتھوں میں اور پانوؤں میں میرے خار بہتر تھا

کیا بدن مہکا کہ جسکے کھولتے جامے کا بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا
(۲۰۴ب) آنکھ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ ، یقین
گھر سے جو باہر گیا لڑکا ، سو ابتر ہوگیا

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
نرا برا نہیں یہ شغل ، کچھ بھلا بھی ہے
یقین کا شور جنوں سنکے، یار نے پوچھا

«کوئی قبیلے میں مجنوں کے اب رہا بھی ہے؟»

یازدهم از طبقهٔ اولی، شیخ ظهورالدین بود که بشاه حاتم (۱) شهرت دارد. مصحفی در تذکرهٔ خود، زبانیء شاه موصوف، می نگارد که «در سال دوم فردوس آرامگاه، دیوان ولی درشاهجهان آباد آمده، و

---

(۱) گلشن گفتار : ۲۵؛ نکات: ۱۰ ب؛ گردیزی: ۱۰ ب؛ فص: ۴۱۸ ب؛ مخزن: ۲۴ ؛ چمنستان: ۱۳۵؛ حسن: ۳۶ الف؛ طبقا: ۱۹ ؛ گلز : ۴۱ ب ؛ لطف : ۸۱ ؛ عقد : ۳۵ ب ؛ تذکره : ۳۸ الف ؛ نغز: ۱‘۱۷۹؛ شیفته: ۵۰ ب؛ گلدسته : ۳۰۶ ؛ طبقات : ۱۳۱؛ سراپا : ۲۶۶؛ سخن: ۱۲۰؛ روز روشن: ۱۶۱؛ آبحیات: ۱۱۲؛ خمخانه : ۲‘ ۳۴۲ ؛ گل : ۱۱۵؛ قاموس: ۱‘۱۹۲؛ عسکری: ۱۰۲؛ جواهر: ۱‘۲۳۳؛ اشپرنگر : ۲۳۵ .

مبتلا، درگلشن سخن (۳۴ ب) می گوید: «شیخ محمدحاتم، موطنش دهلی، و معاصر نجم‌الدین آبرو بوده. زبانش با زبان ولی دکهنی مناسبت دارد. میرعبدالحی تابان از تلامذهء اوست. شاعر فصیح بیان و سرآمد ریخته گویان (بود). دیوانش دوهزار بیت، بلکه زیاده».

آزاد و کریم الدین و صاحب خمخانه و صاحب قاموس و عسکری گمان برده اند که وفاتش در ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۱ و ۱۷۹۲ع) واقع شده بود. نزد بندهء عرشی، منشاو مبنای این قول را در تذکرهء هندی گویان مصحفی توان یافت، جائیکه می گوید که عمرش قریب بصد سال رسیده، و دوسه سال شده که ازین دارفنا انتقال کرد. چون بنابر خاتمه اتمام تذکرهء هندی گویان در ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) بوده، این بزرگان دوسال را از سنه اتمام تذکره تفریق کرده، قایل بمرگ حاتم در ۱۲۰۷ھ شدند. اما این رای درست نیست، زیرا که مصحفی تذکرهء مذکوره را در ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۶ع) آغاز نموده، لهذا باید که «دوسه‌سال» را ازین سنین خارج کنیم، تا ۱۱۹۷ھ باقی ماند که مختار اوست درعقد؛ چنانچه درو می گوید: «در یکهزار و یکصد و نودوهفت رحلت کرد. فقیر تاریخ رحلتش چنین یافته ... آه، صدحیف شاه حاتم مرد»

و در خمخانه و عسکری از خود مصحفی نقل شده که حاتم بعمر ۸۳ سال در ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ع) ازین جهان در گزشت. بنده هر چند تفحص کردم، امادر تذکرهای مصحفی این تاریخ رانتوانستم که بیابم. اما مستبعدنیست که این بزرگان هم در فهم عبارت عقد غلطی کرده باشند و در «آه» یك الف اختیار کرده، یك عدد کم کرده باشند.

یك نسخهٔ خطیه از دیوان زاده‌اش، که بحسب ظاهر نسخهٔ منقول از نسخهٔ مولف بنظر می‌آید، در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور محفوظست. این دیوان مختصر باوجود صغر حجم، در خصوص تدوین تاریخیء کلام شعرای عصر مولف خیلی باقیمت و مهمست، چه تقریبا درعنوان هر غزل تاریخ و طرح و اسم صاحب طرح را دارا است.

اشعارش بزبان خورد و بزرگ جاری گشته؛ مادوسه کس، که مراد از ناجی و مضمون و آبرو باشد، بنای شعر هندی بر ایهام گوئی نهاده، داد معنی یابی و تلاش مضامین تازه میدادیم، و باخودها محظوظ بودیم»۔ غرضکه اوستاد قدیم است۔ بیشتر اوستادان شاگرد او بودند۔ سلطان الشعرا نیز شاگرد اوست۔ مشار الیه زندگانیء بسیار نمود، و آخر آخر، وضع مرزا پسند نموده، دیوان خودرا که قدیم بود از طاق نظر افگنده، برطرز حال دیوانی دیگر گفته، دیوان زاده اش نام نهاده بود۔ این چند شعر ازوست:

تم تو بیٹھے ہوے پہ آفت ہو
اوٹھہ کھڑے ہو، تو کیا قیامت ہو!

دل تو چاہ ذقن میں ڈوب موا
آشنا تھا، غریق رحمت ہو!

مفلسی اور دماغ، اے حاتم
تو قیامت کرے، جو دولت ہو

(۲۰۵ الف) مجھے تو دیکھہ کر، کیا تک رہا ہے؟
ترے ہاتھوں کلیجہ پك رہا ہے

خدا کے واسطے! اوس سے نبولو
نشے کی لہر میں کچھہ بك رہا ہے

تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں، دل نہیں
دور ہو پہلو سے، صحبت کے مری قابل نہیں

تو صبحدم نہ نہاے حجاب دریا میں
پڑے گا شور کہ ہے آفتاب دریا میں

طبقهٔ ثانی

اول سرحلقه فصحای طبقهٔ ثانی، چمن آرای گلزار سخندانی، مالك فصاحت و بلاغت، جعفر علی حسرت، (۱) که از شعرای نامدار لکهنئو بوده - شاعر پخته‌گو ومتین، کلامش نهایت مربوط و رنگین- همه اقسام سخن بخوبی گفته - بنابر طنطنهٔ شاعری و معلومات فن که داشت، باسلطان‌الشعرا هم مقابله می خواست - اما چون رتبه اش بحسب و نسب هر دو درنظر مرزا اعتبار نمیگرفت، مطلق باو ملتفت نشد، وهیچ در حساب نیاورد - و حالانکه حسرت بزعم خود هجو مرزا هم گفته بود، آنهم شهرت نگرفت - و طرفه‌تر اینست که مرزا باوجود بی اعتنائی و اغماض دوچار شعر برعایت پیشهٔ او که عطاری، یعنی دوافروشی بود، بگفتهٔ دیگر مردمان در قدحش گفته، آن اشعار تاحال برزبان خلق جاری هستند - بالجمله پایهٔ کلام مشارالیه ارفع و رتبهٔ شاعریش منیع -

---

(۱) حسن: ۴۰ الف؛ طبقا: ۳۷؛ گلز: ۴۴ ب؛ لطف: ۸۴؛ تذکره: ۲۶ الف؛ نغز: ۱'۲۰۷؛ شیفته: ۵۲ ب؛ سراپا: ۳۸۰'۲۱۲؛ شمیم: ۳۶؛ سخن: ۱۲۷؛ آبحیات: ۲۳۷؛ طور: ۲۸؛ روز روشن: ۱۷۱؛ خمخانه: ۲'۴۰۸؛ گل: ۲۱۵؛ قاموس: ۱'۲۰۱؛ عسکری: ۲۴۷؛ جواهر: ۱'۳۶۱؛ اشپرنگر: ۲۳۴ -

مبتلا، درگلشن سخن (۴۰ ب) گفته: «مرزا جعفر علی حسرت، ولد مرزا ابوالخیر از مشاهیر ریخته گویان لکهنئو است - اکثر تازه گویان آن شهر شاگرد اویند - صاحب قصاید وغزلیات - و تا حال، که سنه ۱۱۹۴ هجری نبویست، در قید حیات».

وفات حسرت، بقول خمخانه و عسکری و جواهر در ۱۲۱۷ھ (۱۸۰۲ء) و بقول لطف و گل در ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ء) و بقول شمیم و سخن و طور در ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۶ء) واقع شده - و فاضل محترم جناب قاضی عبدالودود صاحب (پٹنه) برحاشیهٔ تذکرهٔ سخن شعرا نوشته اند که از مادهٔ تاریخ گفتهٔ جرات، که «سوی جنت رفت» می باشد، ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) مستخرج می شود - بندهٔ عرشی در دیوان جرات (۳۹۵ الف، شماره ۴۰، فن دواوین اردو) این قطعهٔ تاریخیه یافته‌ام:

خلاق مضامین جو رحلت فرمائے ہر اهل سخن کو کیون نه حسرت رهجائے ؟ (باقی)

نزد اکثر اوستادان پایۀ اوستادیء او مسلم - در آخر عمر ترك (روزگار) گفته، لباس درویشی اختیار کرد، و بعد چندی در لکهنئو رحلت یافت - این اشعار ازوست:

(۲۰۵ب) کسکی نگه کا تیر لگا، آہ، کیا ہوا؟
ترپے ہے دل مرا، اسے اللہ کیا ہوا؟
کوئی دم کی بات ہے که نه تها بیقرار دل
کیا آفت اس په آگئی ناگاه، کیا ہوا؟

بیاں کیا کیجیے اوس سرو رواں کے قد و قامت کا
بلا ہے، آفت جاں ہے، نمونه ہے قیامت کا
ترے لب کے ہلانے میں جو، پیارے، جی نه اوٹھتا میں
نہوتا معتقد ہرگز مسیحا کی کرامت کا
خدا حافظ ہے، کیوں محفل میں اوسکا نام آیا تہا؟
تڑپنے سے ابھی دل کو مرے آرام آیا تہا
فلك، اك دم بھی تو نے وصل کی شب کو نه ٹھہرایا
یه ساری عمر میں تجهه تك ہمارا کام آیا تہا

آشیاں چھوڑ چلے، اے چمن آرا، ہم تو
توهی لیجائیو سر پر یه گلستان اوٹھا

(بقیه)
جرات نے کہی یه رو کے تاریخ وفات «یوں جاوے جہان سے حسرت، ارمان ہے، ہاے!»
ازین ماده: ۱۲۰۶ھ (۱۷۹۱ء) مستفاد می‌شود؛ اگر در لفظ «جاوے» حرف «و» را جزو ماده‌ء تاریخ شمار بکنیم - و اگر بر طبق الفاظ دیگر: «فرماے، رهجاے» که در بیت اول واقع شده، و در تمام نسخ خطیۀ کتابخانۀ عالیۀ رامپور، بدون «و» نوشته شده، «جاے» بخوانیم (و نزد بنده همین ارجح است) ۱۲۰۰ھ، که مختار شمیم وغیره است، بر می آید.
در کتابخانۀ عالیۀ رامپور یك نسخۀ خطیه از کلیاتش محفوظ است.

کل روتے ہوے جو اتفاقا
حسرت کے مزار پر گئے ہم
پڑھتا تھا یہ شعر وہ، تہ خاك
بس سنتے ہی جس کے مرگئے ہم
«واماندو(ں) پہ دیکھیے کہ کیا ہو؟
اپنا تو نباہ کر گئے ہم»

کس کا ہے جگر؟ جس پہ یہ بیداد کروگے
لو، دل تمہیں ہم دیتے ہیں، کیا یاد کروگے!

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تونے، فلك
ہاے اوس یوسف کو، جو تھا سارے کنعاں کی بساط

دوم از طبقهٔ ثانی، شاه محمدی بیدار است که میر محمدعلی نام و بیدار تخلص اوبود (۱). شاعری گزشته کهنه مشق؛ کلامش شسته و رفته، و خود در زی درویشی میزیست - از مریدان مولوی فخر الدین شمرده میشد - فارسی هم کم کم میگفت، بلکه چند (۲۰۶ الف) غزل ورباعی وقصیدهٔ فارسی، که گفته، آنهم پشت سر ورق دیوان خود نوشته میداشت - این چند شعر انتخاب ازدیوان ریختهٔ اوست:

---

(۱) نکات: ۲۱ب؛ گردیزی: ۲۵ (مطبوعه)؛ مخزن: ۶۳؛ چمنستان: ۵۰؛ حسن: ۲۲ب؛ گلز: ۲۲ب؛ لطف: ۵۹؛ عقد: ۷۱ب؛ تذکره: ۱۲ الف؛ نغز: ۱،۱۱۷؛ شیفته: ۳۴ الف؛ طبقات: ۱۵۶؛ سراپا: ۲۶۷، ۲۶۹؛ نسیم: ۱۰۲؛ سخن: ۷۴؛ روز روشن: ۱۱۴؛ طور: ۱۸؛ خمخانه: ۶۶۳،۱؛ گل: ۲۰۰؛ عسکری: ۲۵۱؛ جواهر: ۶۸۶،۲؛ بیاض: ۲۵؛ اشپرنگر: ۲۱۲ -

مبتلا، درگلشن سخن(۷۱ب)می گوید: «بیدار از روسای دهلی است - سخنور کامل مشهور - همعصر خواجه میر درد - دیوانش یکهزار (و)پانصد بیت بنظر آمده - کلامش دلچسپ و اسمش میر محمدی» -

مصحفی در تذکره گفته که «حالا دراکبرآباد است» - و بناء علیه در طبقات (باقی)

اب تک مرے احوال سے وهاں بیخبری هے
اے نالۀ جانسوز، یه کیا بے أثری هے ؟
فولاد دلاں ، چهیڑیو زنهار نه مجهکو
چهاتی مری ،جون سنگ، شرارون سے بهری هے

اوٹهکے ، لوگوں سے کنارے آئیے
کچهه هیں کهنا هے ، پیارے ، آئیے
جو کچهه چاهیے آپ فرمائیے
په غیرون کی باتیں نه سنوائیے
نصیحت سے ، بیدار، کیا فائده ؟
جو هو آپ میں، اوسکو سمجهائیے

دانت توکیاهیں، اگر کاٹو چهری سے، پیارے
هاتهه سے میرے تو ممکن نهیں دامان چهٹے

صورت اوسکی سماگئی جی میں
آه، کیا آن بهاگئی جی میں
تو جو، بیدار، یوں هوا تارك
ایسی کیا بات آگئی جی میں ؟

یه وهی فتنه و آشوب جهاں هے ، بیدار
دیکهکر پیر و جواں جسکو، حذر کرتے هیں
بس نهیں خوب که ایسے کو دل اپنا دیجے

(بقیه) می نویسد که در ۱۷۹۳ء در اکبرآباد بوده - و در گل و خمخانه نوشته شده که در ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) رحلت کرد - و اشپرنگر و فانش را در ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) معرفی کرده -

دیوان غزلیاتش، که در ۱۲۳۶ھ (۱۸۲۰ع) نوشته شده ، در کتابخانۀ عالیۀ رامپور یافت می شود -

آکے تو جان، میاں، ہم تو خبر کرتے ہیں

سیوم از طبقهٔ ثانی، فدوی (۱) لاهوری است، که بقوت شاعری و معلومات فن که بزعم خود زیاده تر داشت، بمرزا مقابل شده مهاجات نمود، و بسبب صفای بندش و ایراد قطعه ها در بیشتر غزلها، شهرت بسیار گرفت، و یکی از نامداران عصر (۲۰۶ب) خود گردید۔ اگرچه از اصل بقال پسری بود؛ اما مزاجش عاشق پیشه افتاده۔ شعر بسیار بامزه میگفت۔ این چند شعر ازوست:

ابرو کی تیغ تیز ہے، سورج ڈرے(۲) ہوے
پھرتا ہے اپنے منہ پہ سپر کو دھرے ہوے

آنسو نہیں یہ دیدۂ تر میں بھرے ہوے
موتی ہیں آبدار صدف میں دھرے ہوے

یہ سرو نہیں باغ میں، ہے آہ کسی کی
نرگس نہیں، تکتا ہے چمن راہ کسی کی

سر پر تو دھر کے نعش ہماری کو تا مزار
ہریك قدم پہ روتے ہوے خونفشاں چلے

---

(۱) حسن: ۹۰ب؛ طبقا: ۳۶؛ گلز: ۱۶۱الف؛ تذکره: ۵۸ب؛ نغز: ۲، ۳۹؛ شیفته: ۱۹۸؛ طبقات: ۹۰؛ سراپا: ۹۷؛ شمیم: ۱۷۹؛ سخن: ۳۵۹؛ آب حیات: ۱۵۵ حاشیه؛ اشپرنگر: ۲۲۶۔

مبتلا، در گلشن سخن(۸۴ب) می گوید: « فدوی لاهوری مرد خود پسند بر خود غلط بود۔» و میرولی الله، در تاریخ فرخ آباد (۱۶۱ الف) می نویسد: « فدوی شاعر مشهور، درعهد نواب احمد خان به فرخ آباد آمده، با میرزا رفیع السودا در مهاجات مطارحات نموده۔»

درشمیم نوشته که اسم فدوی مکند لال بوده، و به صابر علی صابر تلمذداشته۔ آخرکار مذهب هنود ترك کرده مشرف باسلام شد و در دهلی سکونت ورزیده۔ و درطبقات گفته که بعد قبول اسلام بمحمد حسن موسوم شد و بعمر پنجاه سال وفات یافت۔

(۲) اصل: « بھرے ہوے » و تصحیح از نغز: ۲، ۴۰۔

لائے تھے سر پہ دھر کے، کس اخلاص سے ہمیں
بس آنکھ اوجھل ہوتے ہی، اے دوستاں، چلے؟
یاروں نے اپنی راہ لی، فدوی، ہمیں رہے
وہ چیز اب کہاں ہے، جو پوچھے: «کہاں چلے»؟

چهارم از طبقهٔ ثانی، میر حسن علی تجلی (۱) است که عرفش «میاں حاجی» بود. بقول مصحفی (۲) «درفن ریخته بی نظیر، و همشیره زادهٔ میر محمد تقی میر. دیوان ضخیم ترتیب داده». و بزعم راقم رویهٔ میر، رحمه الله تعالے، سوائے مشار الیه در کلام هیچکس یافته نمی شود. حق اینست که هر چه گفته، خوب گفته؛ و از تشبیه و استعاره و کنایه و مجاز هر چه می بایست، دران مطلق کمی نه‌نموده. مثنوی «لیلی مجنون» را بنائے خوبی نهاده. غزلهائے بحر کامل، هیچ شاعری بهتر و خوشتر ازو نگفته. اشعارش بسیار مشهور. اگرچه کلام دلپذیرش همه (۲۰۷ الف) انتخاب و مستثنی؛ اما چند شعر درین رساله هم یادگار اونوشته شده اند:

نه تھا نازك اتنا، خبر نہیں دل پا شکسته کو کیا ہوا
کہ گھر نمط، سر راہ میں چلا سر سے آبلہ پا ہوا
تو کہیں رہے، پہ ترا الم مرے دل پہ رکھے ہے نت کرم

---

(۱) تذکره: ۱۷ ب؛ نغز: ۱، ۱۳۴؛ شیفته: ۳۸ الف؛ طبقات: ۱۳۹؛ سراپا: ۲۱۵؛ شمیم: ۳۶، سخن: ۸۲؛ طور: ۲۱؛ خمخانه: ۲، ۳۶.

اسم تجلی، در نغز و طبقات، میر محمد محسن و در شیفته، میر محمد حسین و در خمخانه، میر حسین و در سراپا و شمیم، میر حسن و در طور، میر محمد حسن ثبت افتاده. و اسم پدرش در نغز و طبقات و سراپا و شمیم و طور، میر محمد حسین کلیم و در شیفته، میر محمد حسن کلیم و در خمخانه، میر حسن کلیم نوشته شده است.

مثنوی «لیلی مجنون»، که در متن ازو ذکر رفته، باهتمام مولوی کریم الدین در بلبلی خانه در ۱۸۴۴ع بچاپ رسیده بود.

(۲) اصل: «که در فن».

میں اسے بھی جانوں ہوں مغتنم، کہ رہے ہے گھر تو بسا ھوا
نہ کسو نے جب سہی یہاں جفا، مجھے یاد کر کہا ہو خفا
کہ «کبھی تجلی ذی وفا، نہ مری جفا سے خفا ہوا»

اب ایسی منہدی(۱) لگی تیرے پاے نازک میں
کہ خواب میں بھی کبھی تو نہ، اے نگار، آیا

گر یونہی جنوں دست و گریبان رہے گا
دامن ھی رہے گا، نہ گریبان رہے گا
تا کوچۂ دلدار پہنچ لینے دے، طاقت
آخر تو تو جاتی ھے، یہ ارمان رہے گا

دل تو بھلا گیا ھی تھا، طاقت کو کیا ہوا؟
یاروں کی، اس زمانے کے، الفت کو کیا ہوا؟
میں تو یہ سمجھا، یارو، کہ سمجھایا خوب اونہیں
پر یہ کہو کہ «بارے، نہایت کو کیا ہوا؟»

کلام این وحید زمانه بسیار است. تا کجا نوشته شود.

پنجم ازطبقۂ ثانی، میر حیدرعلی حیران (۲) که مولدش شاهجهان آباد و خود بلکهنئو و فیض آباد نشو و نما یافت. بسبب روزگار سپه گری و رساله داری، که پیشۂ او بود، فرصت نداشت. تاهم بجهت معلومات فن و موزونیء طبیعت، که خلقی اورا حاصل بوده، هرچه میگفت خوب میگفت. و معهذا شاگردان هم بهم رسانیده. میر شیر علی افسوس هم از شاگردان اوست. و خود در ابتدای حال مشوره؛ به سرپ سکهه دیوانه نموده. (۲۰۷ ب) آخر ازو برگشت

(۱) اصل: «مہدی» (۲) حسن: ۳۹ الف؛ گلزار: ۴۵ الف؛ لطف: ۸۵؛ تذکره: ۲۵ الف؛ نغز: ۱، ۲۲۳؛ شیفته: ۵۸ ب؛ طبقات: ۳۳۷؛ شمیم: ۳۴؛ (باقی)

و بشاگردیء کسی مقر نبود۔ فکرش صاف، کلامش با مزه، بایراد معنیء بیگانه هم آشنا۔ چندی بخاطر، بلکه بحکم مہاراجه ٹکیت رای بہادر، شادان نیز تخلص نموده بود۔ این چند شعر از وست:

کل جو حیراں کو میں روتے دیکھا
بن گئی دوکھنے کی گھات مری
اون کی خدمت میں ادب سے، میں نے
عرض کی: «دیکھی کرامات مری؟
میں نہ کہتا تھا کہ دل آپ ندیں
بندگی، قبلۂ حاجات! مری»

کیا اك خلق کو ابرو نے اوس کے قتل، اے حیراں،
کہاں جاتا ہے؟ وہاں تلوار پر تلوار پڑتی ہے

صف مژگاں سے اوس کی، جب نہ تب دل جا اٹکتا ہے
سمجھتا ہی نہیں، ہر چند حیراں سر پٹکتا ہے
جلا جاتا ہے حیراں آتش عشق نہانی سے
بھنا جاتا ہے دل، اور جی سپند آسا چٹکتا ہے

جی نکلتا ہے اب کوئی دم میں
بیٹھ جا، کچھ نہیں رہا ہم میں

(بقیه)سخن: ۱۴۳؛ طور: ۳۰؛ روز روشن: ۱۸۹؛ قاموس: ۱ '۲۱۶؛ بیاض: ۳۶؛ اشپرنگر: ۲۳۷؛
مبتلا، در گلشن سخن (۳۸ ب) نوشته که «میر حیدر علی حیران، شاگرد لاله سرپ سکھه دیوانه، در زمرهء نکته سنجان پسندیده محسوبست۔ اصلش از دهلی، و اکنون در لکھنئو بسر میبرد۔»
در خصوص وفات وی معلوم میشود که در عهد نواب آصف الدوله (۱۱۸۸ – ۱۲۱۲ ه مطابق ۱۷۷۵ – ۱۷۹۷ ع) در صوبۂ بهار بقتل رسید۔ و لطف نوشته که تا ۱۲۱۵ ه (۱۸۰۰ع) بقید حیات بوده۔

ششم از طبقهٔ ثانی، تهمتن میدان سخنوری، اسفندیار معرکهٔ شاعری، بقاء الله خان بقا (۱) است، که بقوت صفائی و فصاحت الفاظ، حضیض ریخته را باوج فارسی رسانده؛ و بتوانائیء بلاغت و متانت کلام، ادهم هندی را باشهب عربی دوانده - شاعر قصیده گو گزشته؛ لهذا بمقابلهٔ مرزا محمد رفیع، در قصاید جوابش داد معنی یابی و تشابیه غریبه داده - از متاخرین کسی همترازوی او نبود- آخر آخر، دماغش مختل گردیده، دیوان خود را، مع(۲) همه مسودهای کلام خود، پاره نموده (۲۰۸ الف)، بآب تر کرده، در سبوچهٔ کلان میداشت- هرکسی که طالب شعرش می آمد، همان سبوچه نشان داده، میگفت که «درین همه کلیات من است- هرچه منظور باشد، بنویسید- اما هجوهای بعض کسان که کرده ام، برای خدا ننویسید که من توبه کرده ام» - و چون آخر، شوق زیارت حضرت ابا عبدالله الحسین علیه السلام دامنگیر شد، و از فرط غیرت، که مخمر طینتش بوده، نمیخواست که دست سوال پیش کسی دراز کند یا اعانت زادراه جوید، اراده نموده که دو سه حرفه خود بیاموزد؛ تادران بقعهٔ مبارکه روزیء حلال بکسب دست حاصل نموده خورده باشد- چنانچه کندن

---

(۱) حسن: ۱۲۳الف؛ طبقا: ۲ے۳؛ گلز: ۲۲ب؛ لطف: ۵۸؛ تذکره: ۱۵ب؛ نغز: ۱، ۲ے۱۰؛ شیفته: ۳۱ب؛ طبقات: ۲۰۰؛ سراپا: ۱۶۸ و ۲ے۲۲؛ شمیم: ۳۱؛ سخن: ۶۸؛ روز روشن: ۱۰۰؛ آبحیات: ۱۶۶ و ۲۲۲؛ طور: ۱۸؛ خمخانه: ۱، ۶۰۳؛ عسکری: ۲۵۳؛ یاض: ۱۳ اشپرنگر، ۲۱۲-

مبتلا، در گلشن سخن (۱۴الف) گفته: «بقا، اسمعش بقاء الله، خلف حافظ لطف الله ...... در لکهنؤ مقیم و شاگرد مرزا محمد فاخر مکین، فارسی گو است» -

باتفاق اهل تذکره، بقا در ۱۲۰۶ھ (۹۱ے۱ع) تقریبا ازین جهان رحلت کرده است- اما در روز روشن نوشته که «تا سال بستم، از مایهٔ سیزدهم در قید حیات بود»-

(۲) اصل: «معه» -

عقیق و نوشتن خط نستعلیق و نسخ و علم طب در همان حالت حاصل نموده، از راه بنگاله عازم (۱) منزل مقصود گردید. گویند که در همان ضلع بکدام مکان اجلش دررسید، و از سودای دنیا او را خلاصی داد. با راقم بسیار آشنا بود، و کمال انس داشت. حالا قریب دو هزار شعر از و جسته جسته پیش مردمان مشهور است. و این چند شعر ازوست:

ترے جو خال سیہ لب پہ آشکارا ھے
کسی کے بخت سیہ کا مگر ستارا ھے
چمن میں لالہ نہیں، تجھکو دیکھکر، قاتل
زمیں سے خون شہیداں نے جوش مارا ھے
بقا کی آہ نے اوس میں کبھی نکی تاثیر
بتاں، یہ دل ھے تمھارا کہ سنگ خارا ھے؟
تو نے اس طرح کا، اے چرخ، گرایا ھمکو
کہ موے پر بھی کسی نے نہ اوٹھایا ھمکو
(۲۰۸ب) رھرواں کہتے ھیں جسکو «جرس محمل ھے»
محنت راہ سے نالاں، وہ ھمارا دل ھے
موج سے بیش نہیں، ھستیء وھمی کی نمود
صفحۂ دھر پہ، گویا، یہ خط باطل ھے
کچھہ تعین نہیں، اس راہ میں، جوں ریگ رواں
جس جگہ بیٹھہ گئے، اپنی وھی منزل ھے
آستیں حشر کے دن خون سے تر ھو جسکی
یہ یقیں جانیو اوسکو کہ مرا قاتل ھے

(۱) اصل: «عالم».

کھول دو عقدۂ کونین بقا کے پل میں
یا علی، تمکو یہ آسان، اوسے مشکل ہے

دست ناصح جو مرے جیب کو اس بار لگا
پھاڑوں ایسا کہ پھر اوس میں نہ رہے تار لگا

یار کو پہنچی خبر نالۂ تنہائی کی
مدعی کون کھڑا تھا پس دیوار لگا؟

وہ جو دیکھہ آئنہ کہتا ہے کہ «اللہ رے میں!»
اوس کا میں دیکھنے والا ہوں، بقا، واہ رے میں!

رخ اوسکا، صفائی ترے تلوے کی نپاوے
خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھاوے

غیرت گل ہے تو، اور چاک گریباں ہم ہیں
رشک سنبل ہے تری زلف، پریشاں ہم ہیں

ناتواں چشم تری، ہم ہیں عصا کے محتاج
نت کی بیمار وہ، اور طالب درماں ہم ہیں

ترکی اوس چشم کی ہے ابروے خمدار کے زور
چھین لیتی ہے دل خلق وہ(۱) تلوار کے زور

هفتم از طبقۂ ثانی، شاعر متین و مربوط، که کلامش نهایت مقبول و مضبوط، خواجه احسن الدین خان بیان(۲) است - هر شعرش گویا آئینهٔ آبست

(۱) اصل: «وو»۔

(۲) گردیزی: ۴ب؛ مخزن: ۴۷؛ چمنستان: ۵۲؛ حسن: ۱۹ الف؛ طبقا: ۳۳؛ گلزر: ۲۰ الف؛ لطف: ۵۵؛ تذکرہ: ۱۳ ب؛ نغز: ۱، ۱۲۳؛ شیفتہ: ۳۵ ب؛ طبقات: ۱۵۴؛ نسیم: ۲۴؛ سخن: ۷۰؛ خزینہ: ۱۵۲؛ صبح: ۷۰؛ طور: ۱۹؛ خمخانہ: ۱، ۶۱۷؛ محبوب: ۱، ۳۰۸؛ گل: ۱۹۱؛ قاموس: ۱، ۱۴۵؛ عسکری: ۲۵۵؛ جواهر: ۱، ۲۹۳؛ بیاض: ۱۸۰؛ اشپرنگر: ۲۱۲ - (باقی)

با آب و تاب، و دیوانش از اول تا آخر همه انتخاب۔اگر بتامل نگاه کرده آید، بندش و تالیف اوکم از هیچ اوستادی نیست۔میگویند که تاحال زنده است۔بطرف دکهن در سرکار نظام علیخان عزواعتباری دارد (۱)۔(۲۰۹ الف) این چند شعر از وست:

(بقیه) شاه محمد حمزه، در فص الکلمات (۲۱۸الف) گفته که «خواجه احسن الله بیان درسنهٔ یکهزار و یکصد و هشتاد و چار هجری، همراه نواب وزیر غازی الدین خان بفقیر خانه (در مارهره) رسیده بود۔ بحسن صورت و سیرت محلی، و بفهم و فراست محلی۔ زاد گاهش اکبر آباد است، و طبعش معنی ایجاد۔ مشق سخن از میرزا مظهر می کرد۔ چند شعر بدست خود برحاشیهٔ کتاب نوشته»۔

و حیرت، در مقالات الشعرا (۱۴ب) نوشته: «خواجه احسن الدین خان بیان، مجمع خوبیهای بیشمار است، و معدن مکارم هزاران هزار۔ اگرچه مولدش اکبر آباد است، اما از مدتی در شاهجهان آباد توطن گزیده، برایصاحب خداوند خیلی اتحاد وار تباط دارد۔ هنگامی که این زله ربای مایدهٔ ارباب سخن، بمقتضای قسمت آب و دانه وارد شاهجهان آباد بود، تفقدآن بزرگ منش زیاده از آنچه که متصور شود، بحال خود مشاهده می نمود۔ حسن خلق و وفور مروت با علوی ادراک و رسائیء طبیعت درطینت اوجمع است»۔

و شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۶۳ب) فرموده: «احسن الدین خان بیان تخلص، صاحب ذهن سلیم و طبع مستقیم۔ تا عهد عالمگیر ثانی در شاهجهان آباد اقامت داشت۔ باز معلوم نه شد که کجا رفت»۔

و مبتلا، در گلشن سخن (۱۳الف) ذکر کرده: «بیان، اسمش احسن الله، شاگرد مرزا مظهر، مولدش اکبرآباد، سکنش دهلی است۔ مرد عاشق پیشه، و کلامش پرشور»۔

و عاشقی، در نشتر عشق (۱۰۶الف) آورده: «بیان، نام وی احسن الله بود۔ این ابیات ازوست۔

بخون آلوده مژگانم چه نسبت شاخ مرجان را؟
که دل خون کرد اشک سرخ من لعل بدخشان را
زضعف ناتوانی رفت دامانش زدست من
پیء دفع خجالت چاک می سازم گریبان را

بیان، حسب تصریح خمخانه و گل رعنا و جواهر و ریاض، در ۱۲۱۳ھ (۹۸-۱۷۹۷ع) رحلت کرد۔ چنانچه از مادهء تاریخ «استاد از جهان رفت» که گفتهٔ یکی از تلامذه اش می باشد، همین سال برمی آید۔ و صاحب تذکرهء محبوب الزمن و قاموس ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ع) نوشته که بحسب ظاهر مستبعد و نادرست معلوم می شود۔

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا
گرد غم دل سے دھو نہیں سکتا
شب مرا شور گو یہ سن کے، کہا:
«اسکے ہاتھوں میں سو نہیں سکتا»
مصلحت ترک عشق ہے، ناصح
لیک یہ ہمسے ہو نہیں سکتا
جو مسلسل بیان کہتا ہے
کوئی موتی پرو نہیں سکتا

وامق تو کیا ہے؟ قیس بھی جاتا ہے مجھکو بھول
جب دیکھتا ہوں حسرت فرہاد کی طرف
ہو ویگا ذوق حسرت دیدار میں خلل
شیریں، گزر نکیجیو فرہاد کی طرف

بھلا سن تو، اے دین و ایمان عاشق
ہوا ہے تو کیوں دشمن جان عاشق؟
مقابل ھی رہتا ہے ہر وقت تیرے
ہے آئینہ، یا چشم حیران عاشق

میں جانتا تھا وصل کی شب کچھ دراز ہے
آنکھیں جو کھل گئیں، تو در صبح باز ہے

جلو میں پھرے ہیں پریزاد لڑکے
دوانے، ترے اس تجمل کے صدقے

رسوا نکر، خدا سے ڈر، اے چشم تر، مجھے
آنا ہے اوسکے کوچے میں بار دگر مجھے

هشتم از طبقهٔ ثانی، منتخب فصحای زمن ؛ بلبل شیرین سخن، سید حسن المتخلص بحسن (۱). غفر الله ذنوبه، صاحب مثنوی «سحر البیان» است، که شهرهٔ خوش گوئیء او عالم را فرا گرفته، و نور صفای بیان آن جهان را منور ساخته- شاعر خوش بیان و شیرین زبان بود- دیوان ضخیم ترتیب داده- در مثنوی و غزل نظیر خود نداشت- طرزش صاف و بسیار بامزه و مقبول خاص و عام هر دو- (۲۰۹ب) مدتی شده که جهان فانی را وداع گفته- تاریخ وفاتش مصحفی چنان نظم نموده- تاریخ :

---

(۱) حسن : ۴۲ الف ؛ طبقا : ۳۹ ؛ گلز : ۵۲ الف ؛ لطف : ۹۲ ؛ تذکره : ۲۴ الف؛ نغز: ۱، ۲۰۲؛ شیفته: ۵۳؛ طبقات: ۲۱۳؛ سراپا: ۷۰ و ۹۸ و ۱۴۲ و ۱۹۸ و ۲۱۱ و ۲۴۹ و ۳۷۹ ؛ جدولیه : ۱۴۳ ؛ شمیم : ۳۷ ؛ سخن : ۱۳۰؛ آب حیات : ۲۵۳؛ طور: ۲۹ ؛ خمخانه : ۲ ، ۴۲۹ ؛ گل : ۲۳۴ ؛ انتخاب : ۱۴ ؛ قاموس : ۱ ، ۲۰۲ ؛ عسکری: ۱۴۳؛ جواهر: ۲ ، ۳۹۷؛ بیاض: ۴۰؛ اشپر نگر: ۲۳۳؛ بلوم هارٹ: ۳۶-

مبتلا ، در گلشن سخن (۴۲ الف) می گوید : « میر غلام حسن ، حسن تخلص دهلوی ، ابن میر غلام حسین ضاحك- در شهر کهنهٔ دهلی مسکن داشت ، و شاگرد میر ضیا بود- از دهلی سفر گزیده وارد لکهنئو گشته ، با نواب سالار جنگ و خلف ایشان نوازش علی خان میگذراند- مضامین سخنهایش تازگی دارد» -

و مهجور ، در مدایح الشعرا (۲۱ الف) می نویسد : « اسم شریف آن سید والا تبار ، و آن شاعر نغز گفتار ، و آن سخنور نادره اشعار ، میر غلام حسن ، خلف الرشید سید غلام حسین ضاحك تخلص از اولاد امجاد میر امامی هروی رضوی است- اللهم اغفرهما »-

لطف و اشپرنگر و انتخاب ، رحلت حسن را در ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ع) و قاموس در ۱۲۰۴ھ معرفی کرده- اما باتفاق دیگر اهل تذکره سال رحلتش همان ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ع) است که در متن مذکور شده-

در خصوص اسم میر حسن باید تصریح کرده بشود که او موسوم به غلام حسن است و بنابرین بعید نیست که لفظ غلام از متن ساقط شده باشد-

کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور دو نسخهٔ خطیهٔ کلیات حسن را داراست ، که یکی ازانها در رامپور بردست محمد رحیم ، خطاط نستعلیق ، بموجب حکم نواب سید احمد علی خان بهادر ، در ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ع) باتمام رسیده- و پنج نسخهای خطیهٔ سحرالبیان هم محفوظ است -

چون حسن، آن بلبل خوش داستان
رو ازین گلزار رنگ و بو بتافت
بسکه شیرین بود نطقش، مصحفی
«شاعر شیرین زبان،» تاریخ یافت
(۱۲۰۱هـ)

این چند شعر از دیوان اوست:

جاتا تھا اوس کے کوچے میں، میں بے خبر چلا
بارے، اوسی نے ٹوک کے پوچھا: «کدھر چلا؟»

دل اب تو بات بات پہ پستا ھے، اے حسن
کیا جانے،اس میں کس کی نزاکت سما گئی؟

ھے دھیان جو اپنا کہیں، اے ماہ جبیں، اور
جانا تھا کہیں اور، تو جاتاھوں کہیں اور
آخر تو، کہاں کوچہ ترا اور کہاں ھم؟
کرلیویں یہاں بیٹھ کے اك آہ حزیں اور
میں حشر کو کیا روؤں؟ کہ اٹھہ جاتے ھی تیرے
برپا ھوئی اك مجھ پہ قیامت تو یہیں اور
تھا روے زمیں تنگ، زبس ھم نے نکالی
رھنے کے لئے شعر کے عالم میں، زمیں اور
نکلے، تو اسی کوچے (۱) سے یہ گم شدہ نکلے
ڈھونڈ ھے ھے حسن دلکو، تو پھر ڈھونڈہ یہیں اور

تم تو لڑ بھڑ کے، حسن، یار سے بس ایك ھو ے
مفت میں میں نے یہ باتیں جو سہیں، مجھکو کیا؟

(۱) اصل: «کونچہ» ـ

کل صبا کس کی باس لائی تھی؟
جان میں میری، جان آئی تھی

دل کو روؤں و یا جگر کو، حسن
مجھکو دونوں سے آشنائی تھی

اے گرد باد، طرف چمن ٹک گزار کر
بلبل کے پر پڑے ہیں، گلوں کے نثار کر

نہم از طبقۂ ثانی، شاعر شیرین گفتار، محمد امان خان نثار۔ (۱) و شیخ گفته می شد۔ (۲۱۰ الف) بزرگانش صنعت معماری داشتند۔ کسیکه طرح جامع دهلی ریخته، جد او بود۔ مشارالیه هم در پیش امرا، یعنی مجدالدوله و ضابطه خان و راجه ٹکیت رائے و مهدی علی خان وغیره، باهتمام همین صیغه نوکری بامتیاز نموده است۔ کلامش از تلاش معانی و جمعیت الفاظ گونا گون (۲) خالی نبوده۔ کمال پرگو بود۔ هفت دیوان ترتیب داده؛ اما سوائے غزل و چند رباعیء شمرده هیچ نگفته۔ آوردن الفاظ، که مخصوص بمردمان شاهجهان آباد اند، خاصۂ او بود۔ این چند شعر ازوست:

آج کیا ہے، جو ادھر رنجه قدم فرمایا
یه تو فرمائیے: «کسطرح کرم فرمایا؟»

مجنوں کا میرے، ہے دل دلگیر بے صدا

(۱) حسن: ۱۳۹؛ طبقا: ۴۱؛ تذکرہ: ۸۴ ب؛ نغز: ۲ ' ۲۶۶؛ شیفته: ۱۹۳ الف: طبقات: ۳۵۱؛ سراپا: ۲۷۴؛ شمیم: ۲۳۵؛ سخن: ۵۰۳؛ طور: ۱۱۵؛ آبحیات: ۲۱۸ حاشیه؛ جواهر: ۱ ' ۳۴۸؛ بیاض: ۳۱؛ اشپرنگر: ۲۷۴۔
در حسن و طبقا، اسمش امان الله' و در شمیم و بیاض محمد امان ولد سعادت الله معمار ثبت افتاده۔ و طبقا و شمیم معرفی کرده که نسبت تلمذ بشاه حاتم داشت۔

(۲) اصل: «گونان گون»۔

گویا که زنگ ناقۂ تصویر بے صدا

اس آہ بے صدا کا جگر سے یہ ربط ھے
کاغذ سے جیسے خامے کی تقریر بے صدا

گردش کا اوس نگاہ کی، اب طور اور ھے
اے ساکنان میکدہ، یہ دور اور ھے

نثار، اوس کی حقیقت سے کب تو ماہر ھے؟
برب کعبہ! بتوں میں وہ سخت کافر ھے

مر جائیں، کریں منہ سے نہ اظہار محبت
شرمندۂ عیسی نہیں، بیمار محبت

دل ضبط آہ سے مرے سینے میں جل گیا
جھگڑا چکا، عذاب سے چھوٹا، خلل گیا

کلبۂ احزان میں روشن کردیا غم کا دیا
آتش داغ کہن کو کن نے پھر چمکا دیا؟

دل کو اول قتل کر، پھر مہربانی کی تو کیا؟
اسکی کیا شادی، ھمیں خلعت جو ماتم کا دیا؟

جب وصل تھا نصیب تو، اے یار، کچھ نہ تھا
چنگے بھلے تھے، جان کو آزار کچھ نہ تھا

(۲۱۰ب) اے جاں، تم جو آگئے، بس جان آگئی
جینے کا، ورنہ، اپنے تو آثار کچھ نہ تھا

ھم جاسکیں نہ وھاں، نہ وہ گھر سے نکل سکے
اٹکا ھے دل کہاں کہ جہاں کچھ نہ چل سکے

عزم سفر کا اپنے مذکور مت کیا کر

دل کو مرے، دیا سا، تو مت بجھا دیا کر
گالی ہو خواہ جھڑکی، خون جگر ہو یا غم
اے دل، جو کچھ کہ وہ دے، خوش ہو کے کھا لیا کر

مکتب میں بیٹھ کر یہی سیکھا ہے گالیاں
ملا نے کیا کہا ہے: «بکا کر تو لام کاف»؟
ابرو کو اوس کے ہے مجھے سجدہ روا، نثار
کافر نہیں، کروں جو میں قبلے سے انحراف

مست، اوس لب میگوں کے میخانے سے کیا واقف؟
مخمور، اون آنکھوں کے پیمانے سے کیا واقف؟
مغرور ہے، سرکش ہے، بے فکر ہے، بے غم ہے
شعلہ ہے وہ بے پروا، پروانے سے کیا واقف؟
خورشید سے گرم اپنی صحبت ہے بیاباں میں
ہم، سایے سے کیا محرم، خس خانے سے کیا واقف؟

دهم از طبقهٔ ثانی، عالم عالی منزلت، شاعر والا مرتبت، میر قمرالدین منت (۱)، که در علم و فضل یگانهٔ روزگار بود.

---

(۱) حسن: ۱۹ الف؛ گلز: ۱۹۶ ب؛ لطف: ۱۷۱؛ عقد: ۸۰ ب؛ تذکره: ۷۷ الف؛ شیفته: ۱۶۲ ب؛ نتایج: ۴۱۴؛ طبقات: ۱۷۸؛ شمیم: ۳۸؛ خزینه: ۲۰۰؛ سخن: ۴۵۷؛ شمع: ۴۱۵؛ روز روشن: ۶۵۲؛ آب حیات: ۲۱۷؛ طور: ۹۶؛ محبوب: ۲، ۱۰۰۵؛ گل: ۲۷۸ حاشیه؛ قاموس: ۲، ۲۳۳؛ عسکری: ۲۴۶؛ بیاض: ۳۴؛ اشپرنگر: ۲۵۸ —

شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۲۹۹ الف) می فرماید: «میر قمرالدین منت تخلص، متوطن شاهجهان آباد، از نجباء و شرفای آن بلده بود، و از اولاد امام جعفر صادق، و از خلفای مولوی فخرالدین، صاحب ارشاد خداطلبان بوده. مصنف تصانیف متعدده منوی، و سه دیوان وغیره است. شخصی اهل دل، و سخنور کامل، و قابل و فاضل، و مورخ خوش مقال نازک خیال، متلاشی مضامین نو و رنگین، و متجنس الفاظ خوب و شیرین بوده. از چندی در بلدهٔ لکهنئو اقامت داشت. آوازهٔ سخنوریء او در (باقی)

در فارسی گویان، کسی قوت مقابلهٔ او نداشت، علی‌الخصوص در قصیده

(بقیه) افواه عوام و خواص است، محتاج تعریف نیست. مصنف دیوان فارسی و هندی».
و مبتلا، در گلشن سخن (۱۹۴الف) می‌گوید: «منت دهلوی؛ نامش میر قمرالدین، سلسلهٔ نسب او از جانب اجداد مادری سید جلال بخاری».

میر علاء الدوله اشرف علی خان، در تذکرة الشعرا (۳۶۲الف) می نویسد: «منت تخلص از جوانان موزون طبع است. با نواب وزیر عمادالملك ......نظام تخلص در فرخ آباد می باشد. راقم تذکره، فقیر علاء الدوله، را بارها اتفاق مشاعره بامنت مذکور دست داده».

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری، در روزنامچهٔ خود (۱۶۲ الف و ب) گفته است:

«بتاریخ ۲ جمادی الآخره سنه ۱۲۳۹ﻫ مطابق ۲۸ فروری سنه ۱۸۲۴ع، از ملاقات به میر نظام الدین ممنون مستفید شدم. این بزرگوار، فرزند میر قمرالدین منت است که وی از اقربای جناب شاه عبدالعزیز صاحب بود، و دست ارادت بجناب یگانهٔ آفاق، در کمال انسانیت و تهذیب اخلاق، مولوی فخر الدین اورنگ آبادی مولد و دهلوی مرقد، طاب ثراه، داده عالمی را مرشد گشت. و بعد چندی در لکهنئو تقرب نواب حسن رضا خان و حیدر بیگ خان بهم رسانیده، خودرا اثنا عشری وا نمود، و ازان راه برگشت، و در رفاقت حیدر بیگ خان به کلکته آمد و درگذشت. شعر فارسی هم می گفت. مطلع او:

چو دید از دور آن زرین قبا را
گلستان گفت: «منت مر خدا را»

زبان زد که و مه است.

و این بزرگوار نیز از بند مذهب و مشرب آزاد است. آسایش زندگانی را نبود جاودانی می پندارد. مرد سنجیده، جهان دیده، فهمیده و گرم و سرد روزگار چشیده است. تحریر و تقریر وی مربوط و بکار تحصیل و تشخیص و وکالت و مصاحبت سزاوار. بزبان اردو از شعرای کهنه مشق لکهنئو است. غزل وی:

لیتی ہے فیض گل سے صبا اور صبا سے ہم
لیتے عطر اوس کے تن سے قبا اور قبا سے ہم

بر زبانهاست. و بالنزامی که گفته، نیکو گفته. بسفارش جنرل سر ڈیوڈ اختر لونی صاحب، مدتی کار تحصیل کوٹ قاسم صرف خاص حضور والا می‌کرد. آخر بسعایت کسان ازان کار کناره کش گشته، پا کاریء پرگنهء مگره، که اهتمام آن به کپتان هال صاحب متعلق است، یافت.»

و عاشقی، در نشتر عشق (۶۵۹الف) گفته: «منت، نام پاکش میر قمرالدین، سید مشهدی نژاد و از اولاد امام ناصرالدین بود که مزارش در قصبهٔ سونی پت مزار خلایق خاص و عام است. نسب شریفش بچهارده واسطه بسید جلال بن سید عضدیز دی، (باقی)

و مثنوی۔ مداحیء راجه ٹکیت رای بهادر، که دیوان آصف‌الدوله مرحوم

(بقیه) که احوالش مفصل در تذکرهء کاشی مرقوم است، میر سد۔ مولدش قصبهٔ سونی پت بوده، و در خطهٔ پاك دهلی نشو و نما یافته۔ بتقریب قرابت و پیوندها، تربیت در خاندان شاه ولی الله محدث گرفته، و تحصیل علوم و سند حدیث از خدمت مولوی شاه عبدالعزیز ولد ارشد شاه ولی الله مرحوم، که امروز بکمال مستعدی و تحقیقات کوس یکتائی می زند، ساخته و رسالهٔ اجازت حدیث از مولانا حاصل کرده، و دست ارادت در خدمت مولانا فخرالدین اورنگ آبادی ثم الشاهجهان آبادی بطریق قادریه داده، و مجاز طرایق دیگرهم، مثل چشتیه وغیره گشته۔ مشق سخن بخدمت میر شمس‌الدین فقیر نموده۔ تا که در شاهجهان آباد بود، بر طریقهٔ اهل تسنن پی سپر بود۔ هر گاه در سنهٔ یکهزار و یکصد و نود و یك در لکهنئو رفت، خلق و عادات مذهب تشیع ظاهر می نمود، و در انجا قصاید مدح بنظر نواب جنت آرامگاه، آصف الدوله مرحوم، و دیگر اعزه، مثل حیدر بیگ خان و راجه ٹکیت رای، گزرانیده، صلات بر گرفت۔ و از انجا بطرف بنگاله رفت، و مدایح ناظم آنجا نموده بجایزه معزز گردید و قصاید غرا در مدح نواب گورنر مسٹر هشٹین صاحب بهادر گزرانیده، بخطاب ملك‌الشعرائی سرفراز شد۔ و از آنجا به حیدرآباد رفته، قصیدهء در تعریف نواب آصف جاه نظام الملك انشا نموده، بده هزار روپیه صلهٔ نقد و جنس ماهیر گشت۔ گویند: بایمای والیء حیدرآباد، شعرای آنجا مکابره و مجادله با میر پیش آمدند۔ و چون وی را در هرفن مستعد و بدیهه گو یافتند، مخفی بوالیء مرور معروض داشتند، و آن جوهر شناس نگین زمرد بخطاب ملك‌الشعرائی مرحمت کرد۔ میر باز از حیدرآباد عطف عنان به لکهنئو نمود۔ و این بار راجه ٹکیت رای اورا بمشاهرهء دو صد روپیه برفاقت خود کشید۔ میر بعد چند سال در عمر چهل و نه سالگی بتقریبات بعضی امور وارد کلکته بود که درسنهٔ یکهزار و دوصد و هشت پیك اجل در رسید و در کربلای آنجا مدفون گشت۔ مولوی عبدالواسع که از فضلای لکهنئو است، این قطعه بنظم کشیده که بکمیء یك عدد سال تاریخش بر می آید۔:... « میر قمرالدین منت های های » شخص دیگر بتعمیه گفته:

« خود گفت بمن زروی دانش « من سعدی آخرالزمانم »

دیگری تاریخش بنظم کشیده که ماده اش این است: « قمر دین بخسوف آمد آه »

از انجا که از ابتدای سن تمیز مشغولیء خاطر بشعر و شاعری داشت، دستگاه کمال پیدا ساخته بود۔ »

باتفاق اکثر اهل تذکره، منت در ۱۲۰۸ھ (۹۳ـ۱۷۹۲ع) در کلکته وفات یافته است۔ چنانچه علاوه بر ماده های مذکورهء صدر، زاری که یکی از شاگردان منت است، در تاریخ وفاتش می گوید (کلیات ۲۲۳ الف و ب): « مرد شمع بزم عرفان، آه، حیف۔ » مولوی احسان الله ممتاز می فرماید: (باقی)

بود، بسیار نموده۔ گاه گاه زبان فصاحت بیان را بهندی هم آشنا می ساخت، بالتخصیص در وقت اصلاح؛ چراکه در هندی شاگردان بسیار بهم رسانیده بود۔ علی‌الخصوص خلف‌الصدق او، میر نظام الدین، ممنون تخلص مینماید۔ و آن هم صاحب (۲۱۱ الف) دیوان است، و مثل پدر بزرگوار، تلامذهٔ بسیار دارد۔ گویند که میر سعادت علی تسکین و سید مهرالله خان غیور نیز از تلامذهٔ ممنون اند۔ و بعضی گویند: «از شاگردان منت۔» بهرحال سلسله واحد است۔ این چند شعر ازوست:

هم سے وہ جوشش، وہ الفت دور کی
آپ کو سوجھی نہایت دور کی

شب کہ مجلس مین وہ بت محو خود آرائی تھا
آئنہ، پشت بدیوار، تماشائی تھا

مدعی اوس سے سخن ساز بسالوسی ہے
پھر تمنا کو یہاں مژدۂ مایوسی ہے

میری ہی طرح، جگر خون ہے ترا مدت سے
اے حنا، کس کی تجھے خواہش پابوسی ہے

تہمت عشق عبث کرتے ہیں مجھکو، منت
ہاں یہ سچ، ملنے سے خوباں کے تو اک خوسی ہے

بس جفا زور آزمائی ہوچکی

(بقیه) منت، آن بادشاه ملک سخن که شدش منتظم بخوب اسلوب
قمرالدین بنام بود، ازان بودش سال انتقال «غروب»
اما مصحفی در تاریخ وفاتش «منت کجا و زمزمهٔ شاعری او» گفته که ازو ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ع) مستخرج می شود۔ و لطف و بیاض درین خصوص ۱۲۰۶ھ (۱۷۹۱ع) را معرفی کرده۔

دلبروں سے ھاتھا پائی ھوچکی

تیغ سے وھاں ابتلك ٹپکے ھے خوں

قتل یاں ساری خدائی ھوچکی

رات تھوڑی، حسرتیں دل میں بہت

صلح کیجے، بس لڑائی ھو چکی

یازدهم از طبقهٔ ثانی، شمع بزم سخندانی، آئینه دار محبوبهٔ معانی، شاعر پر زور و قوت، ادا بندبی دقت، شیخ غلام همدانی، متخلص به مصحفی (۱) است که در پختگی و متانت محی طرز مرزا، و در

---

(۱) حسن : ۱۲۵ ب ؛ طبقا : ۴۱ ؛ گلزر : ۱۹۰ الف ؛ لطف : ۱٦۵ ؛ عقد : ۸۵ ب ؛ ریاض : ۴۹ الف ؛ تذکره : ۸۲ ب ؛ شیفته : ۱۴۸ ب ؛ نتایج : ۴۲۰ ، گلدسته : ۲۵۷ ؛ طبقات : ۳۵۰ ؛ سراپا : ۵۴ ؛ جدولیه : ۱۴۱ ؛ شمیم : ۳۳ ؛ سخن : ۴۴۰ ؛ شمع : ۴۱٦ ؛ بوستان اوده : ۱۰۹ ، آبحیات: ۳۰۹ ؛ طور: ۹۱؛ گل: ۲۱۸؛ انتخاب : ۲۸ ؛ قاموس : ۲ ، ۲۱٦ ؛ عسکری : ۲۲۹ ؛ جواهر : ۲ ، ۵۷۵ ؛ یاض : ۴۵ ؛ اشپرنگر : ۱۸۲ ؛ بلوم هارٹ : ۷ .

مبتلا ، در گلشن سخن (۹۱ ب) می گوید : « مصحفی از شرفای امروهه است در دهلی »

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری ، در روزنامچه (۴۰ الف) می نویسد : « روزی در محفل مشاعره ، که دران ایام بخانهٔ مرزا جعفر می بود ، رفتم . مرزا محمد حسن متخلص بقتیل و مصحفی و میر نصیر دهلوی دران زمره سرکرده بشمار می آمدند . و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام روزافزونی و ناموری درین کاربود . و بعد ازان یك روز ملاقات تفصیلی عیان مصحفی شد ، که بخانهٔ آن بزرگوار رفتم . به بیشتر مردم درس « گل کشتی » میر نجات دادی ، و اصلاح اشعار اکثری هم میکرد . با این همه نیازمند بنان شبینه بود . می گفت که مولدش بلمگڈه است که متصل شاهجهان آباد است . »

و مهجور ، در مدایح الشعرا (۳٦ الف) گفته : " اسم شریف آن سر حلقهٔ شاعران سخن سنج...... شیخ غلام همدانی ، مصحفی تخلص میفرمایند . این هیچمدان راچه یارا که زبان در توصیف آن شاعر نادر بیان کشاید . "

در وفات مصحفی اختلافی رو داده است . کریم الدین در گلدسته نوشته که "وفات ارسکی کو یه اکتیسواں سال ھے ." چون سال تالیفش ۱۲٦۱ﻫ است، لهذا (باقی)

ادا بندی و ارسال المثل ثانیء سوز شیرین اداست - برهمه اقسام سخن بکمال خوبی قادر، و بطرز شاعری و سخنوری، کماحقه، رباهی (۱) خود ماهر - شاگردان بسار بهمرسانیده - گویند که شش دیوان درسلك نظم کشیده ؛ (۲۱۱ب) اما رطب و یابس بسیار دارد - و نمۀ از قوت وجودت طبیعت او این است که در ایامیکه وارد لکهنئو گردیده، آنوقت دور دور میان جرات بود، و مردم شهر همه مسخر طرز دلپسند او - مشارالیه چون دید که کسی ملتفت بحالش نمی شود، با جرات طرح خلاف انداخته، تنها با او ولشکر تلامذش مقابل شد، و در اندك عرصه، خود هم شاگردان بسیار بهمرسانده، در مشاعره های لکهنئو شعر میخواند ؛ و تا بست سال بهمین نزاع و مخاصمت بسر برده، آخر نام نامیء خود مثل او، بلکه زیاده تر ازو، برجریدۀ شهرت و نام آوری ثبت نمود - غرضکه کمال پرگواست - اکنون از طبقۀ شعرای (۲) هندی بقوت و معلومات وکهن سالی و اصلاح تلامذه بمقامات او هیچکس نمیرسد - خدا اورا بسیار زنده دارد ! چه در

(بقیه)نزدش رحلت مصحفی در ۱۲۳۰ه (۱۸۱۴ع)واقع شده باشد اما در طبقات می گوید که " درمیان ۱۲۲۰ه (۱۸۰۵ع) کے اوس جا فوت هوا - "

و در نتایج گفته که " در اواخر عشرهء رابعه بعد مائتین و الف قدم براه عدم نهاد - " وهمین سال را شمع و گل و قاموس و عسکری و جواهر و بیاض و بلوم هارٹ وغیره معرفی کرده اند - و آنچه اشپرنگر گفته که بنابر شیفته رحلتش در ۱۲۴۳ه روداده ' درست نیست - شیفته هم با نتایج موافقت دارد - نزد بندهء عرشی در گلدستۀ کریم الدین بجای " اکیسواں " که مرادف بست و یکم است ' اکتیسواں که مرادت سی و یکم است ' و بدل اعداد ۱۲۴۰ اعداد ۱۲۲۰ه از سهو کاتب مندرج شده -

کتابخانۀ عالیۀ رامپور نه نسخهای خطیۀ دیوانش را داراست - و از انجمله چهار مجلد ' که صدر الدین محمد در ۱۲۱۱ه (۱۷۹۶ع) نوشته ' مهرشاه اوده و تحریر جائزه و فقرهء " پیش کردهء میاں مصحفی " بر صفحۀ اول دارد -

(۱) کذا - و اغلب این که " زبانیء خود " بود.

(۲) اصل : " شعارای - "

سر حلقۂ ریختہ گویان لکھنئو همین خوش فکراست و بس ۔ این چند شعر ازوست :

سمجھے وہ صید خستہ مرے اضطراب کو
سینے میں جسکے، ٹوٹ کے پیکان رهگیا
شوخی تو دیکھہ، تیر کو سینے سے کھینچ کر
کہتا ھے: «میرے تیر کا پیکان رهگیا»

ترا خدنگ نگہ جس کے دل سے پار ہوا
نشان تیر تغافل، وہ دلفگار ھوا

قصد کرتا ہوں جو اس در سے کہیں جانیکا
دل یہ کہتا ھے: «توجا، میں تو نہیں جانیکا»

کبھی اوس یار قاتل بن، جو رخت اپنا بدلتے ہیں
ملے ہیں عطر تو، لیکن کف افسوس ملتے ہیں

باتوں میں آپ ھنس ھنس نت زہر گھولتے ہیں
ہم سے ھی بیحیا ہیں، جو تم سے بولتے ہیں

(۲۱۲ الف) دامن اوٹھا کے چلتے ہو، میرے مزار سے عبث
خاك میں میں تو ملگیا، کس سے اب احتراز ھے؟

ھمکو ترساتے ہو کیا، تم یہ ادا دکھلا کر؟
منہ چھپایا نہ کرو، بہر خدا! دکھلا کر
پھر قیامت ھے، جو وہ شوخ چھپالے منہ کو
اپنا دیدار ھمیں روز جزا دکھلا کر

جو دیکھے ھے نقشے کو ترے، وہ یہ کہے ھے:
«سارا بدن انسان کا، چہرہ ھے پری کا»

منہدی ہے کہ قہر ہے خدا کا
ہوتا ہے یہ رنگ کب حنا کا؟
تلوار کو کھینچ، ہنس پڑے، واہ!
ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا

بھیگے سے ترے، رنگ حنا اور بھی چمکا
پانی میں، نگاریں کف پا اور بھی چمکا
جوں جوں کہ ترے منہ پہ پڑیں مینہ کی بوندیں
جوں لالۂ تر، حسن ترا اور بھی چمکا
دھویا نگیا خون مرا تیغ سے تیری
کم بخت پہ پانی جو پڑا، اور بھی چمکا

کاغذ کا ورق یہ پائے صورت؟
نقاش ایسی بنائے صورت
چہرہ پہ نظر نہیں ٹھہرتی
اللہ رے، تری صفائے صورت!

دوازدہم از طبقۂ ثانی شہسوار عرصۂ سخندانی، سعادت یار خان، کہ پسر طہماسپ بیگ خان تورانی است. و رنگین (۱) تخلص

(۱) طبقا : ۴۴ ؛ تذکرہ : ۳۵ ب؛ نغز : ۱ ، ۲۷۸ ؛ شیفتہ : ۴۷ الف ؛ طبقات : ۳۳۳ ؛ سراپا : ۸۵ ؛ جدولیہ : ۱۴۵ ؛ گلستان : ۲٦۰ ؛ شمیم : ۳۳ ؛ سخن : ۱۹۴ ؛ روز روشن : ۲۵۹ ؛ آبحیات : ۱۱۰ ، ۱۱٦ ، ۲۱۷ ، ۲۹٦ ؛ طور : ۴۷ ؛ خمخانہ : ۳ ، ۵۲۹ ؛ گل : ۲٦۴ ؛ قاموس : ۱ ، ۲٦۷ ؛ تذکرۂ ریختی : ۴۰ ؛ عسکری : ۲۳۷ ؛ جواہر : ۱ ، ۳۴۰ ؛ اشپرنگر : ۲۸۰ ؛ بلوم ہارٹ.: ۴۰۰.

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری ، در روزنامچۂ خود (٦۹ الف) می فرماید : «و سعادت یار خان رنگین است. عمرش از ہفتاد در گزشتہ ، لیکن بکلامش ہنوز شوخیء نوجوانست . در اقسام شعر معنیء بلند دارد ، و در ریختی از میر سوز و میر انشاء اللہ خان و در ہزل از صاحب قران بالا دست است. این دو بیت او زبانزد کہ و مہ است:
(باقی)

اوست. شعر را بکمال صفائی و شیرینی گفته. صاحب دیوان است. «ریختی»، که بیای معروف حالا شهرت دارد، از اختراع مزاج نزاکت امتزاج اوست. و آن عبارت است از شعری که دران فقط زبان و محاورهٔ (۳۱۲ب) نساء بسته شود. وهر معاملهٔ که زنان را با زنان یا با مردان روی دهد، صرف بیان و تقریر او باشد و بس؛ و هرگز هرگز لفظی و کلمهٔ که تعلق و خصوصیت بتقریر مردان و جوانان داشته باشد، در نیاید. غرضکه طراح این طرز عجیب همین خوش سلیقه است؛ و سوای او هرکه گفته و یا بگوید، متتبع اوست. و «رسالهٔ نثر» در محاورهٔ زبان نساء نیز خوب نوشته است. این چند شعر ازوست:

(بقیه) آه کیجیے، تو آن جاتی ہے اور نہ کیجیے، تو جان جاتی ہے
وہ نہ آوے، تو توہی چل رنگین اس میں کیا تیری شان جاتی ہے؟

و بزبان اردو «فرسنامه» دارد، که بهترین فرسنامهاست. اول مقامها را، که اسپ درانجا خوب باشد، نوشته و باز خال و خطش را که بدان قیمتش در سوداگران کم و بیش گردد، باز رنگهای پسندیده و ناپسندیده، باز طرز پرورش آن و قواعد حفظ صحت و افزایش قوت، باز طریق استدلال برمرض و تشخیص و تعین قسمی از اقسام آن مرض، باز معالجه. و سواری هم نیکوی داند؛ و خوی بد را بشایستگی آوردن تواند. با این همه قدرت تحریر ندارد.» در بیاض (ص ۳۹) هم ازو ذکر رفته است.

بنده عرشی میگوید که خان آرزو در «غرایب‌اللغات» بعد هر ردیف فصلی مشتمل بر محاورات بیگمات نوشته است. چون این فصول در اکثر نسخ غرایب‌اللغات یافت نمی شود، ازین جهت عامهٔ ادبای هند باین حقیقت پی نبرده رسالهٔ رنگین را کتابی وحید درین موضوع شمرده‌اند. بنده خوشبختانه در کتابخانهٔ سرکار رامپور بر نسخهٔ خطیهٔ از غرایب اللغات آرزو، که دارای این فصول مهمه می باشد، مطلع شدم. و رسالهٔ رنگین را، که در عقیدهٔ بنده هم رسالهٔ وحیده درین موضوع بود، برو عرض کردم. بعد تفحص و تفتیش باین حقیقت پی بردم که رسالهٔ مذکوره ترجمهٔ لفظیهٔ فصول آرزو است، حتی که، باستثنای مواضع چند، ترتیب لغات هم برهان ترتیب آرزو ست. رنگین زحمت و کلفت ناکشیده، قصد ناموری و شهرت کرده است. غفرالله له.

رنگین بنا بر اتفاق ارباب تذکره در ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ع) بعمر هشتاد سال فوت شد در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور دو نسخهٔ خطیه از دیوان ریختی اش محفوظ است.

یك بیك چونك کے، کہنے لگے وہ رات: «نہیں
روك مت، جانے دے گھر ہمکو، یہ کچھ بات نہیں»
هاتھ میں هاتھ هے، پر بوسہ نہیں لے سکتے
دست رس اتنی بھی هرگز همیں، هیہات! نہیں

قسمیں کروڑ جس نے ملنے کی کھائیاں هوں
یہ سوچ هے، اب اوس سے کیونکر صفائیاں هوں؟

اوس ستمگر سے همارے جو کسی نے پوچھا:
«کوئی رنگیں بھی ترے کوچے میں یہاں رهتا هے؟»
تو کچھہ اك تاؤ سا کھا، چیں بجبیں هوکے وهیں
گالی دیکر، یہ کہا اوس نے کہ «هاں رهتا هے»

جی بیچ کے یہ عشق کا جنجال خریدا
اوس جنس کو کھو، همنے هے یہ مال خریدا

میں نے چاها جو اوس کو، اے رنگیں
مجھہ سے هر ایك بدگمان هوا
طوطئے جوڑتی (هے) (۱) کیا کیا، خلق؟
جی اگانا بلاے جان هوا!

جب میں نے کہا کہ «مجھہ کو تم سے
ملنے کا هے اشتیاق بیحد»
یکبار وہ کھل کھلا کے، رنگیں
بولے کہ «چہ خوش، چرا نبا شد؟»

طبقۂ ثالث

(۲۱۳ الف) اول سر دفتر سخنوران طبقۂ ثالث، شاعر فصاحت کردار،

(۱) اصل این کلمہ را ندارد.

بلبل شیرین گفتار، ناظم خوش تقریر، مقبول هر برنا و پیر، میان قلندر بخش، که جرأت (۱) تخلص داشت. شیرینیء تقریر و صفائیء بندش، بمرتبهٔ که داشت، مثل آفتاب برهمه روشن است. غرض که صاحب طرز است. نهایت خلیق و عالم‌آشنا گذشته. مردم چشمش، بعارضهٔ نزول، مدت است که از حلیهٔ بصر عاری بودند. آنچه گفته بود همه یاد داشت، حالانکه کم از صدهزار شعر فصیح نگفته باشد. در هر مجلس و مجمع که رونق افزا می شد، بسبب خوش تقریریء او کسی بار سخن نمی یافت، و هرگز بر خاطرها بار نمی شد. مادام که زنده بود، مقبول دلها و عزیز امرا بوده. صاحب عالم مرزا سلیمان شکوه بهادر، دام ظله، اورا بسیار عزیز میداشتند. شاگردان بیشمار بهمرسانیده؛ در هر مشاعره که می آمد، نصف مشاعره بلکه زیاده از تلا مذهٔ او می شد. و در نجوم و ستار نوازی و علم مجلس

---

(۱) حسن : ۳۱ الف؛ طبقا : ۳۷؛ گلز : ۳۰ ب؛ لطف : ۳۷؛ تذکره : ۲۲ الف؛ نغز : ۱، ۵۵؛ شیفته : ۴۳ ب؛ گلدسته : ۱۴۷؛ طبقات : ۲۰۵؛ سراپا : ۱۷؛ مختصر : ۸۵؛ جدولیه : ۱۴۱؛ شمیم : ۳۲؛ سخن : ۱۰۲؛ روز روشن : ۱۴۳؛ آبحیات : ۲۳۶؛ طور : ۲۴؛ خمخانه : ۲، ۲۱۸؛ گل : ۲۴۷؛ انتخاب : ۲۷؛ قاموس : ۱، ۱۶۷؛ عسکری : ۲۲۵؛ جواهر : ۲، ۴۸۲؛ بیاض : ۳۷؛ اشپرنگر : ۲۴۴؛ بلوم هارٹ : ۳۵.

مبتلا، در گلشن سخن (۲۹ الف) می گوید: «جرات دهلوی، اسمش یحیی امان ابن حافظ امان، صاحب دیوان. در تلامذهء مرزا جعفر علی حسرتست. در علم موسیقی و ستار نوازی طرفه دستی دارد. و در نظم شعر ریخته طبعش ملایم. در لکهنئو و فیض آباد میگزراند.»

باتفاق اکثر اهل تذکره، جرات در ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ع) وفات یافته است. اما در طبقات ۱۲۲۴ھ را معرفی کرده. و همین سال از مادهای مستخرجهٔ کمال، شاگرد قایم، و جسونت سنگهه پروانه برمی آید. چنانچه کمال می گوید (دیوان قلمی: ۲۹۵ ب و ۲۹۶ الف، حاشیه):

جست تاریخش چو از هاتف کمال گفت «شاعر وهبی شیرین زبان»

و پروانه می گوید: «کهو، جنت نصیب جرات هے.» (خمخانه ۲، ۷).

کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور پنج نسخهای دیوانش را دارا ست.

یگانۂ عصر خود بود. با راقم حروف بسیار دوستی داشت. این چند شعر از وست:

میرے اور اوس کے، جو پوچھو، ربط کیا کیا کچھ نتھا؟
پر دل اوس کا بھرگیا ایسا که گویا کچھ نتھا

عزیزو، وصل میں بھی ہم جو رو رو کے نسوتے تھے
سو اندیشه تھا روز ہجر کا، اس دن کو روتے تھے

بارے، کچھ جذبۂ دل نے تو اثر اوس کو کیا
اب جو آتا ہے، سو مژده یه سناتا ہے مجھے
منه ترے گھر کی طرف کرکے، یه کہتا تھا وه شوخ:
«اسطرف کو کوئی کھینچے لیے جاتا ہے مجھے»

(۲۱۳ب) خواهش دیدار جسکو ہو، تو ایك تصویر یار
وه بهرصورت کهچامنگوائے اور دیکھا کرے»
لیك میں حیرت زده یه پوچھتا ہوں، دوستو،
«جوفقط باتوں ہی کا مشتاق ہو. سوکیا کرے»؟

عجب انداز سے کل بزم خوباں میں وه آتا تھا
که دل ہی دل میں اوس پر ہر کوئی قربان جاتا تھا

یہاں پھونك دیا دل کو، وہاں یار کو بھڑکایا
ناله بھی قیامت ہے، کچھ آگ لگانے کو

کیا کہوں، کیا خوبرو، نظرین ملاکر، لے گئے؟
دل سے مونس کو مرے مجھ سے جدا کر لے گئے
کیا بگڑ بیٹھے (۱) جو تم مجھ سے، تو بدنامی گئی؟
جا بجا لوگ اوس کے افسانے بنا کر لے گئے

---

(۱) اصل: «بگو بیٹھے»

سر پٹکتے رہ گئے ساحل سے ہم، مانند موج
اور اغیار اوس کو کشتی میں بٹھا کر لے گئے

کل تلک جسکی خبر سب لوگ آ کر لے گئے
آج اوس بیمار کو، پیارے، اوٹھا کر لے گئے

کیا غضب ہے؟ اوس نے جس جس کے تئیں لکھے تھے خط
نامہ بر وہ مجھ سے سرنامے پڑھا کر لے گئے

بوسہ پہ جو منہ پھیرو، تو پھیرو اپنا
ٹک پانؤ تو دابنے ہمیں دو اپنا
گر نام سے عاشقی کے ہے تنگ تو، جان
نوکر، چاکر، غلام، سمجھو اپنا

چاہ کی چتون مری، آنکھہ اوس کی شرمائی ہوئی
تاڑلی مجلس میں سب نے، سخت رسوائی ہوئی

مخفی نماند کہ این شعر متنازع فیہ است۔ جرأت میگفت کہ «از من است» و افسوس میگفت کہ «از من۔» چون طرز ہردو قریب، و وقوع شعر از ہردو ممکن، ناچار با تباع شہرت در اشعار جرأت نوشتہ شدہ۔ و اللہ اعلم بالحق۔

دوم (۲۱۴الف) از طبقۂ ثالث، کہ خاک طینتش باب فصاحت سرشتہ (۱)، و عنصر لطیفش بمایۂ بلاغت تالیف یافتہ، فصیح زمان، بلیغ دوران، میر شیرعلی افسوس (۲) بود، کہ در معلومات فن و بندش

(۱) اصل: «سررشتہ»۔
(۲) حسن: ۱۶ الف؛ گلزر: ۱۸ الف؛ لطف: ۴۷؛ تذکرہ: ۸ ب؛ نغز: ۱، ۶۵؛ شیفتہ: ۲۳ الف؛ طبقات: ۲۳۴؛ سراپا: ۲۱۰؛ جدولیہ: ۱۴۰؛ نسیم: ۳۵؛ سخن: ۳۹؛ روز روشن: ۵۸؛ طور: ۱۲؛ خمخانہ: ۱، ۳۵۳؛ میر: ۱، ۹۷؛ قاموس: ۱، ۸۷؛ ارباب: ۸۲؛ جواہر: ۲، ۶۶۳؛ بیاض: ۳۶؛ اشپرنگر: ۱۹۸؛ بلوم ہارٹ: ۳۸۔ (باقی)

سخن از همسران بهیچ وجه پایهٔ کمی نداشت. صاحب دیوان بوده است. اکثر اقسام سخن را بخوبی گفته. اول شاگرد میر سوز، و آخر رجوع بمیر حیدر علی حیران آورده، مشق کلام به پختگی رسانیده. با فقیر بسیار دوستی و یکجهتی داشت؛ چراکه در علم طب، بخدمت فیضدرجت، حضرت قبله و کعبهٔ دوجهان، زبدهٔ علمای هندوستان، مجتهد زمانه، محدث یگانه، مسیحای وقت، مخدومی و اوستادی، جناب حکیم آغا محمد باقر صاحب قبله، غفرالله ذنوبه، نسبت تلمذی داشت، و بنده و او مدتی همدرس بوده ایم. و آخر باعانت و سفارش خان رفیع الشان، مرزا فخرالدین احمد خان بهادر، مغفور و مرحوم(۱)، در سرکار فیض مدار کمپنیء انگریز بهادر، بصیغهٔ شاعری و اردودانی نوکر شده، مدتی در کلکته مانده، آخر همانجا باجل طبیعی در گزشت. و تاریخش اینست. تاریخ:

از جهان رفت میر شیر علی
کرد هر پیر و هر جوان افسوس
بود افسوس چون تخلص او

(بقیه) صاحب گلشن سخن (۱۲ ب) می گوید: «افسوس' اسمش میر شیر علی خلف مظفر علی خان' که داوغهٔ توپخانهٔ نواب عالیجاه بود. اصلش از نارنول است. بالفعل از هم صحبتیء میر حیدر علی حیران و میرحسن' مشق سخن بمرتبهٔ رسانیده که پسندیدهء نکته سنجانست.»

باتفاق اکثر اهل تذکره' افسوس در ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ع) بمقام کلکته وفات یافته است. اما بیل در کتاب خودش' که تذکرهء مشاهیر اهل شرق استبزبان انگلیسی' و در تتبع او در قاموس' که ترجمهٔ کتاب اوست' رحلتش را در ۱۸۰۶ع (۱۲۲۱ھ) نشان داده. و در روز روشن گفته که «در اوایل مأیهٔ ثالث عشر رحلتش ازین دار ناپایدار است.» و این قول مشعر برعدم اطلاع مولف است. و در بیاض هر دو تاریخ بدون ترجیح مذکور است.

(۱) در اصل مسوده «دام اقباله» بوده. غالبا وقت تبییض کتاب این فقره قلمزد شده؛ اما کاتب نسخهٔ رامپور این جملهٔ خط کشیده را هم نقل کرده است.

همه کردند شاعران افسوس

گفتم از روی درد تاریخی

« رفت افسوس زین جهان، افسوس! »

این چند شعر از کلام اوست: (۱۲۲۴ھ)

کیا تو نے لکھا تھا؟ جو ترے خط کے تئیں دیکھه

آنسو لگے افسوس کی آنکھوں سے ٹپکنے

اوس کی صورت کے تئیں یاد دلا دیتا ھے

ھنستے ھنستے مجھے یه گل تو رلادیتا ھے

(۲۱۴ب) آنکھوں کے اشاروں سے غیروں کو بلاتا ھے

میاں، جھوٹھی نکھا قسمیں(۱) تو کسکو ڈراتا ھے؟

کچھه بات ھمسے کر نہیں سکتے، ھزار حیف!

مدت میں تم ملے بھی، تو غیروں کے گھر ملے

منه تو دیکھلادے ذرا، گو نه ملاقات کرے

ھمکو سو وصل ھیں، جو ھنس کے وہ اك بات کرے

دیکھتے ھی اوسے، حاضر ھوے مرجانے کو

وے ھی اشخاص، جو یہاں آتے ھیں سمجھانے کو

کس درجه بیکلی ھوئی، جاتے ھی یار کے

کیا کیا گھمنڈ تھے ھمیں صبر و قرار کے؟

سیوم از طبقهٔ ثالث، ناظم ماھر فن، کامل شیرین سخن، فاضل عالی تقریر، شاعر رنگین تحریر، غواص بحر فصاحت، صاحب « دریای لطافت»، ظریف بی ھمتا، حکیم انشاء الله خان انشا (۲) بوده

(۱) اصل: « قسمتی ».

(۲) حسن: ۱۴ الف؛ گلز: ۱۰ الف؛ لطف: ۳۵؛ تذکره: ۹ ب؛ نغز: ۱، ۸۰؛ (باقی)

است، که در نکته فهمی و بذله سنجی یگانهٔ روزگار، و بظرافت

(بقیه) شیفته: ۲۸ ب؛ گلدسته: ۱۷۰؛ طبقات: ۲۰۱؛ سراپا: ۱۳۳؛ جدولیه: ۱۴۱؛ شمیم: ۲۷؛ سخن: ۵۲؛ شمع: ۶۹؛ آب حیات: ۲۴۵، ۲۵۹، ۲۷۱، ۳۱۷؛ طور: ۹۶؛ گل: ۲۸۳؛ خمخانه: ۱، ۴۶۷؛ انتخاب: ۳۱؛ سیرالمصنفین: ۱، ۸۷؛ قاموس: ۱، ۱۱۱؛ عسکری: ۲۰۹؛ جواهر: ۲، ۵۴۵؛ تذکرهء ریختی: ۲؛ بیاض: ۳۸؛ اشپرنگر: ۲۴۰؛ بلوم هارٹ: ۴۵؛

میر علاءالدوله، در تذکرة الشعرا (۳۶۲ الف حاشیه) می فرماید: «میرماشاء الله، درطابت دستگاه وافی (دارند) و طالب علم منقح و خوش طبیعت اند، و نوکر معتبر نواب شجاع الدوله وزیرالممالك بهادر هستند. پسر ایشان، که جوان وجیه بدل نزدیك تراست، با مولف تذکره فقیر اشرف علی خان آشنا ست.»

شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۴۱ الف) گفته: «میرانشاء الله خان، انشا تخلص، پسر حکیم ماشاءاللهخان، متوطن شاهجهان آباد، اکنون در بلدهء لکهنئو اقامت دارد، و کرس سخنوری می نوازد. جوانی ست قابل، صاحب استعداد کامل. در فنون عربی و فارسی و هندی مهارتی تام دارد. خوش تقریر بمرتبه ایست که در تحریر نمی آید. آزاد مشرب، آزد مذهب، وارسته، بطور آزادان با صفای چهار ابرو می ماند. در ریخته گوئی، بطوری که دارد، عدیل و نظیر خود ندارد. دیوانش از بسکه متداول ست، احتیاج تحریر نیست. گاهی اشعار فارسی هم می گوید.»

مبتلا، در گلشن سخن (۱۰ب) نوشته: «انشا، نامش میر انشاء الله ولد حکیم میر ماشاءالله مصدر تخلص است راقم حروف وی را در صغرسن هنگام دولت نواب میر محمد جعفر خان بهادر دیده بود و با ولد ایشان آشنا بود. درین ولا مسموع شده که مرد مستعد و بحلیهٔ خوبیها مزین است. گاهی شعری می گفت».

و شیخ احمد علی، در مخزن الغرایب (۶۰ ب) می گوید: سید انشاء الله خان، انشا تخلص، مهین خلف مخبر الدوله، سرآمد اطبای زمان، میر ماشاء الله، جعفری النسب نجفی الموطن ست. جدش شاه نور الله نجفی در هندوستان متولد گشته؛ و میر ماشاء الله بخلاف پدر بزرگوار سعیها در تلاش دنیا نموده. در بنگاله علاجهای نمایان ازو بظهور رسیده؛ و اکثر در میدان کارزار پیش از دیگران داد شجاعت داده. تمام بدنش جراحتگاه بود. در عالم تنزل، که عهد نواب قاسم علی خان بود، پیش نواب وزیرالممالك، نواب شجاع الدوله مرحوم آمد. آن روزها با وصف بربادیء اسباب، نوزده فیل همراه داشت. سخاوتش بدرجهٔ بود که در جنب او نام حاتم ذکر کردن باعث خجالت ست. و بذات خود مرغ پلاؤ و نان جو را مساوی می دانست، و همیشه بر زمین می خوابید، و شب زنده دار بود. آخرها چون زمانه را بکام ناکسان دید، کمر را وا کرده، در فرخ آباد منزوی شد. نواب مظفر جنگ چیزی بقدر ضرورت تواضع می کرد. چند سال است که در همان شهر بجوار رحمت ایزدی پیوست، و مزارش نیز همان جاست. (باقی)

و لطیفه گوئی رنگین تر از باغ و بهار- دیوان ضخیمش که مرتب

(بقیه) آمدم بر احوال سید انشا الله خان- موصوف در صغرسن کتب صرف و نحو و منطق وحکمت تا «صدرا» خوانده- چون بشانزده سال رسید، بحضور نواب وزیرالممالك شجاع الدوله داخل جلسا شد- دران وقت دیوان هندی بطور خود و بطرز نوی بی استاد ردیف وار تمام نموده بود، و پارهء از اشعار فارسی و عربی هم براوراق ثبت داشت- چون صورت مطبوع و تقریر دلچسپ یافته بود، و در تمام دربار احدی بحسن تکلم او نمی رسید، مورد عنایات بندگان عالی و محسود اهل دربار شد- بعد چندی که نواب وزیر موصوف قضا کرد، و دربار آصف‌الدوله مجلس اراذل شد، خان مزبور چندی بلشکر نواب ذوالفقار الدوله میرزا نجف خان مرحوم، و مدتی در بوندیل کهند، و بعد چند روز باز همپای پدر بدهلی رفته، با محمد بیگ خان همدانی معزز می بود- و چند بار خود را برروی توپ و تفنگ و تیر و تبر زد؛ لیکن چون حیات مستعار باقی بود، بسلامت برگشت- و در «جی نگر» بر سر حرفی با میرزا اسمعیل بیگ خان برادر زادهء محمد بیگ همدانی در افتاد، و کتار کشیده بطرفش دوید- هرچه بزبان آمد، بجا و بیجا مضایقه نکرد- جان و حرمت اورا جدش نگهبان شد، والا در کشته شدن اوجای تامل نبود- بالجمله ازان طرفها باز بلکهنئو آمده، مدتها از مخصوصان حضور اقدس مرشد زادهء آفاق، صاحب عالم و عالمیان، میرزا سلیمان شکوه بهادر بود- از بسکه پر نازك مزاج ست، ازانجا هم دمغ شده برخاست، و رفاقت الماس‌علی‌خان بهادر گزید- بعد چند روز نواب وزیرالممالك هندوستان، یمین الدوله، میرزا سعادت‌علی‌خان‌بهادر مبارزجنگ، دام اقباله، اورا در سلك مقربان خودش سرفراز فرمود- هر دو وقت شریك طعام با آنجناب می باشد-

بنده نیازی در خدمتش دارم- او نیز شفقت بحال من از وقت ملاقات تا امروز مبذول دارد- در عالم آشنا پرستی بی نظیر زمانه و در شعر هندی موجد طرز تازه و یگانه است- آدمی که در صحبت او می رود، غمهای زمانه فراموش میکند- نقلهای عجیب و قصه های غریب یاد دارد، و از پیش طبعت خود نیز می تراشد- لطایف او اگر شمار کرده آید، کتابی جداگانه مرتب می توان کرد- با انهمه شجاعت و جلادت که در عرصهٔ رزم ازو مذکور گشته، در بزم خود را کمتر از یك طفل نامرد حساب میکند- برای هرکس نوائی برمی آرد- اگر گاهی بخاطرش میگذرد، با آدم ناچیز راهرو بیگانه صورت ظرافت سرمی دهد- در ینصورت اگر طرف ثانی سکوت کرد، خیر و اگر شروع بدشنام نمود، می خندد، و اورا برسر غضب می آرد- با آدم کم مرتبه این معامله دارد، و هفت هزاری را نمی گزارد که خلاف طبعش حرف زند- نواب میرزا قاسم علی خان، پسر نواب سالارجنگ را، برسر شعری روبروی جناب عالی ذلیل کرد- و اشعار در چهار زبان می گوید: فارسی و ترکی و عربی و هندی- عبارات بی نقط در عربی مشتمل بر مطالب مقرری چار چار ورق می نویسد، و تفسیر چند سوره بهمین زبان غیر منقوط نوشته بود- از شعرای معاصرین با احدی سرفرو نمی آرد- و کسی که اورابه از (باقی)

ساخته بود، بهمه اقسام سخن مملو است. ریختی هم بسیار گفته. گویند

(بقیه) خود می داند ، و در تحقیق لفظ و ترکیب عبارات و حسن و قبح کلام خود از و مضایقه نمی کند ، و میانهٔ آشنایان خود نیز اورا سر آمد آشنایان می شمارد ، فخر الشعرا میر محمد حسن قتیل است. چند سال پیش ازین مصحفیء ریخته گو را آنقدر رسوای کوچه و بازار کرد ، که اگر غیرت میداشت ، خودرا میکشت. همین بر خر سوار کردن باقی مانده بود. دگر هیچ ذلتی نبود که نصیب آن بیچاره نشد. شرحش طول دارد. الحاصل عجب کسی است. خدایش سلامت دارد ! »

عاشقی ، در نشتر عشق (۵۵۰ الف) بذیل قتیل نوشته : « روزی سعادت یار خان رنگین... هنگام معاودت از لکهنئو برای دیدن راقم تشریف آورد. و عندالا ذکار مرزای موصوف (قتیل) قسمیه بیان می فرمود که نوبتی انشاء الله خان مرحوم ، که از یاران مرزای موصوف بود ، و با خودها مزاح و خوش طبعی هم می شد ، در دوسه روز بخوض و تامل بسیار دوسه فقرهء نثر بی نقط تلاش نموده ، رقعهٔ بمرزا قتیل نوشت. صبح آن چون با خودها ملاقات گردید ، آن مرحوم از راه اختلاط با مرزا گفت که « دیدی ، چه قسم رقعهٔ نوشتم ، و چه فقره های معنی یاب بی نقط بهم رسانیدم ؟ حالا مقدور تو نیست که در جواب آن دم زنی و بپاسخ آن برنگاری » . ایشان فی‌الفور قلم برداشتند و تفسیر بی نقط سوره‌های قرآنی ، که بآن مغفور ازبر بود و می خواندند ، در عرصهٔ یك نیم پاس بنهایت روانی و سلاست بهتر از عبارت سواطع الالهام بضبط تحریر درآوردند » .

مولوی عبدالقادر چیف رامپوری ، در روزنامچهٔ خود (۳۹ب) بسلسلهٔ سفر لکهنئو ، که در آخر عهد نواب سعادت علی خان بهادر (۱۲۲۹ھ) رو داده ، می گوید: « (حکیم میرزا علی صاحب) پارهء از آنچه بدل وی گزشت ، دربارهء بنده به میر انشاء الله خان صاحب گفتند. حکیم و خان صاحب و میر عبدالعلی ، هرسه بزرگوار بدیدن بنده آمدند و نوازش فرمودند. روز دیگر بخدمت خان صاحب مستفید شدم. اگرچه وی بشعر وشاعری مشهور است ، لیکن بدانست من فن هم نشینی شدن بجائی رسانیده بود که یکتای زمانه اش درین کار اورا توان گفت. بزبان اردو و فارسی و عربی و بنگله و پوربی و مرهٹی و کشمیری و ترکی و افغانی بلهجهٔ آن قوم سخن گفتی و نثر فارسی روان و بی تکلف خوب نوشتی. تیراندازی و شمشیر بازی و سواریء اسپ نیکو می دانست. برکات آنچه باید همه داشت. میان رندان پیر مغان ، و در حلقهٔ مشایخان شیخ صنعان بود. »

مهجور ، در مدایح الشعرا (۸ ب) تحریر کرده : « اسم شریفش انشاء الله خان بهادر ، ولد حکیم میر ماشاء الله خان مصدر تخلص ، از زیور ظواهر و بواطن آراسته ، و بجواهر زواهر علم و هنر پیراسته. نواب سعادت علی خان بهادر ...... » . (باقی)

که از فارسی و عربی و ترکی و هندی بجمیع زبانها قادر و در همهٔ آنها شعر خوب خوب دارد- راقم بشرف صحبت او نرسیده، الا کلام هندیش بسیار شنیده و حظ ازان برداشته- بی اختیار دل محو کلام فصاحت انجام اوست، و جان مهجور غیبانه مالوف بنام نیکو فرجام او- عمرش تخمینا از شصت سال متجاوز بود- بحاشیه بوسیء مسند قرب و مصاحبت نواب مستطاب، گردون رکاب، معلی القاب نواب وزیرالممالک، یمین الدوله، ناظم الملک، سعادت علی خان بهادر، (۲۱۵ الف) مغفور مرحوم، شرف امتیاز داشت- و جناب ممدوح هم از معزی الیه بسیار محظوظ ماند- فضایل و محامد آن عدیم‌المثال از فضیلت و حکمت و طبابت وغیره بسیار اند، که زبان قلم از بیانش قاصراست- آخر، آخر، مجنون شده، چند سال گزشته بودند که بهمان مرض در گزشت- خداش بیامرزد! این شعر ازوست:-

گالی سہی، ادا سہی، چین جبیں سہی
سب کچھ سہی، پر ایک نہیں کی نہیں سہی

(بقیه) میرولی‌الله، در تاریخ فرخ آباد (۱۴۲ ب) می گوید: «میرانشاء الله خان، ولد ارشد حکیم ماشاء الله خان، دو سه بار وارد بلدهء فرخ آباد شد- بچند زبان شعر می گفت: عربی، فارسی، ترکی، هندی، پنجابی، بنگالی، پشتو و جز آن- وقت جلوس نواب سعادت علی خان بر مسند وزارت بسی و چهار زبان قصیده گفته-»

با تفاق اکثر اهل تذکره، انشا در سال ۱۲۳۳ه (۱۸۱۸ع) وفات یافته است- اما بلوم هارث، بنابر مادهء بسنت سنگهه نشاط که «عرفی وقت بود انشا» می باشد، رحلتش را در ۱۲۳۰ه (۱۸۱۵ع) نشان میدهد- و همین سال در طبقات و انتخاب اختیار کرده شده است- اما این قول مبنی بر غلط فهمی است. فی الحقیقة نشاط این تاریخ را بتعمیه گفته بود؛ چنانچه مصرع اول این بیت «سال تاریخ او ز جان اجل» بر این دال است که اعداد «ج» را، که جان اجل است، ایزاد باید کرد-

کتاب خانهٔ عالیهٔ رامپور دو نسخهای خطیهٔ کلیاتش را دارا ست- یکی ازینها بتاریخ ۱۱ ذیقعده سنه ۱۲۴۱ه بر دست امرسنگهه اتمام یافته است-

شمیم کاکل پیچاں سے میں جو اونگھہ گیا
توھنس کے کہنے لگے: «اسکو سانپ سونگھہ گیا»

یاس و امید و شادی و غم نے دھوم اوٹھائی سینے میں
آج مچی ھے خوب دھادھم مار کٹائی سینے میں
حضرت دل تو کب کے سدھارے، خوب جو ڈھونڈھا انشا نے
ایک دھواں سا آہ کا اوٹھا، خاك نه پائی سینے میں

چہارم از طبقهٔ ثالث، بلبل خوش صدا، طوطیء رنگین ادا، خوش فکر خان نوا، (۱) شاگرد بقاء الله خان بقاست. مولدش بداؤن، و خود در

---

(۱) طبقات : ۴۰ ؛ گلز : ۲۲ ب ؛ لطف : ۵۸ : نغز : ۲ ‘ ۲۰۹ ؛ شیفته : ۱۹۸ ب ؛ جدولیه : ۱۴۴ ؛ شمیم : ۳۰ ؛ سخن : ۵۳۳ ؛ صبح : ۵۳۹ ؛ آبحیات : ۲۴۳ ؛ قاموس : ۲ ‘ ۲۶۶ ؛ اشپر نگر : ۲۷۲.

شوق رامپوری، در تکملة الشعرا (۳۲۷ الف) می گوید: «شیخ ظهور الله ولد فضیلت و کمالات دستگاه، مولوی دلیل الله بدایونی که جامع علوم عقلی و نقلی بود، جوانیست قابل، خوش اخلاق، و در فنون سخنوری نهایت رسا و طاق؛ متلاشیء مضامین نو و رنگین، متخلص به نوا، از شاگردان بقاء الله خان بقا. از طرف شاهزادهء صاحبعالم جوان بخت، بخطاب خوش‌فکر خان عزت امتیاز دارد. شعر هندی و فارسی هر دو خوب می گوید. در ریخته گوئی قدم پهلو به پهلوی استاد خود میزند، خصوصا در قصیده گوئی یکتای زمان و یگانهٔ دورانست. دیوان هندی با تمام رسانیده. از چندی مشق اشعار فارسی می کند.»

میرولی الله فرخ‌آبادی، در تاریخ فرخ‌آباد (۱۶۷ ب) می نویسد: «ظهور الله متخلص به نوا، مولدش بلدهء بدایون است. اخذ علوم در ایام اقامت بلدهء لکهنئو از علمای آنجا فرموده، و با شعرای آنجا مطارحات سنگین نموده، بملك ایران رسیده، در حضور فتح علی شاه فخر بار یافته، مخاطب به «سعدیء هند» گشت. وقت رجوع ازان دیار، وارد فرخ‌آباد گردیده. در هر نوع شعر فارسی از غزل و مثنوی و بزم و رزم خوب می گوید.»

حکیم وحید الله، در مسختصر سیر هندوستان (ص۹۳) می فرماید: «نوا تخلص، ظهور الله خان نام، ابن مولوی دلیل الله الصدیقی المحمدی، از روسای بدایون و بزرگان همجدیء جامع اوراق هذا ست. تعریف علوم و ثقاهت و وضعداری، و توصیف علوی همت و مرتبت و شاعری آن صاحب فضل و کرم، اگر بهزار زبان کرده (باقی)

لکهنئو نشوونما یافته. اینهم، مثل اوستاد خود، شاعر قصیده گوست. تاوقتیکه در لکهنئو بود، با جرأت و شاگردانش نزاع کلی داشته. اکثر در کلام خود کنایه باو می‌نمود. و یك مرتبه در مشاعرهٔ مولوی مجیب‌الله، و یکبار در مشاعرهٔ سید مهرالله خان غیور، که مقابلهٔ او ظاهرا با تجمل مرثیه‌گو و مرزا علی لطف و مرزا مغل سبقت و به باطن با جرأت شده بود، برهمه ها غالب آمده شکست فاش داده، و هجوهای رکیك بر روی هریك در مجمع کثیر (۲۱۵ب) خوانده، حتی همه بزرگواران دشمن او شده، خواستند که اورا بجان بکشند. مشار الیه نیز ازین معنی خبر یافته، با وجود تنهائی مطلق پروا نمیکرد، و مستعد جنگ بزبان سنان و تیغ زبان هردو بود. بالآخر محمد عاشق تصور واسطه گردیده، با مرزا مغل سبقت و او سبب ملاقات شد، و بظاهر نزاع موقوف ماند. غرضکه زبان گزنده دارد. باراقم نهایت دوست

(بقیه) آید، اند کی از بسیار و یکی از هزار است. در ابتدا از پیشگاه شاهزادهء مرزا جوان بخت، خطاب خانی یافته، ملقب به خوش فکرخان گردیدند. و در عهد نواب آصف الدوله بهادر به بلدهٔ لکهنئو بعزت و امتیاز اوقات شریف بسر فرمودند. بعد ازان جهت حج بیت‌الله و زیارت عتبات عالیات رفتند، و معاودت نموده در ولایت ایران بحضور بادشاه جمجاه فتح علی شاه، بثروت و حشم تمام و تعزز و اکرام ماندند، و از آنجا معاودت کرده، بمقام حیدرآباد بخدمت فیضدرجت نواب فولاد جنگ ابن نواب نظام علیخان بهادر، والیء حیدرآباد، بتوسل راجه چندولال قیام کردند، و در هرمقام قصاید عمده در تعریف و توصیف والیان آن ولایت تصنیف فرمودند. آخرش در بدایون در سنه ۱۲۴۰ه (۱۸۲۴ع) لبیك اجابت بداعیء حق گفتند. تاریخ وفاتش از نتایج افکار جامع الاوراق اینست. قطعه :

ظهور الله خان، آن سعدیء هند نبوده مثل او در دهر شاعر
چو در جنت رسیده، گفت رضوان ”نوا فخر بدایون بود زایر“

از همین سال وفات در آبحیات نیز ذکر رفته است. و در قاموس گفته که در ۱۲۴۱ه وفات یافت. و در لطف ۱۲۰۶ه تقریبا (۹۱-۱۷ع)، و در شمیم: ۱۱۳۶ه (۲۳-۱۷ع) یافته میشود. نزد بندهء عرشی تاریخ لطف مشعر بر عدم اطلاع مؤلف است، و در تاریخ شمیم تصحیف کاتب بنظر می آید.

بوده۔ از چند سال مفقودالخبر است۔ بعضی گویند که عزم زیارت عتبات عالیات نموده، از راه ایران رفته، با قهرمان آنجا ملازمت (۱) حاصل کرده، یکی از مقربان درگاه شد۔ و بعضی گویند که از انجا هم رخصت شده، بزیارت رفت۔ هرحا که باشد، خدا او را بعزت تمام نگاهدارد! این شعر از کلام فصاحت بنیان اوست:

ڈھلی ھیں دونوں یه تصویریں ایك سانچے میں
بتوں کی سنگدلی، میری سخت جانی کی

اب اشك تو کہاں؟ که جو چاھوں ٹپك پڑے
آنکھوں سے وقت گریه، مگر، خوں ٹپك پڑے
یہاں تك ھے جوش اشك که آنکھوں سے تجھه بغیر
یك قطره آب چاھوں، تو جیحوں ٹپك پڑے

خط آنا یکطرف، اب چاھیے پیغامبر ثانی
که جاکر، دے مری جانب سے یه پیغام قاصد کو
«اسے، توخط کو یہاں آیا تھا یا صورت پرستی کو؟
چل اپنے کام لگ، اس کام سے کیا کام قاصد کو»؟
نوا، قاصد کو اپنے پر وه مفتوں آپ کرتے ھیں
جو آپھی خوب ھیں، کیا دیجیے الزام قاصد کو

(۲۱٦ الف) پنجم از طبقهٔ ثالث، کنور جسونت سنگھه پروانه تخلص(۲)، پسر راجه بینی بہادر است۔ شاعر خوش تقریر، فکرش بسیار

---

(۱) اصل: «ملاذمت»

(۲) گلز: ۲۵ الف؛ عقد: ۲۰ الف؛ تذکره: ۱٦ ب؛ نغز: ۱، ۱۰۳؛ شیفته: ۳۱ الف؛ طبقات: ۱۴۷؛ شمیم: ۱۰۴؛ سخن: ۸۷؛ روز: ۱۲۰؛ خمخانه: ۲، ٦؛ قاموس: ۱، ۱۵۱؛ اشپرنگر: ۲۷٦۔

(باقی)

رسا، قصیده و غزل هردو بتلاش تمام گفته؛ صاحب دیوان است۔ پیشتر فارسی میگفت باز بریخته راغب گردیده، درین فن هم یکی از نامداران عصر شد۔ درینعرصه «حملهٔ حیدریء» هندی نظم میکند۔ روزی دو داستان ازان پیش راقم هم خوانده۔ حق اینست که کمال خوب گفته، و نهایت داد شاعری داده؛ تلاش بسیار نموده؛ معنیء بیگانه بی شمار پیدا کرده۔ از شعرای حال کسی همترازوی وهم قوت او نیست۔ این چند شعر اروست:

کروں جو وصف صنم، طاقت بیان نہیں
زباں کے چشم نہیں، چشم کے زبان نہیں

دیکھتے ہی اوس کو، چہرے پر بحالی آگئی
زعفرانی رنگ جو تھا، اوس میں لالی آگئی

کھا تیغ نگہ جب ترے گھایل کو غش آیا
گویا که (۱) دم نزع میں بسمل کو غش آیا

کیا کیجیے همدم، که اوسے دیکھ کے هم تو
هر چند سمھالے رهے، پر دل کو غش آیا

کرتے تو کیا قتل، په خوں بہتے جو دیکھا
ٹھہرا نگیا سامنے، قاتل کو غش آیا

(بقیه) در گلشن سخن (۱۴ الف) گفته: «پروانه ' اسمش راجه جسونت سنگهه ابن راجه بینی بهادر (شاگرد) لاله سرپ سکهه رامے دیوانه تخلص است۔ در لکهنئو می گزراند۔ کلامش شورش دارد۔»

بنابر تصریح شمیم و سخن' در ۱۲۲۸ه (۱۸۱۳ع) پروانه را مرگ در گرفت۔ وهمین سال از «پروانه بمرد ' شمع هم وای بمرد» که گفتهٔ ناسخ است (کلیات ' ۳۹۵' مطبع مولائی ' لکهنئو) مستفاد می شود۔ اما در خمخانه نوشته شده که پروانه در ۱۸۵۱ع انتقال کرد۔ نزد بنده این قول از صحت دور است

(۱) اصل: «گو یاوه»۔ و تصحیح از نغز.

ششم از طبقهٔ ثالث، سید عالی نسب، جامع علم و ادب، شاعر متین، میر سعادت علی تسکین (۱) است ، که تقریر فصاحت آئینش، از مدت (بعید) زیب گوش اهل سخن، و تحریر بلاغت آگینش، از عرصهٔ مدید، ذهن نشین هرنو وکهن. بظاهر در تلمیذی از منت ممنون (۲۱۶ ب) و بباطن از بدو فطرت مستعد و موزون. با وصف قدرت کمال، و صفای مقال، و تلاش معنیء بیگانه، که کم کسی را این منزلت دست میدهد، گاهی زبان صدق بیان را، مثل دیگران، بدعوی خود ستائی نکشوده، و در میدان هجا، تیغ لسان را بخون هیچ هم پیشهٔ هر گز نیالوده. از مدت مدید مشق ریخته دارد؛ بلکه از عرصهٔ بعید کلامش بپایهٔ پختگی و اوستادی رسیده. دفاتر مسودههایش زیاده تر از دو دیوان افتاده باشند. بسبب کم دماغی متوجه ترتیب نمیشود. هر چند همه دوستان و آشنایان تکلیف همیشه میدهند. شاید درین عرصه دیوان ترتیب داده باشد. چه از یکسال مرا بآن دوست صادق ملاقات نشده است. این چند شعر از کلام اوست:

حال دل کهیے، تو همسے وه صنم رکتا هے
اور جو چپ رهیے، تو مشکل هےکه دم رکتا هے

کس کا کوچه هے یه، یارب، نهیں معلوم همیں
خود بخود یهاں کے پهنچتے هی قدم رکتا هے

کیا خاك هے صفائی بهلا هم میں یار میں!
خط بهی لکها جو اوسنے، تو خط غبار میں

(۱) تذکره: ۱۹ ب؛ ریاض: ۱۴ ب؛ نغز: ۱، ۱۳۹؛ شیفته: ۴۹ ب؛ طبقات: ۳۶۱؛ سراپا: ۳۰۵؛ خمخانه: ۲، ۵۷؛ اشپرنگر: ۲۹۸.
بر طبق طبقات و خمخانه، تسکین تا سنه ۱۸۴۸ع (۱۲۶۵ه) بقید حیات بود.

غش نے همارے عشق کو اظهار کر دیا
بیهوش کیا هوے، اوسے هوشیار کر دیا

صلح کرتے هوے، وه بر سر جنگ آهی گیا
عشق کا نام هی بد هے، اوسے ننگ آهی گیا
خاك کا ڈهیر هوا، باتون هی باتون جل کر
شمع کی گرم زبانی میں پتنگ آهی گیا
کوه الفت کا اوٹهانا نهیں سهل، اے تسکیں
هاتهه فرهاد کا آخر ته سنگ آهی گیا

(۲۱۷ الف) هفتم از طبقهٔ ثالث، موزون رنگین تحریر، شاعر دلاویز تقریر، شاه نصیر، متخلص به نصیر (۱) است، که حالا در

---

(۱) تذکره : ۸۶ ب ؛ ریاض : ۵۲ب ؛ نغز : ۲ ، ۲۷۲ ؛ شیفته : ۱۹۵ ب ؛ طبقات : ۲۱۸ ؛ آثار : باب ۴ ، ۲۱۴ ؛ سراپا : ۱۱۴ ؛ جدولیه : ۱۴۱ ؛ گلستان : ۴۵۹ ؛ شمیم : ۴۰ ؛ سخن : ۵۲۲ ؛ صبح : ۵۲۳ ؛ آبحیات : ۴۰۲ ؛ طور : ۱۱۶ ؛ خزینه : ۲۰۴ ؛ محبوب : ۲ ، ۱۰۶۶ ؛ گل : ۲۷۲ ؛ قاموس : ۲ ، ۲۵۹ ؛ جواهر: ۲ ، ۶۶۷ ؛ بیاض : ۸۲ ؛ اشپرنگر : ۲۶۹ .

از طبقات بوضوح می پیوندد که شاه نصیر ، چهار یا پنج سال قبل از تصنیف این تذکره ، که در ۱۸۴۷ع باختتام رسیده ، ازین جهان نا پایدار انتقال کرده بود. و بنابر این قول ، اشپرنگر رحلتش را در ۱۸۴۳ع (۱۲۵۹ﻫ) ذکر کرده است. اما تذکره های دیگر فوتش را در ۱۲۵۴ﻫ (۱۸۳۸ع) معرفی می کنند. در کتابخانهٔ عالیهٔ رامپور یك نسخهٔ خطیه از کلیات نصیر محفوظست ، که بنابر « گل رعنا » بردست میر عبدالرحمن بن میر حسین تسکین ترتیب یافته بود. و در آخر این نسخه یك قطعهٔ تاریخیه بزبان فارسی مندرج است ، که درو مادهء تاریخ « چراغ گل » می باشد ، و ازو ۱۲۵۴ بر می آید.

در خصوص سفر شاه نصیر بطرف لکهنؤ ، مولوی عبدالقادر چیف رامپوری در روزنامچهٔ خود (۶۹ الف) می نویسد : « و همدران شهر (دهلی) شعرا بسیار اند. بلکه آغاز شعر ریخته بزبان اردو ازینجا است. اکنون نامور درین کار نصیرالدین نصیر است. و این مطلع وی : (باقی)

شاهجهان آباد بر مسند سخن جا دارد- گویند که درین فن بسبب قوت طبیعت و مقبول شدن کلام در حضرت سلطانی، دام شرفه، کسی را بخاطر نمی آرد و دعوی‌ء ملك الشعرائی دارد- صاحب دیوانست و بدیهه گو- شهرت اوستادیش تمام شهر را فرا گرفته- راقم اوراندیده، و نه کلامش شنیده، الاهمین یك شعر که نوشته می شود- و احوال آن آنچه مسموع شده بقلم آمده است- دروغ بگردن راویان- و طرفه (۱) تر اینست که آگاهی‌ء فن و علم هیچ ندارد، و دماغ برآسمان- گویند که در سال گزشته بنابر تلاش پسر خودش، که گریخته بود، بلکهنئو آمده، در مشاعره های میرزا قمرالدین احمد خان بهادر حاضر می شد، و شعرخوانی میکرد- اشعار قدیم، که خوانده، خوب بودند، و غزلهای طرحی، که میگفت، هرگزآن پایه نداشتند، و کسی پسند نکرد- و الله عالم- و شعری که راقم را یاداست، این ست:

چرائی چادر مہتاب شب میکش نے جیحوں پر
کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر

هشتم از طبقهٔ ثالث، شاعر شیرین کلام، میان نورالاسلام بوده

(بقیه) پشت لب پر ہے ترے یہ خط ریحاں کیسا ؟
منه تو دیکھو، لکھے یاقوت رقم خان ایسا؟

عالمگیر است- »

باز بسلسلهٔ سفر خود بطرف لکھنئو، که در ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۳ع) روداده، می گوید: « روزی در محفل مشاعره، که دران ایام بخانهٔ مرزا جعفر می بود، رفتم- مرزا محمد حسن قتیل و مصحفی و میر نصیر دهلوی دران زمره سرکرده بشمار می آمدند- و شیخ امام بخش ناسخ را دران ایام روز افزونی درین کار بود- » (۴۰ الف)

(۱) اصل: « ترفه »

است منتظر (۱) تخلص داشت. جوانی وارسته مزاج، شوریده سر، عاشق پیشه، سر حلقهٔ تلامذهٔ مصحفی بوده. آخر آخر، قوت شاعری بسیار بهمرساینده؛ تقریرش نهایت دردناك و بامزه گردیده. سوای میر، علیه الرحمه، و اوستاد خود، کسی را درین فن بخاطر نمی آورد. بلکه بسبب مخاصمت (۲۱۷ ب) اوستاد، هجو میان جرأت و انشاء الله خان علانیه کرده، روبروی هریك میخواند. درعین جوانی و جوش شاعری از دنیا نامراد رفت. این چند شعر ازوست:

چاهت مرے دل کی آزما دیکھ
ظالم، کہیں تو بھی دل لگا دیکھ

خلق دیکھے ہے مہ عید تمام، آج کی رات
تو بھی، اے ماہ، جھلك جا لب بام، آج کی رات

کل شب وصل کو پھر دیکھیے یارب کیا ہو؟
ہوگئی باتوں ہی باتوں میں تمام، آج کی رات

ایك ذرا بے ادبی ہوتی ہے، تقصیر معاف (۲)!
پائتی گر رہے، کہیے تو، غلام آج کی رات

منتظر، ہے یہ شب ہجر کہ ایك روز سیاہ؟

---

(۱) تذکره: ۸۷ الف؛ ریاض: ۲ الف؛ نغز: ۲، ۲۱۶؛ شیفته: ۱۶۱ ب؛ طبقات: ۲۰۹؛ سراپا: ۸۸، ۱۶۵، ۱۸۳؛ شمیم: ۲۴۲؛ سخن: ۵۵۷؛ طور: ۹۶؛ اشپرنگر: ۲۶۳.

از طبقات معلوم می شود که منتظر در ۱۷۹۳ع (۱۲۰۸ھ) بست و پنج ساله بود؛ لهذا سال تولد وی بحسب تخمین ۱۷۶۸ع (۱۱۸۲ھ) می باشد. و تا ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) که سال اختتام تذکرهٔ مصحفی است، بقید حیات بوده؛ اما قبل از ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ع) که درو ریاض با نجام رسیده، ازین جهان رحلت کرد. چنانچه در دیباچهٔ ریاض باصطلاح اموات ازو ذکر رفته است.

(۲) نغز: «ایك یه عرض ہے، صاحب، مری تقصیر معاف.»

نہ تو شیشہ ہے، نہ ساقی ہے، نہ جام آج کی رات

آرزو میں سجدے کی سر دے دے مارا، منتظر
سر پہ کیا آفت یہ لی، وہ آستانہ (۱) چھوڑ کر؟

تم پیار کرو گرنہ، صنم، اور کسی کو
سوگند لو، پھر چاہیں جو ہم اور کسی کو
اغیار تو سب جھوٹھے ہیں، کب تمکو کہا کچھہ؟
پوچھو تو، ذرا دیکیے قسم اور کسی کو
میں نے جو کہا: «گھر مرے چلیے کوئی دم آپ»
تو ہنس کے کہا: «دیجیے یہ دم اور کسی کو»

ہرگز نہوا طے یہ بیابان محبت
درپیش رہا مجھکو نیا مرحلہ، ہر روز

یہ سر نوشت میں تھا، جاے راہ میں مارا
وہاں سے خط کا جو قاصد جواب لیکے چلے

یک سر مو نہ یہ حال دل ابتر سمجھے
زلف سے تیری خدا، او بت کافر، سمجھے
مجھہ سے کہتا تھا وہ: «اک روز سمجھہ لوں گا میں»
حالت نزع میں ہوں میں، ابھی آکر سمجھے
(۲۱۸ الف) دولت حسن ہے جس پاس، یہ اوس سے ہے سوال
«کچھہ نہ لے اور نہ دے، پر ہمیں نوکر سمجھے»

امید ہے کہ مجھکو خدا آدمی کرے
پر آدمی کرے، تو بھلا آدمی کرے

(۱) اصل: «آستان»

مارا ہے کوہکن نے سر اپنے پہ تیشہ، آہ!
دل کو لگی ہے چوٹ، تو کیا آدمی کرے؟

گزرا میں ایسی چاہ سے، تا چند، ہمنشیں
بیٹھا کسی کے منہ کو تکا آدمی کرے

نہم از طبقۂ ثالث، رقت (۱) که مرزا قاسم علی نام داشت۔ بزرگانش اهل خطۂ (کشمیر) (۲) بودند۔ خود در شاہجہان‌آباد تولد شده، بلکھنئو و فیض‌آباد نشو و نما یافت۔ مشق سخن اول از میان جرأت نمود۔ آخر بحسرت، که اوستاد جرأت بود، رجوع آورده، ازو منحرف شد۔ مشق سخن به پختگی رسانیده، دیوان ترتیب داد۔ اماجز غزل دیگر کلامش بسیار کم است، بلکه نیست۔ این چند شعر ازوست:

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا
یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا!

جوان تم ہوے، نام خدا، پہ رقت تو
گھٹا کے دیکھے ہے اب تک بھی تین چار برس

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی
اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی!

دیوار گلرخاں کا سایہ مگر پڑا ہے
زاہد، بتا تو مجھکو، طوبے میں شاخ کیا ہے؟

دہم از طبقۂ ثالث، غضنفر علی خان غضنفر که نبیرۂ غلام حسین

---

(۱) طبقا: ۴۰؛ تذکره: ۳۵ الف؛ نغز: ۱، ۲۷۵؛ شیفته: ۳۷ ب؛ طبقات: ۳۳۱؛ سراپا: ۱۸۳، ۲۷۳؛ سخن: ۱۸۹؛ خمخانه: ۳، ۴۹۱؛ اشپرنگر: ۲۸۳۔

(۲) اصل این کلمه را ندارد۔

خان کروره هست (۱). اصل بزرگانش کهتری؛ از چند پشت بشرف اسلام مشرف شده. (۲۱۸ب) کلامش در برشتگی و لطافت و صفای بندش هم پهلوی منتظراست، و خود هم مثل سر حلقۂ جمیع تلامذۂ میان جرأت. از تقریر آن طرز اوستاد بسیار می تراود. غرضکه نهایت شیرین کلام و خوش فکر است. این چند (شعر) ازوست:

کروں کیوں نہ سازش یہ دربان سے؟
کہ ڈرتا ہوں شیطان طوفان سے

ملاقات سے میری ھمکو نہ تم
کہ انسان ملتے ہیں انسان سے

شب ہجر میں، اپنے اشکوں کا جوش
کئی ہاتھ اونچا تھا طوفان سے

یہ بوسہ تم اپنا · ابھی پھیرلو
میں گزرا، اجی، ایسے احسان سے

نرم· کیونکر نکرے دل کو تمھاری آواز؟
ایسے نارك سے گلے میں یہ کراری آواز!

مرتے دم یار جو آیا، تو کہوں کیا اب، آہ!
شدت ضعف سے، دیتی نہیں یاری آواز

اوس کے در سے نہ اوڑا خاك میری باد فنا (۲)
کہیں گے: «بعد فنا یار کا در چھوڑ دیا»

مجھے صیاد کہے ہے: «تجھے گر چھوڑوں گا»

---

(۱) طبقا: ۳۸؛ تذکره: ۵۴ ب؛ نغز: ۲، ۲۸؛ شیفته: ۱۲۰ ب؛ طبقات: ۲۵۶؛ سراپا: ۲۶؛ شمیم: ۱۷۶؛ سخن: ۳۵۱؛ طور: ۷۵؛ جواهر: ۲، ۶۲۷.

(۲) کذا. وانسب «بادصبا» است.

تو میں پر باندھه کے، یا توڑ کے پر چھوڑوں گا

در پہ وحشت مری دیکھه اوس نے کہا ہو کے به تنگ:

«اس کے ہاتھوں سے میں اك روز یه گھر چھوڑوں گا»

آج لے لو سب سے لادعوے، که روز حشر کو

ہو نه فریادی کوئی دامن تمہارا کھینچکر

یاردهم از طبقهٔ ثالث، سید مہراللهخان غیور (۱) که مثل آئینه محو صفای وصاف گوئی است اگرچه خود از تلا مذهٔ منت و ممنون است، که (۲۱۹ الف) طرز ایشان تلاشی است با تراکیب فارسیه؛ اما چون طبع لطیفش از اصل ساده پسند و ساده دوست افتاده، در شعر هم آن قدر سادگی را دوست میدارد که گاهی خیال تلاش بسهو هم نمیکند. آنچه بسته و نوشته، همه بی تکلف است. دیوانش قریب دوهزار بیت خواهد بود. با راقم حروف سر رشتهٔ محبت بسیار مضبوط و مستحکم دارد. بیان عمدگیء خاندان آن عالی نژاد، از شرح مستغنی است. میر فتح‌علیخان مرحوم، عم او بوده اند، و خود هم همیشه معزز و مکرم بود. این چند شعر ازو ست:

کیا پوچھے ہے، زاهد، تو اب آئین ہمارا؟

ایمان ہے اك کافر بیدین ہمارا

گرگئے قامت کو دیکھه، سرو گلستان کھڑے

رهگئے چال اوس کی (۲) دیکھه، کبك خرامان کھڑے

پوچھا نه کبھی اوس نے «که کیا نام ہے تیرا»؟

«کیوں آتا ہے، کس واسطے، کیا کام ہے تیرا»؟

---

(۱) ریاض: ۴۱ الف؛

(۲) اصل: «اوس کا»

جنبش میں ھے وہ ابروی خمدار متصل
تلوار (۱) پر برستی ھے تلوار متصل

وھاں تیری چلی غیر پہ، اے یار، کٹاری
یہاں رشک سے سینے کے ھوئی پار کٹاری

جسوقت کہ مجلس میں لیا غیر نے بوسہ
تب کیا ھوئی وہ آپ کی خونخوار کٹاری

گو غیر کو گھر اپنے میں یہاں تمنے بچایا
سن لیجو کہ ماری سر بازار کٹاری

آتا ھے یہی جی میں، غیور، اوس کی گلی میں
گر رھیے کہیں مار کے ناچار کٹاری

ھے جو وضع فلک میں بیمہری
اوسی عالی جناب کی سی ھے

(۲۱۹ب) کیا جانے، کون کون ھوے بیگنہ ھلاک؟
کوچے میں اوس کے رات دوھائی پڑی رھی

جاری ھوا یہ چشم کا سیلاب رات کو
ڈوبا تمام صبر کا اسباب رات کو

دوازدهم از طبقۂ ثالث، قمر چرخ فتوت، خورشید فلک مروت، جوان ضبیح، خوش فکر فصیح، جناب معلی القاب، نواب افتخار الدوله، معین الملک، مرزا قمرالدین احمد خانبهادر، صولت جنگ، دام‌ظله و اقباله، است و قمر تخلص می نماید. و آن خواهرزادۂ نواب سرفراز الدوله مرحوم، که نایب وزیر، یعنی نواب آصف الدوله

(۱) اصل: «تروار»

مغفور بود، و اکبر اولاد مرزا فخر الدین احمد خان بهادر، المشهور بمرزا جعفر صاحب، دام اقباله، است - جوانی است بالباس وجاهت و خوش تقریری آراسته، و بزیور خلق و حلم پیراسته، نهایت ذکی و کمال ذهین - هفت هشت سال شده که شوق شعر دامن دلش بخود کشیده، اورا در فکر ریخته مشغول ساخت - چون طبع آن عالی نژاد از اصل عالی بوده، در عرصهٔ قلیل سخن را بپایهٔ پختگی رسانده، صفای تمام پیدا نموده - اکثر غزلهای نامی و مشهور سلطان الشعرا مرزا محمد رفیع، و امیر بلغا میر محمد تقی، و محمد قایم صاحب، و بقا، و حسرت، و نثار را جواب گفته، بخوبی از عهدهٔ آنها برآمده؛ بلکه ببعض مقام برین بزرگواران رجحان جسته - کلامش بسیار باصفا و متانت است - تراکیب فارسیه دارد، و از ارشد شاگردان مرزا محمد حسن خان (۲۲۰ الف) قتیل است - بر راقم کمال مهربانی و نوازش میفرماید، و از قدیم مالوف بوده؛ بلکه عاصی از مدت نمك پرورده و دست گرفتهٔ خاندان اوست - عمر شریفش تخمینا بچهل و پنج سال رسیده باشد (۱) - این چند شعر کلام صفا نظام آن مجسن بنده است:

نه کیوں هو یاس دل زار کی مگر سے آج؟

دهواں سا اوٹهنے لگا بیطرح جگر سے آج

جراحت دل مضطر په هے نمك افشان

---

(۱) شیفته: ۱۳۴ الف؛ طبقات: ۳۴۶؛ سراپا: ۲۶۶، ۲۸۹، ۳۶۷؛ سخن: ۳۸۸؛ آبحیات: ۳۴۵؛ روز روشن: ۵۶۱؛ طو: ۸۱؛ گل: ۳۴۲، حاشیه؛ اشپرنگر: ۲۷۷.

در شیفته و طبقات، اسم پدر قمررا مرزا تقی هوس نوشته اند، که غلط محض است - و در خصوص وفاتش در روز روشن گفته که « در اواسط مایهٔ ثالث عشر قمر عمرش بخسوف مرگ منخسف گردید - » اما صاحب گل رعنا صراحت می کند که در ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۸ع) وفات یافت -

خیال خندۂ دندان نما، سحر سے آج
کچھ ان دنوں بہت اوس سے خفا ہے وہ بیمہر
ہوا ہے مجھکو یہ ثابت، رخ قمر سے آج

دشت میں صرف ہوئی ہمت نخچیر عبث
کب لگاتا ہے کسی صید پہ وہ تیر عبث؟

اغیار کی نظر میں مجھے خوار مت کرو
گھر تک تو میرے چلنے کی تکرار مت کرو
رسوائی ہوگی، دوستو، بازار حسن میں
ظاہر تو اوس کا مجھکو خریدار مت کرو
جب تک وہ خود شناس نہیں، تب ہی تک ہے خیر
غفلت کے خواب سے اوسے بیدار مت کرو
مصرف میں اپنے لاؤ اسے بھی حنا کے ساتھ
ضایع زمیں پہ خون مرا ہربار مت کرو
اے آہ شعلہ پرور و اے اشک خونچکاں!
افشا کسی پہ راز دل زار مت کرو

میں تیرے ہی آگے جان دونگا
تو قیس نکر قیاس مجھکو
آب دم تیغ یار، آ جلد
کرتی ہے تمام پیاس مجھکو
کر ڈالتا خوں میں اپنا کب کا؟
ہوتا نہ ترا جو پاس مجھکو

آمد شد نفس، دم خنجر ہے تجھ بغیر
جینا جہاں میں مرگ سے بدتر ہے تجھ بغیر

(۲۲۰ب) جلد آ پہنچ اثر کو لیے، نالۂ رسا
بر باد میرے اشك کا لشکر ھے تجھ بغیر
دل اور جگر میں آگ ھے ھجراں کی مشتعل
عاشق کی شکل، غیرت مجمر ھے تجھ بغیر

زباں پہ شکوہ نہیں تیغ یار جانی کا
میں کشتہ (ھون) تری، اے شمع، جانفشانی کا
اوٹھا سکے کبھی بار نگاہ مور نہ کوہ
جو اوس پہ سایہ پڑے میری ناتوانی کا
لگادی آگ سی دل میں تمام مجلس کے
برا ھو اس دل سوزاں کی قصہ خوانی کا
دلوں کو دلتی ھے، جوں آسیا، وہ گردش چشم
مجھے گلہ نہیں کچھ دور آسمانی کا
ندینا دل کہیں باتوں میں اوس کی آکے، قمر
بھروسا کچھ نہیں ایسے کی مہربانی کا

اوس فتنۂ محشر سے، قمر، دل نہ لگانا
اس چین سے پھر تو کسی عنواں نہ رھیگا

اے عندلیب، چہچہے تیرے بجا ھیں پر
میری طرح، ترا تہ خنجر گلو نہیں
حکم اوس گلی میں آنے کا مدت سے ھے مجھے
جز ناتوانی اب کوئی اپنا عدو نہیں

بدانکہ اسامیء چند کس از شعرا، کہ درین رسالہ ضبط شدہ، بعضی ازین بمنزلۂ اصل اند؛ چہ بنای صحت محاورۂ اردوی معلی بر مقولۂ اینہا متحقق گشتہ، یعنی، مثل مرزا محمد رفیع، و میر محمد

تقی، و مرزا جان‌جانان مظهر تخلص، و میر درد، و قایم، و سوز؛ و باقی بزرگان، که مسطور اند، بنابر فصاحت کلام خودها و شهره و اعتبار، که ایشان را درین فن حاصل شده است، و دوست و دشمن (۲۲۱ الف) مقر بکمال گردیده، آنها نرع - و الادر هر قصبه و بلده و قریه موزونان بسیار پیدا شده اند و می شوند، و موافق معلومات خویش و طبیعت مدام در زبان خودها همه شعرها می گویند و گفته اند - لیکن چون مدار ریخته بزبان خاص شاهجهان‌آباد است، بهمین جهت اشعار و کلام همان اشخاص، که در دهلی یا در لکهنئو نشو و نما یافته، و محاوره و زبان در صحبت شعرای مذکور تحقیق نموده، بپایهٔ اعتبار رسیده اند، مقبول و معتبراست و بس - هر چند شعرای قصبات فاضل و عالم فن باشند، اما کلام ایشان مطلق مقبول نیست، و برای دیگر هرگز سند نتواند شد؛ چه زبان دان و صاحب محاوره نیستند -

و شعر مرزاجان‌جانان، که درین مقام نوشته‌نشدند، سببش اینست که آن آفتاب چرخ فصاحت، و نیراعظم فلك بلاغت، بیشتر فارسی می‌گفت، و ریخته همینقدر که برای اصلاح بعضی از شاگردان او بکار آید، یا بکدام خیالے دیگر، بقلت میفرمود اما کلام نثر او، که سراسر سند بود، همه شعرا باوستادیء او مقر بودند، و درستیء کلام خود بنابر اصلاح و تصحیح او مسلم و موقوف میدانستند بلکه اعتقاد جمعے از محققین همین است، که بانیء بنای ریخته بطرز فارسی اول جناب ایشان است، چنانچه درین مقدمه هم باین معنی اشاره شده و دیگران همه متتبع و مقلد او هستند - بهر کیف در اوستادی و زباندانیء او (۲۲۱ ب) هرگز شك نیست -

مولف این کتاب که یکتا تخلص میگزارد، و خود را کمتر از همه می شمارد، میخواست که چند شعر از کلام خود هم بتقاضای یاے تحتیه که سر تخلص اوست، آخر همه درینجا بنگارد۔ اما چون پابند نام و شهرت درین فن نیست و نبود، لهذا هیچ نه نوشته، صرف بشعرهای امثله، که درین رساله درج هستند، اکتفا نمود۔

مخفی مباد، که عرصهٔ بعید و مدت مدید سپری گردیده، که چهرهٔ تسطیر این مقاله، و گردهٔ تصویر این رساله، برصفحهٔ وجود نقش گرفته، بسبب تردد خاطر و تشتت بال، که بوجوه شتی لاحق حال من غربت مآل مانده، در محل تعطل افتاده بود۔ و درین تعطیل، که سالهاسال بسر آمده، هرگز طبیعت متوجه نشد که بنظر ثانی پردازد، یا آن را بنحوی که منظور بود، درست سازد، که دوستی از دوستان فقیر، مسمی بشیخ رمضان علی صاحب، سلمه ربه، از باشندگان لکهنئو، کمر همت بسته، بنقلش پرداختند، و بسعی تمام در ماه ذیحجهٔ این سال آن را تمام ساختند۔ الحمد لله علی اتمامه، و الشکر علی التوفیق باختتامه۔

قطعهٔ تاریخ

صد شکر که اتمام پزیرفت رساله
واضح شد ازان جمله قوانین بلاغت
تاریخ تمامیش طلب کرد چو یکتا
فی الفور خرد گفت که «دستور فصاحت»
۱۲۴۹ھ

اشاریہ

۱- اشخاص

ا

ٹ

ج

چ

ح

خ

۲ — مقامات

ش

ص

ع

ف

ق

ک

ل

۳ - کتب و ألسنہ

ز

س

ش

ص

ط

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

ن

و

ہ

تصحیح و استدراک

(اس صحت نامے میں نقطوں وغیرہ کی وہ معمولی غلطیاں جو بادنی تامل سمجھ میں آجاتی ہیں، ترک کر دی گئی ہیں اور ح سے حاشیہ مراد لیا ہے۔)

صفحہ	غلط	صحیح
ص ۱ سط ۸	قرب او، تعالی	قرب او تعالی،
" ۵ " ٦	دفعة	دفعةً
" ۷ " ۱۴	حفن	چمن (اصل میں حفن ہی ہے۔ لیکن ہونا چاہیے کوئی ایسا لفظ جو متحرك الاوسط ہو۔ چونکہ چمن کو غلط فہمی سے کاتب حفن لکھہ سکتا ہے، اور ہے بھی وہ متحرك الاوسط، اس بنا پر میری رائے میں متن کے اندر چمن لکھنا چاہیے۔)
" ۱۳ " ۲	فقط	ضبط (اصل میں فقط ہی ہے۔ مگر وہ ضبط کی تصحیف معلوم ہوتی ہے۔)
" ۲۱ " ۲۱	آپ	آپ کو
" ۲۳ " ۲۳ح	خوصاً	خصوصاً
" ۱۲۳ " ۳ح	بحرکت دوم (؟) است	بحرکت دوم است.
" ۳۷ " ۵ح	طبعیت	طبیعت
" " ۲۳ح		(اضافہ کرو) و احمدعلی ہاشمی در مخزن الغرائب (۱٦۳ ب) گفتہ : « خواجه میر درد، رحمة الله علیه، وی پسر جناب خواجه محمد ناصر است . سلسلۂ ایشان بحضرت بهاءالدین نقشبند، قدس سره، میرسد. پدرش مرید شیخ سعدالله گلشن است که آینده

صفحه	غلط	صحیح
		ذکرش در حرف کاف خواهد آمد۔ در دهلی بلکه در تمام هندوستان نظیر خود نداشت۔ ملکی بود بصورت انسان و شاهی بود بجامهٔ خلقان۔ کمال استغنا و فروتنی داشته۔ خداش بیامرزد! دیوان هندی‌اء او مشهور است۔ حاجت بیان نیست۔ و بزبان فارسی نیز دیوانی ترتیب داده۔ لیکن بسبب هرج و مرج دهلی که دران وقت روداده بود، چند شعر که از گفتهٔ ایشان بدست آمده بود، تلف شدند فقیر ایشان را زیارت نموده۔ نهایت شفقت بزرگانه بحال نیازمند مبذول می فرمودند۔»
,, ۴۵ ,, ۳	شبہ	شبهه
,, ۵۷ ,, ۱۵	ہوگا	ہو گیا
,, ۵۸ ,, ۳ح		(اضافه کرو) بوستان اوده: ۹۶؛ تاریخ مثنویات اردو: ۸۵
,, ۶۳ ,, ۸ح		(,,) وفاتی ابوالعلائی در کیفیة العارفین (ص ۱۷۱-۱۷۸، مطبع منعمی، گیا، ۱۳۵۰ھ) ذکر مفصلی از شاه رکن الدین عشق آورده - و در خصوص وفاتش گفته که عشق روز یکشنبه بوقت ظهر هفتم ماه جمادی‌الاولی سال یکهزار و دو صد و سه هجری در عظیم آباد فوت شد۔»
,, ۶۵ ,, آخری ح	بخنده۔	بخنده
,, ۸۳ ,, ۴	(۱)	۔
,, ۸۵ ,, ۴ح		(اضافه کرو) تاریخ مثنویات اردو: ۵۴۔
,, ۹۰ , ۲۱ح	نبود	بهبود
,, ۹۱ ,, ۱۰ح	ردیگر	و دیگر

صفحه	غلط	صحیح
,, ۹۳ ,, ۸	محی	محبی
,, ,, ,, ۵ح		(اضافه کرو) تاریخ مثنویات اردو: ۱۰۱
,, ۹۴ ,, ۸	تلامذش	تلامیذش (مگر اصل میں تلامذش هی هے).
,, ۹۸ ,, ۱۵	طوطئے	توطیے (مگر اصل میں طوطئے هی هے)
,, ۹۹ ,, ۵ح		(اضافه کرو) تاریخ مثنویات اردو: ۷۰
,, ۱۰۱ ,, ۵ح		(اضافه کرو) عسکری: ۲، ۸؛ تاریخ نثر اردو: ۸۵؛ داستان تاریخ اردو: ۱۰۳۔
,, ۱۰۳ ,, ۳ح		(اضافه کرو)بوستان اوده: ۱۱۱؛
,, ۱۰۳ ,, ۴ح		(,,) تاریخ نثر اردو: ۹۷۔
,, ۱۰۴ ,, ۵ح		(,,) تاریخ داستان اردو: ۱۵۳
,, ۱۰۸ ,, ۱۸ح	مستخصر	مختصر
,, ۱۱۹ ,, ۷	صفای	صفائی

تصحیح دیباچه

صفحه	غلط	صحیح
,, ۲ ,, ۱۰	ادیوں	ادیبوں
,, ۱۳ ,, ۴	راغ	زاغ
,, ۲۵ ,, ۷	بتییض	تبییض
,, ۵۲ ,, ۷	وجهه	وجه
,, ۵۷ ,, ۴ح	۲،۹۲	۹۲،۲
,, ۵۸ ,, ۵	سنۂ هجری	سه هجری
,, ۱۱۶ ,, ۱۳	Dictconary	Dictionary

مطبوعات کتابخانہ رامپور

۱۔ مکاتیب غالب (اردو دوسرا ایڈیشن)، یہ مرزا صاحب کے اُن ۱۲۹ خطوط کا مجموعہ ہے، جو فرمانروایان رامپور اور اُن کے متوسلین کو لکھے گئے تھے۔ اس ایڈیشن میں مرزا صاحب کے ۱۴ نئے خط، بیتاب رامپوری اور نواب فردوس مکان کے اشعار پر اصلاحیں اور حالی مرحوم، صفیر بلگرامی، رنج میرٹھی، اور نیر دہلوی کے غیر مطبوعہ قصائد وغیرہ شامل کیے گئے ہیں۔ قیمت ۲ روپے ۱۲ آنے

۲۔ کتاب الاجناس (عربی)، ابو عبید قاسم بن سلام ہروی بغدادی کا ایک نادر رسالہ ہے، جس میں مصنف نے وہ الفاظ جمع کیے ہیں، جن کے کئی معنی ہوتے ہیں۔ مفید حواشی اور دیباچے کے ساتھ اسے شائع کیا گیا ہے۔ آخر میں ایک ضمیمہ ہے، جس میں مرتب نے بہت سے اُسی قسم کے الفاظ ابو عبید کی کتاب سے تلاش کرکے اکٹھے کر دیے ہیں۔ قیمت ۱۰ آنے

۳۔ انتخاب غالب (فارسی و اردو)، مرزا غالب کے فارسی و اردو دیوان کا انتخاب، جسے خود غالب نے سنہ ۱۸۶۶ع میں نواب خلد آشیاں کی فرمایش پر مرتب کیا تھا۔ شروع میں ۴۰ صفحوں کا دیباچہ اور آخر میں شرح غالب کے نام سے مرزا صاحب کی وہ تمام عبارتیں درج کی گئی ہیں، جن میں انھوں نے اپنے اشعار کے معنی بتائے ہیں، یا اُن سے کسی شعر کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔ کتاب بڑے اہتمام کے ساتھ اعلی درجے کے ولایتی کاغذ پر بیحد دیدہ زیب چھپی ہے۔
قیمت ۸ روپے (غیر مجلد) ۱۰ روپے (مجلد هاف باؤنڈ) ۱۲ روپے (مجلد چرمی)

۴۔ دستور الفصاحت (فارسی)، یہ یکتا لکھنوی کی کتاب کا دیباچہ اور خاتمہ ہے، جسے تذکرۂ شعرا کے طور پر علیحدہ چھاپا گیا ہے۔ اس میں ۳۵ اساتذۂ اردو کا حال اور منتخب کلام درج ہے۔ مرتب نے شروع میں ایک تفصیلی دیباچہ لکھا ہے، اور حواشی میں تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ حوالے یکجا کردیے ہیں۔
قیمت دو روپے آٹھ آنے (مجلد) دو روپے (غیر مجلد)